إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ

تفسیر القرآن العظیم

www.KitaboSunnat.com

مختصر سوال و جواب کی صورت میں

الٓمّٓ-1

نگہت ہاشمی

ALNOOR-PUBLICATIONS
النور

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ

تفسیر القرآن العظیم

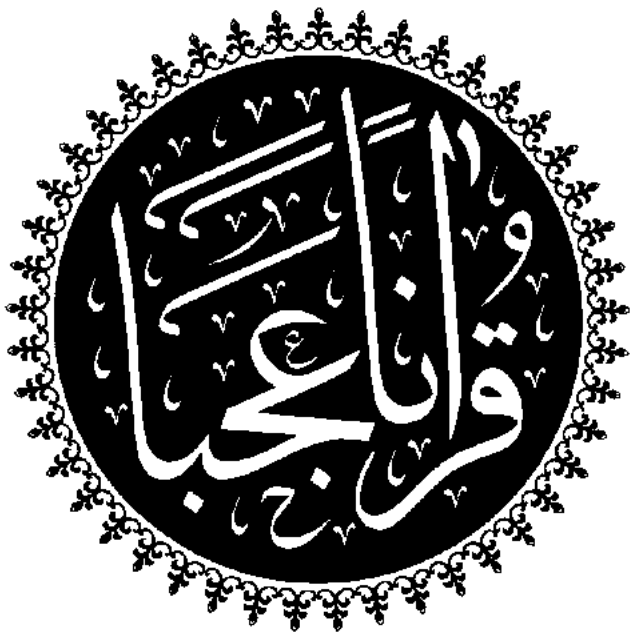

قرآنا عجبا

مختصر سوال و جواب کی صورت میں

الٓمّٓ - 1

نگہت ہاشمی

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : قُرْآنًا عَجَبًا (پارہ 1)

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : مئی 2020ء

طبع دوم : نومبر 2021

تعداد : 1100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 59-C2 ، فیروز پور لنک روڈ، لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-37500049, 042-37500048

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42

فیصل آباد : A-121 فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 03364033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

پرنٹنگ اینڈ ڈیزائننگ

دارالسلام قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، کوٹ عبدالمالک انٹرچینج، لاہو

+92-321-8484569 | +92-300-1001345

عرض ناشر

إن الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له،ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له و أشهد أن محمدا عبده و رسوله.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔ ہمیں جو زندگی عطا کی گئی وہ کتنی مختصر ہے۔ ابھی ہوش کی آنکھ کھلی ہی تھی کہ اس کے بند ہونے کی تیاری ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے

بیٹھنے کی یعنی زندگی گزارنے کی جو مہلت ملی ہے، اس سے ہمیشہ کی زندگی کے لیے نفع کشید کرنا چاہتی ہوں۔ جو وقت ملا ہے اس میں ایسا کام کر جاؤں کہ جب اس جہان سے چلی جاؤں، جب اگلی زندگی کے انتظار میں قبر میں رکھ دی جاؤں تو میری کتابِ زندگی، میرا نامہ اعمال بند نہ ہو، ایسی نیکیوں کے لیے کھلا ہی رہے جو باقی رہنے والی زندگی کے کام آئیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَحبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ»

''لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ وہ ہے جو لوگوں کے لیے نفع مند ہو۔''

(سلسلہ احادیث صحیحہ:906)

میں نے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ بندی بننے کے لیے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔

دنیا کا سب سے قیمتی علم ''قرآن مجید'' کا علم ہے۔ اس علم کو سیکھنے اور سکھانے والوں کے بارے میں تاریخ کے سب سے عظیم انسان محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن مجید کو خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔'' (صحیح البخاری:5027)

علم حاصل کرنا سب سے بڑی نیکی اور سب سے بڑی بھلائی ہے اور سب سے بڑا تعاون طالب علم کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے اس کو آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنا ضروری ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں آسان الفاظ کا انتخاب ضروری ہے، وہیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اس کے مضامین کو سمجھنے کے لیے بھی آسانیاں پیدا کی جائیں۔

تفسیر ''قرآنًا عجبًا'' میں سوال و جواب کے انداز میں ایسے نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔سوال اٹھا کر اور جواب کو سادگی کے ساتھ مختلف نکات میں بانٹ کر جو آسانی پیدا کر دی گئی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قرآن کو سیکھنے اور سکھانے میں سہولت پیدا ہوگی۔آپ کے لیے آسانیاں پیدا کر کے اللہ تعالیٰ ہی سے اجر کی توقع رکھتے ہیں۔**الحمد للہ رب العالمین.**

قرآنًا عجبًا ایک خواب تھا، اب تعبیر کی صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہے، گھر گھر تک، دنیا بھر تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں اور اجر کی امید اپنے رب ہی سے باندھے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن مجید کو ہر ہاتھ میں تھمانا چاہتے ہیں، جس کا ایک سرا بندے کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا ہمارے ''رب'' کے ہاتھ میں ہے۔کیا آپ اللہ تعالیٰ کی رسی کو خود تھام کر دوسروں کو نہیں تھمائیں گے؟

قرآن سیکھیں　　دوسروں کو سکھائیں

خود پڑھیں　　دوسروں کو پڑھوائیں

ایک آیت روزانہ گھر والوں میں بیٹھ کر، کسی آفس میں، کسی بھی مقام پر پڑھنا مشکل نہیں۔ذوق ہو تو زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔یہ اجر کا لازوال سلسلہ ہے۔بے مثال زندگی کے لیے اس کا آغاز کر لیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

دعاؤں کی طلب گار

فائزہ خان

مینیجنگ ڈائریکٹر النور پبلیکیشنز

اٰیَاتُھَا 7 | سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعُھَا 1

سوال1: فاتحہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فاتحہ اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز شروع کی جائے۔قرآن پاک کا آغاز اس سورت سے ہوتا ہے اس لیے اس کو سورۃ الفاتحہ کہتے ہیں۔قرآن مجید کی تلاوت، کتابت اور نماز کی قرأت اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

سوال2: سورۃ الفاتحہ کے اور کون سے نام ہیں؟

جواب:(1) الحمدللہ ہی ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی، قرآن عظیم، الحمد اور الصلوٰۃ ہے۔

(2) الفاتحہ کے دیگر ناموں میں الشفاء، الکنز اور الرّقیہ بھی ہیں۔

سوال3: سورۃ الفاتحہ کہاں نازل ہوئی؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔

سوال4: سورۃ الفاتحہ کی کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت کی سات آیات ہیں۔

سوال5: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورۃ کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ سورۃ پہلے نمبر پر اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے پانچویں نمبر پر ہے۔

سوال6: سورۃ الفاتحہ کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:(1) سیدنا ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ آج میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلنے لگے تو میں نے یاد دلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت بتانے کا وعدہ کیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔'' (بخاری:4474)

(2) سیدنا ابوسعید مولیٰ عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل ایک ایسی سورت بتاؤں گا کہ اس جیسی تورات وانجیل میں نہیں اتاری گئی اور نہ ہی قرآن میں ویسی کوئی

دوسری سورت ہے'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ جب نماز کی ابتداء کرتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ سورت ہے۔'' (مؤطا امام مالک:182)

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ نے اس سورت کے مثل نہ تورات میں کوئی سورت نازل کی، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ فرقان (قرآن) میں اور بے شک وہ سبع مثانی ہے۔'' (ترمذی:2875)

(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، ایک دن جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے اوپر کی طرف سے بڑے زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا اور اس سے ایک فرشتہ اترا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اس دروازے سے یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے، یہ آج کے دن سے پہلے کبھی نہیں اترا۔'' اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: ''آپ کو ان دونوروں کی خوش خبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں یہ آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان میں سے ایک سورۃ الفاتحہ ہے اور دوسرا نور سورۃ البقرہ کی آخری آیات ہیں۔ آپ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی حرف تلاوت کریں گے تو آپ کو مانگی ہوئی چیز ضرور عطا کر دی جائے گی۔'' (مسلم:806)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز پوری نہیں ہوئی بلکہ اس کی نماز ناقص رہی۔'' یہ جملہ آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: اس وقت تم لوگ آہستہ سورۃ الفاتحہ پڑھ لیا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل کا یہ قول فرماتے سنا ہے: ''نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو چکی ہے اور میرا بندہ جو سوال کرتا ہے وہ پورا کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور نمازی جب ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری توصیف کی۔ اور نمازی جب ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور یوں بھی کہتا ہے کہ میرے بندے نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیے ہیں۔ اور نمازی جب ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ پڑھتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کا درمیانی معاملہ ہے میرا بندہ جو سوال کرے گا وہ اس کو ملے گا۔ پھر جب نمازی اپنی نماز میں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھتا ہے تو

اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ سب میرے اس بندے کیلئے ہے اور یہ جو کچھ طلب کرے گا وہ اسے دیا جائے گا۔'' (مسلم:395)

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے''

سوال1: ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا کس لیے ضروری ہے؟

جواب:(1) قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ ''پس جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔'' (النحل:98) اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے بھی ہمیشہ اعوذ باللہ پڑھی۔

(2) یہ کتاب ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا راستہ بتاتی ہے، شیطان ہمیں اس راستے سے روکنا چاہتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس کے شر سے بچا سکتا ہے۔ شیطان کے شر کو دور کرنا واجب ہے۔

سوال2: شیطان کون ہے؟

جواب:(1) شیطان ایک جن ہے جو انسان کا دشمن ہے۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے۔'' (الکہف:50)

(2) شیطان کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے کہا گیا تھا تو اس نے حسد کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(3) شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے، فریب دینے اور وعدوں کے جال میں الجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی تھی۔

(4) شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹانے اور برائی پر آمادہ کرنے کے لئے مسلسل دشمنی جاری رکھتا ہے۔

(5) شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے سے انکار کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے رجیم قرار دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

''اللہ تعالیٰ کے نام سے جو وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے''(1)

سوال 1: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے، جو تصرف کرتا ہے، جس کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں، جو واحد معبود ہے، جو تمام صفات کمال رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے۔

(2) ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ''وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے'' الرحمٰن اور الرحیم دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ رحمت اس کی صفت ہے جس سے وہ مخلوق پر رحم کرتا ہے۔ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے'' (الاعراف:156) (4) اللہ تعالیٰ نے انبیاء وصالحین کے لیے اپنی رحمت کو لازم کر دیا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا واجب ہے۔ مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ رحمن اور رحیم ہے، وہ رحمت کا مالک ہے۔

سوال 2: بسم اللہ کے فضائل بیان کریں؟

جواب: (1) ہر کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے کرنا اسلامی طریقہ کار ہے۔ رب العزت نے علم کا رشتہ بھی اپنے نام سے جوڑا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ ''آپ پڑھیں اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔'' (العلق:1)

(2) نماز پہلا فریضہ ہے جس کو وضو کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ عبادت کے لیے وضو کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی دیا گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا، اس کا وضو نہیں ہوتا۔'' (ترمذی:25)

(3) ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔

(4) نبی ﷺ نے کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا۔

(5) اللہ تعالیٰ کے نام سے سونا اسلامی طریقہ ہے۔ نبی ﷺ نے سونے سے پہلے یہ دعا کرنی سکھائی: ﴿اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا﴾ ''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔'' (بخاری:6314)

(6) تمام کاموں سے پہلے برکت، مدد اور قبولیت کی امید پر بسم اللہ پڑھنا اسلامی طریقہ ہے۔

(7) ہر سورت سے پہلے یہ نازل ہوئی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سورۃ کی حد وانتہا کو نہیں

جان پاتے تھے، جب تک کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ آپ پر نہ اتر جاتی۔ (ابوداؤد:788)

(8) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی آیت سے تحریر قرآن مجید کا آغاز کیا۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آسانی سے ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے اور آسانی سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رشتہ شعوری طور پر کوشش کرنے سے جوڑنا پڑتا ہے۔ یہ عقل اور روح کا رشتہ ہے لہٰذا اس کے لیے شعوری کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یا ارحم الراحمین! ہمیں توفیق عطا فرمادے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے'' (2)

سوال 1: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کیا ہے؟

جواب: (1) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' الحمدللہ کلمہ شکر ہے۔

(2) رب العزت نے اپنی کتاب کے آغاز میں ہماری راہ نمائی کی ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ''الحمدللہ'' کہہ کر ادا کریں۔

(3) شکر کا انداز اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں پر اور اس کی اعلیٰ درجے کی صفتوں پر اپنایا گیا۔ (ابن کثیر:5/1)

(4) اللہ تعالیٰ کی صفات کامل ہیں اور اس کے افعال عدل پر مبنی ہیں اور فضیلت والے ہیں۔

(5) اللہ تعالیٰ کامل حمد کا مالک ہے اس لیے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جیسا کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔

(6) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ﴾ ''الحمدللہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے۔'' (مسلم:534) بندے اور رب کا تعلق شکر کا تعلق ہے۔ انسان شکر گزار ہوتا ہے تو رب قدر دان بن جاتا ہے۔ یہ بندے اور رب کا رشتہ ہے۔

(7) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی مدح کو پسند کرنے والا اور کوئی نہیں، اسی لیے اس نے اپنے نفس کی خود تعریف کی ہے۔'' (بخاری:4637)

(8) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو تہذیب سکھائی ہے اس کے مطابق ہر کام کا اختتام الحمدللہ پر ہونا چاہیے، نبی ﷺ کاموں کے اختتام پر الحمدللہ کہتے۔ آپ ﷺ کبھی یہ دعا کرتے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کے فضل سے نیک کام پورے ہوتے ہیں۔'' (ابن ماجہ:3803)

سوال 2: تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے قائم ہیں، اس کی وضاحت ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا،ان کا مالک اور مختار،ان کے لیے تدبیر اورانتظام کرنے والا ہے۔سارے جہان اس کی ربوبیت سے قائم ہیں۔

(2)﴿رَبِّ﴾''پالنے والا''رب کا مطلب ہے،معبود،آقا،مالک اور مختار کل جو اپنی ملکیت کی تمام چیزوں میں تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔وہ تمام جہانوں کا مربی ہے۔

(3)﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾''سارے جہانوں کا''اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق عالم ہے اور عالمین اس کی جمع ہے۔

(4)مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تربیت کی دو قسمیں ہیں۔تربیت عامہ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا،اس نے رزق عطا کیا اوران مصالح کی طرف راہ نمائی کی جن میں ان کی دنیاوی زندگی کی بقا ہے اور تربیت خاصہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لیے خاص ہے۔اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے تربیت کرتا ہے اوران تمام چیزوں کو دور کرتا ہے جو حق کے راستے پر چلنے نہیں دیتیں۔اسی تربیت سے ہر نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی سے بچنے کی توفیق ملتی ہے۔

(5)صرف اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا کیا وہ اکیلا ہی تدبیر کرتا ہے اور سارا عالم اس کا محتاج ہے۔

(6)﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۳) قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾''فرعون نے کہا:''اور رب العالمین کیا ہے؟''موسیٰ نے کہا:''آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کا بھی رب جو ان کے درمیان ہے،اگر تم یقین کرنے والے ہو۔''(الشعراء:24,23)

سوال3:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہنے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:انسان جب یہ کلمہ کہتا ہے تو(1)اُس کی سوچ اور عمل کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔جیسے کائنات اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی پابند ہے ایسے ہی انسان بھی اپنے رب کا پابند ہو جاتا ہے۔

(2)اُس پر وہی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ہوئے تھے کہ وہ اپنی ساری توقعات رب سے باندھ کر رکھتے تھے۔جیسا کہ فرمایا:﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (۷۷) الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ (۷۸) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۷۹) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۸۰) وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ (۸۱) وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴾''سو بلاشبہ وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے ایک رب العالمین کے۔جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری راہ نمائی کرتا ہے۔اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔اور جو مجھے موت دے گا پھر وہ مجھے زندہ کرے گا۔اور جس سے میں طمع رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطا بخش

دے گا۔'' (الشعراء:77-82)

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

''وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے'' (3)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی وضاحت ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ''وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ فرمایا: ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ ''اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے۔'' (الانعام:12)

(2) اللہ تعالیٰ کی صفات الرّحمٰن اور الرّحیم اس کی باقی صفات پر حاوی ہیں اس لیے رحمت کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے ان صفات کا دوبارہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان صفات سے خالق اور مخلوق کا تعلق واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق بندے کے ساتھ شدید رحمت اور شفقت کا ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۛ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ﴾ ''اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا۔'' (الملک:19)

(4) ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ''تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (الرحمن:21)

(5) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے حصے رکھے، صرف ایک حصہ زمین پر اتارا اور اسی کی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کو اپنے سم نہیں لگنے دیتی بلکہ سموں کو اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اس سے اس کے بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔'' (بخاری:6000)

(6) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ﴾ ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔'' (ترمذی:1924)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تذکرے سے انسان کے دل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کی رحمت بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے پر اُبھارتی ہے۔

(2)انسان کو یہ یقین آجاتا ہے کہ میرا رب مجھے، میرے وقت، میرے مال، میری صلاحیتوں اور میری قوتوں کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔(3)انسان کو یہ یقین آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس زندگی کے ہر عمل کو فائدہ مند بنادے گا۔

(4)یہ رب کی رحمت ہے جو انسان کے اندر امید ابھارتی ہے۔رحمت کی وجہ سے بندے اور رب کے درمیان اُمید کا رشتہ اُبھرتا ہے۔یہ اُمید کا رشتہ ہے، امید ختم ہوجائے تو یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی کی راحتیں ختم ہوگئیں۔اسی وجہ سے رب نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اگر کافر کو وہ تمام رحم معلوم ہوجائے جو اللہ کے پاس ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہوجائیں جو اللہ کے پاس ہیں تو دوزخ سے کبھی بے خوف نہ ہو۔''(بخاری:6469)

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾

''بدلے کے دن کا مالک ہے''(4)

سوال1:اللہ تعالیٰ کے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے سے مراد ہے کہ اس دن ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہوگی، کوئی فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکے گا، اس دن کوئی سفارش، کوئی دوستی، کوئی تجارت کام نہیں آئے گی۔

(2)﴿مٰلِكِ﴾ اللہ تعالیٰ مالک ہے۔مالک وہ ہوتا ہے جو حکم دے، روک لے، جو نیکیوں کا بہترین ثواب عطا کرے، جو گناہوں پر سزا دے اور جو ہر قسم کا تصرف کرے۔

(3)﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ''بدلے کے دن کا'' اللہ تعالیٰ جزا کے دن کا یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔

(4)جزا کے دن سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ(۱۷) ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ(۱۸) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ(۱۹)﴾ ''اور تم کیا جانو کہ جزا کا دن کیا ہے؟ پھر تم کیا جانو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اُس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔''(الانفطار:17-19)

(5)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے

والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر والے کہاں ہیں؟'' (مسلم:7051) (6) جزا کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(7) جزا کے دن اللہ تعالیٰ کی کامل ملکیت، کمال حکمت اور کمال عدل مخلوق پر ظاہر ہو جائے گا۔

(8) جزا کے دن جبرائیل اور دیگر فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ ''جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔'' (النبا:38)

(9) جزا کے دن وہی بات کرے گا جس کو رحمٰن کی طرف سے اجازت دی گئی ہوگی۔ ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ ''جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔'' (ھود:105)

(10) جزا کے دن سب جزا و سزا کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہوں گے اس کے ثواب کی امید رکھیں گے اور عذاب سے خوف کھائیں گے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ ہے پھر وہ سزا کیوں دے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ ہے پھر وہ سزا دے گا اس لیے کہ (1) دنیا میں تمام اعمال کا بدلہ نہیں مل سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ انصاف اور عدل بھی کرے۔

(2) اللہ تعالیٰ ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ ہے لیکن بے انصاف نہیں ہے اس لیے جن کو برے اعمال اور زیادتیوں کی سزا دنیا میں نہیں ملتی ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ (3) وہ قدر کرنے والا ہے اس لیے اس نے نیک کام کرنے والوں کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے آغاز میں اپنی صفات کا تعارف کروایا ہے، ان پر غور و فکر سے انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: (1) جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ کی پہچان ملتی ہے اور اس طریقے سے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جینا سیکھ لیتا ہے۔

(2) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور و فکر کرتے ہیں ان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ سوچ بدلتی ہے، عمل بدلتا ہے، سرگرمیاں

بدلتی ہیں،قرآن سے تعلق بنتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔انسان کے اخلاق بدلتے ہیں، انسان سچا انسان بنتا ہے، امانت دار بنتا ہے،عہد کو پورا کرنے والا بنتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی پہچان سے اللہ تعالیٰ کے لیے مال، وقت اور صلاحیت لگانے کا جذبہ انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

(3)عمل بدلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا راستہ ہے اور اعمال بدلنے کے لیے جو چیز کام آتی ہے وہ آخرت کی یاد ہے۔

(4)اللہ تعالیٰ کی صفات سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پہچان سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق محبوب ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان تعصب سے نکل آتا ہے،کوئی کالا ہو یا گورا،کوئی اس کے وطن سے تعلق رکھتا ہو یا امریکہ سے یا افریقہ سے یا ایشیا سے یا کسی دور افتادہ علاقے سے،ان تمام لوگوں کے ساتھ اس کا رشتہ بن جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں اور وہ تعصب سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کی وجہ سے تعصب دور ہوتا ہے۔پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سچا جذبہ انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے،اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق بیدار ہوجاتا ہے اور اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے۔وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مجھ سے خوش ہوجائے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور وفکر کو اپنا مطمع نظر بنانا ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾

''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''(5)

سوال 1: عبادت سے کیا مراد ہے،اس کی وضاحت ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)عبادت انتہائی ذلت،عاجزی اور انکساری کو کہتے ہیں۔اصطلاح شریعت میں عبادت محبت،خوف،خشوع اور خضوع کے مجموعہ کا نام ہے۔(مختصر تفسیر ابن کثیر:7/1)

(2)شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں:عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔وہ اقوال ہوں یا ظاہری وباطنی اعمال ہوں۔(رسالۃ العبودیۃ:149/10)

(3)﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں''یعنی ہم ایک اللہ تعالیٰ کو عبادت کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

(4)﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔کسی اور کا یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔

(5)اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی عبادت کا تقاضا کرتی ہے،یہی اس کی توحید الوہیت کا ثبوت ہے۔آیت کے اس حصے میں

شرک سے نفرت کا اظہار ہے۔(6) عبادت کو عبادت نہیں کہا جا سکتا جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں نہ ہو اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو۔

سوال 2: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی کیا بنیادیں ہیں؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی دو عظیم بنیادیں ہیں: (1) رسول اللہ ﷺ کی متابعت۔ (2) معبود کے لیے اخلاص۔ (الضوء المنیر: 91/1) معبود کے لیے اخلاص یہ ہے کہ سارے اقوال اور اعمال اس کے لیے ہوں اور عطا کرنا اور روک لینا اس کے لیے ہو اور محبت اور نفرت اس کے لیے ہو، ظاہری اور باطنی معاملات اس کے لیے ہوں۔ کسی معاملے کی جزا انسانوں سے طلب نہ کی جائے، نہ ان سے عزت چاہی جائے، نہ تعریف اور نہ ان کی مذمت کا خوف رکھا جائے۔ جو لوگ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کا رب العزت نے مطالبہ کیا ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ﴾ ''اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے، یک سو ہونے والے ہوں۔'' (البینۃ: 5)

سوال 3: عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تمام نعمتیں اس نے عطا کی ہیں، زندگی اور موت کے سارے اختیارات اسی کے قبضے میں ہیں۔ اس لیے اس کا حق ہے کہ زندگی کو اس کی مرضی کے مطابق گزارا جائے۔ توہمات، غلط طور طریقوں اور رسوم و رواج سے بچا جائے۔ لوگوں کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مانی جائے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو'' (البقرہ: 21) نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں تب وہ انہیں عذاب نہ دے'' (بخاری: 6500)

سوال 4: اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان استعانت کے رشتے کی وضاحت ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) استعانت کا مطلب جلب منفعت (نفع حاصل کرنے) اور دفع ضرر (نقصان کو دور کرنے) کے حصول میں پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ہے۔ (تفسیر سعدی: 72/1)

(2) استعانت میں اس کی ساری قسمیں آ جاتی ہیں مثلاً توکل، تفویض اور تسلیم وغیرہ۔ (الضوء المنیر)

(3) شریعت کی اصطلاح میں استعانت کا مطلب ہر طرح کی عبادت اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد مانگنا ہے۔

(4) ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ''اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' یعنی ہم ایک اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں، استعانت کو اسی کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

(5) پس نجات کا راستہ یہی ہے کہ عبادت بھی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی کی جائے اور مدد بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری اطاعت اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم: 19/1)

(7) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا درست نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے! بیشک میں تمہیں چند اہم باتیں بتلا رہا ہوں: تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ کے حقوق کا خیال رکھو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو، جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔'' (ترمذی: 2516)

(8) اللہ تعالیٰ نے استعانت کو عبادت کے بعد ذکر کیا ہے حالانکہ استعانت عبادت میں داخل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد نہ فرمائے تو بندہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کے منہیات سے اجتناب نہیں کر سکتا۔ (تفسیر سعدی: 72/1)

(9) عبادت اور استعانت کو کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب اُس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' (ہود: 123)

(10) رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا سکھائی۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: "اے معاذ! قسم اللہ تعالیٰ کی، میں تم سے محبت کرتا ہوں، قسم اللہ تعالیٰ کی میں تم سے محبت کرتا ہوں"، پھر فرمایا: "اے معاذ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں: ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا: ﴿اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾ "اے میرے اللہ! اپنا ذکر کرنے، شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔" (سنن ابی داؤد: 1522)

سوال 5: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہونے چاہئیں؟

جواب: (1) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا غلام سمجھیں۔ (2) اللہ تعالیٰ کو اپنی زندگی کا مالک سمجھیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کو اپنی موت کا مالک سمجھیں۔ (4) اپنے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔

(5) ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ (6) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے مطمئن ہو جائیں۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

"ہمیں سیدھے راستے پر چلا" (6)

سوال 1: صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو جنت تک پہنچاتا ہے۔ یہ حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔

(2) صراط مستقیم وہ شریعت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ بندے کے لیے اپنی سعادت کا کوئی راستہ صراط مستقیم پر استقامت کے سوا نہیں اور استقامت کے لیے کوئی راستہ رب العزت کی ہدایت کے بغیر نہیں۔ جیسے عبادت استعانت کے بغیر ممکن نہیں ایسے ہی صراط مستقیم پر استقامت اس کی ہدایت کے بغیر ممکن نہیں۔

(3) صراط مستقیم سے مراد "اسلام" ہے یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کھولا، جس پر چلنے کی دعوت اس کے رسولوں نے دی، جس پر اس کے نیک بندے چلتے رہے، جو ہمیں اس کی رضا اور جنت تک لے جا سکتا ہے۔ سیدھا راستہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دکھا سکتا ہے اور اس پر وہی چلا سکتا ہے۔ ہمیں صراط مستقیم کا علم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ انہوں نے علم بھی دیا اور اس پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھایا۔ ان کی ذات اور ان کے قائم کردہ نظام میں صراط مستقیم کا بہترین نمونہ ہے۔

(4) ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ "ہمیں سیدھے راستے پر چلا" یعنی سیدھے راستے کی جانب ہماری راہ نمائی فرمایئے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

(5)صراط مستقیم کے لیے راہ نمائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام دینی معاملات میں علم وعمل کے اعتبار سے ہماری صحیح اور مکمل راہ نمائی فرمایئے۔(6)یہ دعا سب سے زیادہ جامع ہے۔

(7)انسان پر واجب ہے کہ اپنی ہر رکعت میں اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کیونکہ وہ اس کا ضرورت مند ہے۔

(8)﴿وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾''اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا۔'' (آل عمران:101)

(9)صراط مستقیم پر تو مسلمانوں کا صرف وہی فرقہ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:﴿مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ﴾''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (ترمذی: کتاب الایمان)

(10)رسول اللہ ﷺ نے ایک اور دعا سکھائی:﴿اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِیْ وَاجْعَلْنِیْ هَادِیًا مَّهْدِیًّا﴾''اے اللہ! مجھے ثابت قدم رکھ اور مجھے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔'' (بخاری:161/6)

(11)اسی طرح سے نبی ﷺ دعا مانگتے تھے:﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ﴾''اے اللہ! میرے دل میں میری ہدایت ڈال دیجیے اور مجھے میرے نفس کی برائی سے بچا لیجیے۔'' (احمد:444/3)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا دیں۔ یا الٰہی! ہمارے دلی شوق اور جذبوں کی ڈور آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ ہماری راہ نمائی فرمایئے۔ ہمیں ایسے شوق پر بھی اختیار نہیں۔ جب تک آپ کی مدد شامل نہ ہو ہمارے جذبوں میں بھی وسعت نہیں آتی، اس لیے ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کا ذوق اور شوق عطا فرمائیں اور بہترین انسانوں کی صحبت اور ان کا تعاون عطا فرمایئے اور ان تک ہماری راہ نمائی فرمایئے۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے صراط مستقیم کی وضاحت کیسے فرمائی؟

جواب: (1)نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال دی ہے، اس صراط مستقیم کے دونوں جانب دو گھر ہیں، ان گھروں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ایک پکارنے والا اس راستے کے سرے پر کھڑا پکار رہا ہے اور دوسرا پکارنے والا اوپر سے پکار رہا ہے، (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی)﴿وَاللّٰهُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾''اللہ تعالیٰ دار السلام (جنت کی طرف) بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے''صراط مستقیم'' کی ہدایت دیتا ہے'' تو وہ دروازے جو صراط مستقیم کے دونوں جانب ہیں وہ حدود اللہ ہیں تو کوئی شخص جب تک پردہ کھول نہ دیا جائے، حدود اللہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور اوپر سے

پکارنے والا اس کے رب کا واعظ ہے۔'' (ترمذی:2859)

(2) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا پھر فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے'' پھر اس کے دائیں اور بائیں چند خطوط کھینچے اور فرمایا: ''یہ (شیطان کے) راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور یہ کہ بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمہیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔'' (مسند احمد:4142)

ع 1 7

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾

''ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں'' (7)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کا انعام کیا ہے اور انعام یافتہ لوگ کون ہیں، اس کی وضاحت ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہاں انعام سے مراد صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت ہے اور انعام یافتہ لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل ہدایت اور استقامت ہیں، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے احکامات کو بجالاتے ہیں اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے باز رہتے ہیں۔

(2) ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ''ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا'' یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا دے جن پر اس نے انعام فرمایا۔

(3) انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کے لیے ہدایت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر وہ لوگ چلے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں'' (النساء:69) انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کے لیے ان کی زندگیوں کے بارے میں جاننا اور ان کے طریقوں پر چلنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نبی ﷺ کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

سوال 2: اللہ تعالیٰ کا غضب کن لوگوں پر ہوا، اس کی وضاحت ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ غضب ابلیس پر ہوا جس نے نافرمانی کی اور تکبر کیا۔

(2) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ ''جن پر نہ غصہ کیا گیا'' یعنی ان لوگوں کے راستے پر نہ چلانا جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ (3) جن لوگوں نے حق کو پہچان کر اسے ترک کر دیا مثلاً یہود وغیرہ۔ (تفسیر سعدی: 73/1)

(4) اکثر مفسرین کے خیال میں مغضوب لوگوں سے مراد یہودی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر بنا دیا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ ''وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جن پر غصے ہوا اور ان میں سے جن کو اس نے بندر اور سؤر بنا دیا۔'' (المائدہ: 60)

(6) غضب: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عقوبت یا سزا دینے کا ارادہ ہے۔ غضب اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ اس بارے میں حدیث ہے: بے شک صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ یہ اس کی فعلی صفت ہے۔ (تفسیر فتح القدیر: 31/1)

سوال 3: ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ کے ساتھ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مومنوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان پر غضب ناک ہوں۔ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ میں غضب کا فاعل ذکر نہیں کیا گیا اس میں یہ نکتہ بدیع ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں کا غضب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اہل غضب سے دشمنی کا حکم دیا ہے تاکہ مومن اپنے رب کے غضب کی موافقت کریں اور اس سے راضی ہو جائیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور یہی عبودیت کی حقیقت ہے۔ (الضوء المنیر: 122/1)

سوال 4: گمراہوں سے کون لوگ مراد ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ''ضلالۃ'' ہدایت کی ضد ہے۔ صراط مستقیم سے ہٹ جانے کو ضلالت یا گمراہی کہتے ہیں خواہ کوئی جان بوجھ کر اس راستے کو چھوڑ دے یا جہالت سے اس پر نہ چلے۔

(2) ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ یعنی گمراہوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نصاریٰ کی مانند حق کو ترک کر کے جہالت اور گمراہی کو اختیار کیا۔ (تفسیر سعدی: 73/1)

(3) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہود ﴿الْمَغْضُوْبِ﴾ اور نصاریٰ ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ ہیں۔ (مسند احمد: 19400)

(4) اور یہ اس وجہ سے کہ یہود نے حق کو پہچانا اس کی پیروی نہیں کی اور نصاریٰ نے بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

(ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ:127/3)

(5) سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ علماء میں سے جو فساد کرے تو وہ یہود کے مشابہ ہے اور عبادت گزاروں میں سے جو فساد کرے وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے اور اسلاف کہتے تھے کہ فاجر عالم اور جاہل عبادت گزار کے فتنے سے بچو۔ ان دونوں کا فتنہ ہر فتنے میں مبتلا ہونے والے کے لئے فتنہ ہے۔ (مجموع الفتاویٰ:190/19)

(6) ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلنے سے بچالے جنہوں نے حق کو پہچان کر اس کی پیروی نہیں کی یا بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

سوال 5: عیسائی کیسے گمراہ ہوئے؟

جواب: عیسائی صراط مستقیم کا علم نہیں رکھتے اسی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ عیسائی اگرچہ عمل کرنے والے ہیں مگر ان کا طریقۂ عمل غلط ہے۔ (مختصر ابن کثیر:8/1) عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے معاملے میں غلو کیا، عبادات میں بدعات نکالیں جیسے رہبانیت۔ عیسائیوں کا فساد، عبادت گزاروں کا فساد ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی خواہشات کے تقاضوں کے مطابق کرتے ہیں نہ کہ اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ انہوں نے اپنے شیوخ (علماء اور درویشوں) کو ربوبیت کی منزل تک پہنچا دیا اور وہ حلول اور اتحاد کے نظریے تک پہنچ گئے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مقام بڑھا دیا تھا۔'' (تفسیر ابن تیمیہ:121/1)

سوال 6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی سے بچنے کا کیا راستہ سکھایا ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی سے بچنے کے لیے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کا راستہ دکھایا۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سنو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔ جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہ ہو جائے گا۔'' (مسلم:6228)

سوال 7: سورہ الفاتحہ کے بعد آمین کہنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام ''آمین'' کہے تو تم بھی ''آمین'' کہو۔ کیونکہ جس کی ''آمین'' ملائکہ کے آمین کے ساتھ ہوگئی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔'' (بخاری:780)

(2) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہہ چکے تو تم آمین کہو تا کہ اللہ تم سے خوش رہے۔'' (مسلم:404)

اٰيَاتُهَا: 286 سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 40

سوال 1: سورۃ البقرہ کب اور کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورۃ البقرہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت ہجرت کے بعد شروع میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے مگر ایک آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ﴾ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ (مختصر ابن کثیر: 10/1)

سوال 2: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں چالیس رکوع اور 286 آیات ہیں۔

سوال 3: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 87 نمبر پر نازل ہوئی اور مصحف میں یہ دوسری سورت ہے۔

سوال 4: سورۃ البقرہ کا نام البقرہ کیوں ہے؟ سورۃ البقرہ پڑھنے کی کیا فضیلت کیا ہے؟

جواب: (1) اس سورۃ میں ایک خاص گائے کا ذکر آیا ہے جس کی وجہ سے اس کا نام سورۃ البقرہ ہے۔

(2) ﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَنَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جس گھر میں سورہ البقرہ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔'' (مسلم: 1824)

(3) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورۃ البقرہ ہے۔ شیطان جب سورۃ البقرہ کی آواز سنتا ہے تو اس گھر سے نکل جاتا ہے جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جا رہی ہو۔'' (سلسلہ احادیث صحیحہ: 588)

(4) ایک دفعہ رات کو سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ شروع کر دی۔ گھوڑا بدکنے لگا۔ انہوں نے قرأت بند کر دی تو اس کا بدکنا بھی بند ہو گیا۔ پھر قرأت کی پھر وہ بدکنے لگا۔ بند کرنے پر بدکنا بھی بند ہو گیا۔ تیسری بار بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ میرا بچہ سو رہا ہے کہیں گھوڑا اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قرأت بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ اوپر جو نگاہ اٹھائی تو چراغوں سے جگمگاتا ہوا ایک بادل دیکھا اور دیکھتے ہی اوپر کو اٹھ کر غائب ہو گیا۔ صبح کو یہ واقعہ اللہ کے نبی ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ فرشتے تھے جو تمہاری قرأت سن کر تمہارے پاس آ گئے تھے۔ اگر تم قرأت بند نہ کرتے تو یہ صبح تک رہتے اور مدینہ کا ہر شخص انہیں دیکھتا۔'' (صحیح بخاری: 5018)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿الٓمّٓ﴾

''الم''(1)

سوال1:﴿الٓمّٓ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿الٓمّٓ﴾ یہ حروف مقطعات ہیں یعنی کٹے ہوئے حروف۔ان کی مراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ان کے معانی کی کھوج میں نہیں پڑنا چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے ان حروف کی کوئی تفسیر بیان نہیں کی۔

سوال2:سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات کے لائے جانے کی کیا حکمت ہے؟

جواب:(1) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اوائل سورہ میں ان حروف کے لائے جانے کی حکمت یہی بیان کی ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کا اعجاز ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہاری گفتگو کے کلمات بنتے ہیں لیکن پھر بھی تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہو۔کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔(تیسیر الرحمن:16/1)

(2) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا ان حروف سے ہوئی ہے ان میں قرآن مجید کی عظمت اور اس کے اعجازی کلام ہونے پر زور دیا گیا ہے۔(ابن کثیر:67/1)

سوال3:سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک کیا ہے؟

جواب:بعض سورتوں کی ابتداء میں جو حروف مقطعات آئے ہیں ان کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک یہ ہے کہ

(1) بغیر کسی شرعی دلیل کے ان کے معانی معلوم کرنے کے لیے تعرض نہ کیا جائے۔

(2) یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کو بے فائدہ نازل نہیں فرمایا۔

(3) ان کے نازل کرنے میں کوئی حکمت پنہاں ہے جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہے۔(تفسیر سعدی:74/1)

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

''یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں،متقیوں کے لیے ہدایت ہے''(2)

سوال1: قرآن مجید میں کوئی شک نہیں، اس کی وضاحت ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ ''یہ کتاب ہے'' کتاب سے مراد قرآن کریم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر پڑھا۔ (ایسر التفاسیر:16)

(2) یعنی یہ کتاب عظیم ہی درحقیقت کتاب کہلانے کی مستحق ہے جو بہت بڑے علم اور واضح حق جیسے امور پر مشتمل ہے جو پہلے انبیاء کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ (تفسیر سعدی:74/1)

(3) ﴿لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾ ''جس میں کوئی شک نہیں'' اس سے مراد ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام ہے جسے اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کیا۔ (ایسر التفاسیر:16)

(4) ریب ایسا شک ہے جو انسان کو بے چین کردے اور انسان کم علمی کی وجہ سے فیصلہ نہ کر سکے کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی بات غلط۔ قرآن مجید اس قسم کے ہر شک سے پاک ہے۔

(5) قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اس کتاب کا نازل کرنا، جس میں کوئی شک نہیں، جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔'' (السجدہ:2)

(6) قرآن مجید اپنی ذات میں حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو کہ مخلوق نہیں ہے، نہ نئی بات ہے، کافروں کے لیے اس میں شک پیدا ہوتا ہے۔ (قرطبی:145/1)

(7) اللہ تعالیٰ نے شک میں مبتلا ہونے والوں کو چیلنج کیا ہے کہ اس جیسا کلام بنالاؤ، فرمایا: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ ''اور اگر تم اس کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔'' (البقرہ:23)

(8) یہ یقین انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں'' (i) اس یقین کی وجہ سے مومن قرآن مجید کے علم کو قبول کرتا ہے۔ (ii) وہ قرآن مجید کی ہدایت کو سمجھنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ (iii) مومن قرآن مجید کے دیئے ہوئے طریقۂ زندگی 'اسلام' کو سچا اور اپنے لئے ناگزیر سمجھتا ہے۔ (9) اس کتاب سے ہدایت صرف یقین سے حاصل ہوتی ہے۔

سوال2: قرآن مجید کی ہدایت کو کن لوگوں کے لیے خاص کیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کی

روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''متقیوں کے لیے ہدایت ہے'' قرآن مجید کی ہدایت کو متقیوں کے لیے خاص کیا گیا ہے جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے:﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لئے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ اُن کے حق میں اندھاپن ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دُور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' (حم السجدہ:44)

(2) قرآن مجید کی ہدایت سب کے لیے عام ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے متقی ہی ہوتے ہیں جیسے سورج سب ہی کو روشنی دیتا ہے مگر آنکھوں والے ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(3)﴿هُدًى﴾ الھدیٰ وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے گمراہی اور شبہات کی تاریکیوں میں راہ نمائی حاصل ہو اور جو فائدہ مند راستے پر گامزن ہونے میں راہ نمائی کرے۔ (تفسیر سعدی:74/1) (4) ہدایت سے مراد نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق ہے۔

(5) قرآن حکیم کے ہدایت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایسے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو دونوں جہانوں کی سعادت اور کمال تک پہنچاتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:16)

(6)﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''متقیوں کے لیے ہدایت ہے'' تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کی منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے امور کو اختیار کرنا جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے بچاتے ہیں۔ پس اہل تقویٰ نے اس کتاب کے ذریعے سے راہ پائی اور اس سے بے انتہا فائدہ اٹھایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے حق اور باطل میں فرق کرنے والی قوت بنا دے گا اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' (سورہ الانفال:29) (تفسیر سعدی:75/1)

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید مومنوں کے لیے ہدایت ہے جو شرک سے بچتے ہیں اور میری اطاعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ (الدر المنثور:57/1)

(8) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی نے کہا: متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس ہدایت کو جسے وہ پہچانتے ہیں، ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی جس دین کو لے کر آئے اس کی تصدیق کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید

رکھتے ہیں۔ (تفسیر طبری:147/1)

(9) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (البقرہ:3) (تفسیر طبری:147/1)

(10) ابو یزید نے کہا: متقی وہ ہے جب کہے تو کہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ (تفسیر قرطبی:146/1)

(11) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَ التُّقٰى وَ الْعَفَافَ وَالْغِنٰى﴾ ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور غنا کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسلم:6904)

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' (3)

سوال 1: متقیوں کی پہلی صفت ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی وہ اپنے قلب و ذہن پر اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کرتے ہیں اور دل میں آنے والے افکار کے بارے میں یقین رکھتے ہیں کہ یہ حق کے مطابق ہوں تو انہیں قلب و ذہن میں جگہ دی جا سکتی ہے وگرنہ نہیں۔

(2) ایمان تصدیق، خوف اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور آخرت کے دن کو مان لینا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔

(3) ایمان کی حقیقت ان امور کی کامل تصدیق کا نام ہے جن کی خبر انبیاء و رسل نے دی ہے۔ یہ تصدیق جوارح کی اطاعت کو متضمن ہے۔ اشیاء کے حسی مشاہدے سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان کا تعلق تو اس غیب سے ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں نہ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خبر دینے سے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان مجرد اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و مرسلین کی تصدیق ہے۔ پس مومن وہ ہے جو ہر اس چیز

پر ایمان لاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے خواہ اس نے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ اس نے اسے سمجھا ہو یا اس کی عقل وفہم کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی ہو۔ زنادقہ اور امور غیب کی تکذیب کرنے والوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کی عقل ان امور کو سمجھنے سے قاصر رہی اور وہ ان امور تک نہ پہنچ سکے بنا بریں انہوں نے ان امور کو جھٹلا دیا جن کا احاطہ ان کا علم نہ کر سکا پس ان کی عقل فاسد ہو گئی اور ان کا فہم خرابی کا شکار ہو گیا اور امور غیب کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کی عقل اور بڑھ گئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو راہ نما بنا لیا۔ ایمان بالغیب سے مراد ان تمام امور غیب پر ایمان لانا ہے جن کا تعلق ماضی، حال، مستقبل، احوال آخرت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی کیفیات سے ہے اور جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء ومرسلین نے دی ہے۔ پس اہل ایمان نہایت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (تفسیر سعدی: 76,75/1)

(4) رسول اللہ ﷺ ہر رات سورۃ البقرہ کی آخری آیات تلاوت کرتے تھے جو ایمان بالغیب کے بارے میں ہیں، رب العزت نے فرمایا: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ ''رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اور مومن بھی، سب ہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اس کے رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے۔'' (البقرۃ: 285)

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آدھی رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے: ﴿اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ﴾ ''اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا نور ہے، تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو

آسمان اور زمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا قائم رکھنے والا ہے اور تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ اے اللہ! تیرے سپرد کیا، تجھ پر بھروسہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری طرف رجوع کیا، دشمنوں کا معاملہ تیرے سپرد کیا، فیصلہ تیرے سپرد کیا، پس میری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر، وہ بھی جو میں نے چھپ کر کی ہیں اور وہ بھی جو کھل کر کی ہیں تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے بعد میں ہے، صرف تو ہی معبود ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (بخاری:6317)

(6) ابو محیریز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو جمعہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں تمہیں ایک بہت اچھی حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم سے بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے؟ (اس کے باوجود کہ) ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا۔ فرمایا: ''ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان رکھتے ہوں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔'' (مسند احمد:17102)

سوال 2: متقیوں کی دوسری صفت ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں'' قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں یعنی وہ اپنے اوقات پر اور اپنے قلب و ذہن پر اللہ تعالیٰ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔

(1) عربی میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں اس عبادت کو کہتے ہیں جس میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، تشہد وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جسے روزانہ پنج گانہ مخصوص اوقات میں تمام شروط و صفات و اقسام کے ساتھ پابندی سے پڑھا جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:11/1)

(2) اقامت صلوٰۃ سے مراد وقت کی پابندی، وضو کی تکمیل، ارکان کے اعتدال، ترتیل قرأت، خشوع و خضوع، توجہ قائم کر کے دل لگا کر نماز قائم کرنا ہے۔

(3) یعنی یہ نہیں کہ وہ نماز کا فعل بجالاتے ہیں یا وہ نماز کو ادا کرتے ہیں کیونکہ ظاہری صورت و ہیئت کے ساتھ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو جہاں ظاہری شکل و صورت اور اس کے تمام ارکان کی کامل ادائیگی اور اس

کی شرائط وواجبات کے ساتھ قائم کیا جائے وہاں اس کی باطنی صورت سے اس کی روح کے ساتھ یعنی اس کے اندر حضور قلب اور اپنے قول وفعل میں کامل تدبر کے ساتھ بھی قائم کرنا ضروری ہے۔

(4) یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ''آپ تلاوت کرو اس کتاب میں سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔'' (العنکبوت:45)

(5) یہی وہ نماز ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ پس بندہ مومن کو اس نماز پر ثواب ملتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

(6) اور نماز میں فرائض اور نوافل سب داخل ہیں۔ (تفسیر سعدی:76/1)

(7) اللہ تعالیٰ نے نماز کی اقامت کا حکم دیا ہے اور نماز پر ہمیشہ پابندی اور اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے: ﴿الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ﴾ ''جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں۔'' (المعارج:23) وقت کی پابندی کا حکم دیا: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ''بلاشبہ نماز ہمیشہ سے ایمان والوں پر ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔'' (النساء:103) جماعت کے ساتھ ادائیگی کا حکم دیا: ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (البقرہ:43) اس میں خشوع کا حکم دیا: ﴿الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ ''وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔'' (المومنون:2)

(8) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے، اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (بخاری:8)

(9) نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ﴾ ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔'' (نسائی)

(10) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک آدمی اور شرک اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔'' (مسلم:246)

(11) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ﴾ ''ہمارے اور کافروں کے درمیان معاہدہ نماز کا ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے (معاہدہ توڑ کر) کفر کیا۔'' (مسند احمد:346/5)

(12) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔ (رہا ان کے دل کا حال تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔'' (بخاری:25)

(13) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور جو کوئی نماز کی حفاظت نہیں کرے گا اس کے لیے نماز نہ روشنی بنے گی، نہ ایمان کی دلیل بنے گی اور نہ نجات کا سبب ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (مسند احمد:2/169)

(14) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''رسول اللہ ﷺ اتنی دیر تک قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پھٹ گئے۔ آپ ﷺ سے طویل قیام کی بابت عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف نہیں کر دیے گئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں!'' (مسلم:7125)

سوال 3: متقیوں کی تیسری صفت ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ''اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے مال پر اللہ تعالیٰ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

(1) رزق سے مراد ہے ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے مثلاً مال و متاع، زندگی، وقت، صلاحیت، اولاد اور روابط وغیرہ۔

(2) خرچ یعنی انفاق سے مراد ہے اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔ اس میں زکوٰۃ و صدقات دونوں شامل ہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی، اہل و عیال کا نان و نفقہ اور اپنی حیثیت کے مطابق نیک کاموں پر مال خرچ کرنا انفاق ہے۔

(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں سے جس پر اُس نے تمہیں جانشین بنایا ہے، چنانچہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خرچ کیا، اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' (الحدید:7)

(4) ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ ''میرے بندوں سے کہہ دیں جو ان لوگوں میں سے ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم

کریں اور جو ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔'' (ابراہیم:31)

(5) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿رَزَقْنٰهُمْ﴾ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مال ومتاع جو تمہارے قبضہ میں ہے تمہاری اپنی قوت اور ملکیت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اسی نے تم کو عطا کیا ہے اور اسی نے تم کو اس نعمت سے نوازا ہے۔ (تفسیر سعدی:76/1)

(6) اللہ تعالیٰ نے سارا مال خرچ کرنے کو نہیں کہا بلکہ ﴿مِمَّا﴾ یعنی اس مال میں سے کچھ حصہ یعنی تھوڑا سا حصہ خرچ کرنا مطلوب ہے اور وہ بھی استعمال ہوگا تو اپنے ہی بھائیوں کو فائدہ پہنچے گا۔

(7) جن لوگوں پر خرچ کرنا چاہیے ان کا ذکر یہاں نہیں آیا۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں اور بہت سے اسباب ہیں لیکن جہاں کہیں بھی خرچ ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو تو قرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔

(8) غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدی اور 24 ہزار اونٹ اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی۔ (الرحیق المختوم) نبی ﷺ نے ان میں سے ایک چیز کو بھی نہیں چھوا۔ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور خود خالی واپس تشریف لے آئے۔ (بخاری:4337)

(9) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں تو آپ ﷺ نے اسے اتنی ہی بکریاں عطا فرما دیں۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے قوم! اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ پھر محتاجی کا خوف ہی نہیں رہتا۔ (مسلم:6021)

(10) ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا اور مسجد کے صحن میں زر وسیم کا انبار لگ گیا۔ نبی ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھیر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس انبار کی طرف آ بیٹھے اور تقسیم فرمانے لگے، جو آتا اسے بے حساب دیتے، تھوڑی دیر میں سب ختم ہو گیا اور دامن جھاڑ کر خالی ہاتھ تشریف لے گئے۔ (بخاری:421)

(11) ایک بار نبی کریم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے حجرہ میں گئے۔ لوگ آپ ﷺ کی اس تیزی کی وجہ سے گھبرا گئے۔ پھر جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور جلدی کی وجہ سے لوگوں کے تعجب کو محسوس فرمایا تو فرمایا: ''ہمارے پاس ایک سونے کا ڈلا (تقسیم کرنے سے) بچ گیا تھا مجھے اس میں دل لگا رہنا برا معلوم ہوا، میں نے اس کے بانٹ دینے کا حکم دے دیا۔'' (بخاری:851)

سوال4: رسول اللہ ﷺ انفاق کی ترغیب کیسے دلاتے تھے؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ﴾ ''اے آدم کے بیٹے! تو خرچ کر تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم:2308)

(2) سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''خرچ کرتی رہو گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دے گا۔ ہاتھ نہ روکو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے ہاتھ روک لے گا۔'' (بخاری:2591)

(3) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا: ''جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی (مگر ضرور صدقہ کر کے دوزخ کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو)۔'' (بخاری:1417)

سوال5: نماز اور انفاق کے اکٹھے ذکر آنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: (1) حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر نماز اور انفاق کو اکٹھا کیا ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو کہ توحید، تمجید اور ثنا پر مشتمل ہے اور انفاق مخلوق کے ساتھ احسان ہے اور وہ بندوں کا حق ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:1/26)

(2) کسی نے کہا: ایمان میں نجات، نماز میں مناجات اور انفاق میں درجات کی زیادتی ہے۔ کسی دوسرے نے کہا: ایمان میں خوش خبری، نماز میں گناہوں کا کفارہ اور انفاق میں طہارت ہے۔ (تفسیر مراغی:1/44,45)

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾

''اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں'' (4)

سوال1: متقیوں کی چوتھی صفت ﴿وَالَّذِيْنَ... قَبْلِكَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا'' قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو رسولوں پر نازل کی گئیں۔ ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ یہاں نازل کرنے سے مراد قرآن اور سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت کو نازل کیا۔'' (النساء:113)

(2) پس اصحاب تقویٰ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی میں تفریق نہیں کرتے کہ اس کے کسی حصے پر تو ایمان لے آئیں اور کسی حصے پر اپنے انکار یا ایسی تاویل

کے ذریعے سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد نہ ہو ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ اہل بدعت کا وطیرہ ہے جو قرآن وسنت کی ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جو ان کے قول کے خلاف ہوتی ہیں جو کہ درحقیقت ان نصوص کے معانی کی تصدیق نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ان نصوص کے ظاہری الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں مگر ان پر حقیقی طور پر ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر سعدی:77/1)

(3) ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا'' یہ آیت کریمہ گزشتہ تمام کتابوں پر ایمان رکھنے پر مشتمل ہے اور گزشتہ کتابوں پر ایمان لانا اس بات پر متضمن ہے کہ انبیائے سابقین پر ایمان لایا جائے نیز ان حقائق پر ایمان لایا جائے جن پر یہ الہامی کتابیں خاص طور پر تورات، انجیل اور زبور مشتمل ہیں۔ یہ اہل ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ کتب سماویہ اور تمام انبیاء ومرسلین پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ (تفسیر سعدی:77/1)

(4) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے اس نے نازل کی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا کفر کرتا ہے تو یقیناً وہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹک جانا۔'' (النساء:136)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر مسلمانوں کے لیے عربی میں کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو کیونکہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا اور جو ہم سے پہلے تم پر نازل ہوا آخر آیت تک جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ (بخاری:7362)

(6) قرآن مجید نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو نبی ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا، بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا کہیں قطعاً ذکر نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

سوال 2: متقیوں کی پانچویں صفت ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والوں کی پانچویں اہم صفت آخرت پر یقین کرنا ہے۔

(2) آخرت ان تمام امور کا نام ہے جو موت کے بعد انسان کو پیش آئیں گے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور یقینا آخرت کا گھر ہی اصلی زندگی ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔'' (العنکبوت:64) (4) ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں'' یعنی بعث اور نشور کا وہ علم رکھتے ہیں اور یقین شک کے مقابلے میں علم ہے۔ (قرطبی:163/1)

(5) یقین ایسے علم کامل کو کہتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک نہ ہو۔ یقین عمل کا موجب بنتا ہے۔

(6) آخرت پر یقین کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے۔ اس جوابدہی کے لیے اللہ تعالیٰ دنیا کے موجودہ نظام کو تباہ کر کے ایک نیا جہان بنائے گا۔ پھر سب کو جمع کر کے حساب لے گا۔ اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تحت انسان جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔

سوال 3: رسول اللہ ﷺ آخرت کے نقشے کو کیسے ہر وقت سامنے رکھتے تھے؟

جواب: صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بالا خانے میں آئے۔ دیکھا تو اس میں ''قرظ'' درخت کے پتوں اور جو کے ایک ڈھیر اور معلق سامان کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور خود رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے بانوں کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو پر نمایاں ہیں۔ یہ فقیرانہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشک بار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پوری کائنات سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور ممتاز ہیں۔ (اور اس پراگندہ حالت میں ہیں) کسریٰ اور قیصر بے انداز ناز و نعمت سے متمتع ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بیٹھ کر فرمایا: اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! تو شک و شبہ میں مبتلا ہے؟ کسریٰ اور قیصر ایسے لوگ ہیں جن کو ان کی ''حیات طیبہ'' دنیا میں ہی دے دی گئی ہے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے) کیا تمہیں پسند نہیں کہ یہ ناز و نعمت ان کو دنیا میں مل جائیں اور ہمیں آخرت میں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش اور اس کا شکر کر۔'' (سیرت النبی ﷺ ابن کثیر:348/3)

﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' (5)

سوال: ہدایت اور کامیابی کن لوگوں کے لیے ہے، اس کی وضاحت ﴿اُولٰٓئِكَ ... الْمُفْلِحُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ ''یہی لوگ'' یعنی وہ متقی جن کے اوصاف یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز

قائم کرتے ہیں، اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا، اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر نازل کیا گیا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان پانچ صفات کے حامل متقیوں ہی کے لیے ہدایت اور دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

(2) ﴿هُدًى﴾ یہاں ھدًی سے مراد نور بصیرت، اللہ تعالیٰ کے دین پر استقامت اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ یعنی جو لوگ یہ صفات رکھتے ہیں انہی کو اللہ تعالیٰ نور بصیرت اور دین حق پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (فتح القدیر:48/1) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ اپنے رب کی طرف سے نور، برہان، استقامت اور توفیق پاتے ہیں۔ (فتح القدیر:48/1)

(3) ہدایت سے روشنی، ثابت قدمی، دلیل، صداقت اور توفیق حق مراد ہیں۔

(4) ﴿عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں'' یعنی اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:12/1)

(5) صاحب ہدایت ہدایت پر ہونے کی وجہ سے بلند اور غالب ہوتا ہے اور صاحب ضلالت اپنی گمراہی میں ڈوبا ہوا نہایت حقیر ہے۔ (تفسیر سعدی:78/1)

(6) ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' فلاح اپنے مطلوب کے حصول میں کامیابی اور خوف سے نجات کا نام ہے۔

(7) فلاح سے مراد حصول رضائے رب، حصول نجات وثواب، برائیوں سے اجتناب اور دائمی نعمتوں کا اور جنت کا مل جانا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:12/1) (8) اہل ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے بغیر فلاح کی منزل کو نہیں پایا جاسکتا۔ (تفسیر سعدی:78/1)

(9) یہی لوگ دنیا میں طہارت اور طمانیت اور آخرت میں آگ سے نجات کے بعد جنت میں داخلے کی وجہ سے کامیاب ہوں گے۔ (ایسر التفاسیر:17)

(10) اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے اور انسان دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کرلیا جائے۔ اگر آخرت میں دوزخ مقدر ہوگئی تو انسان مکمل طور پر ناکام ہے خواہ دنیا میں کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ''چنانچہ جو آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ کامیاب ہوگیا۔'' (آل عمران:185)

(11) تقویٰ ہی کامیابی کا راستہ ہے، رب العزت کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ اے عقل والو! تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔'' (المائدہ:100)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾

''یقیناجن لوگوں نے کفر کیا،اُن پر برابر ہے کہ آپ نے انہیں ڈرایا ہو یا نہ ڈرایا ہو،وہ ایمان نہیں لائیں گے''(6)

سوال1: کافروں کی پہچان کیا ہے،اس کی وضاحت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ... لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''یقیناجن لوگوں نے کفر کیاان پر برابر ہے کہ آپ نے انہیں ڈرایا ہو یا نہ ڈرایا ہو،وہ ایمان نہیں لائیں گے'' کافروں کی پہچان یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کو چھپانے کے عادی ہیں۔ان بدنصیبوں کی قسمت میں یہی ہے کہ حق نہ مانیں اور وحی کو جھٹلائیں۔ آپ کا انہیں ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے۔یہ تو ازلی بدبخت ہیں۔آپ پر اترنے والی وحی کی تصدیق کرنے والے نہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۹۶) وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (۹۷)﴾ ''یقیناجن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ اُن کے پاس ہر نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔'' (سورہ یونس:97,96)(السراج المنیر :13/1)

(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دو آیات رؤسائے یہود حیی بن اخطب،کعب بن اشرف اور ان جیسے دوسروں کے لیے نازل ہوئی ہیں۔(تفسیر طبری:84/1)

(3)حقیقت میں کفر اس تعلیم یا اس کے کچھ حصے کے انکار کا نام ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

(4)علماء نے کفر کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔(i)ایک کفر جیسا فرعون کا کفر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہی دل وزبان دونوں سے منکر تھا۔(ii)دوسرا کفر اللہ تعالیٰ کو دل سے ماننا زبان سے اقرار نہ کرنا جیسے ابلیس کا کفر۔

(iii)تیسرا دل وزبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو ماننا لیکن اس کا حکم نہ ماننا جیسے ابوطالب اور اہل کتاب کا کفر۔

(iv)چوتھا کفر منافقوں کا کہ زبان سے سب کچھ کہنا اور دل میں کچھ نہیں۔(احسن التفاسیر:71/1)

(5)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''یقیناجن لوگوں نے کفر کیا''یعنی کافرانہ طرز عمل اپنایا اور اس رنگ میں اس طرح رنگے کہ یہ ان کی پہچان بن گئی اور وہ اپنے کفر میں راسخ ہو گئے۔

(6)﴿سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''ان پر برابر ہے کہ آپ نے انہیں ڈرایا ہو یا نہ ڈرایا ہو،وہ ایمان نہیں لائیں گے'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے جو کفر پر جمے ہوئے ہیں اس طرح کہ کفر ان کا لازمی وصف بن گیا ہے۔اب انہیں کوئی کفر سے نہیں ہٹا سکتا۔لہٰذا آپ انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں

لائیں گے۔(7)ان کفار کو دعوت کوئی فائدہ نہیں دیتی لیکن حجت قائم ہوجاتی ہے۔

(8)انذار سے مراد ہے کفر، ظلم اور فساد کے انجام سے ڈرانا۔(ایسر التفاسیر:18,17)

(9)مسلسل کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں سے حق کو قبول کرنے کی استعداد ختم ہوگئی ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

(10)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ تمام لوگ اسلام میں داخل ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ ایمان وہی لائے گا جس کے لیے نیک بختی لکھ دی گئی ہے اور جس کے لیے بدبختی لکھ دی گئی ہے وہ گمراہ ہوکر رہے گا۔(تیسیر الرحمن:19/1)

سوال2: کسی کے لیے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر کیسے ہوجاتا ہے؟

جواب: انسان تب ڈرتا ہے جب اُسے کسی ڈرانے والی چیز کا احساس ہوتا ہے۔انسان کو احساس اپنے حواس سے ہوتا ہے، یا تو کسی چیز کو سن کر یا دیکھ کر یا چکھ کر یا چھو کر۔مختلف اشیاء کا خوف انسان کے اندر مختلف طریقے سے پیدا ہوتا ہے جیسے سانپ کو دیکھ کر انسان خوفزدہ ہوجاتا ہے۔سانپ کیا کرتا ہے؟ اس کے کاٹنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ چونکہ انسان اس کے بارے میں جانتا ہے اور جاننے والا خوف کھاتا ہے جبکہ نہ جاننے والا آنکھوں سے دیکھ کر بھی خوف نہیں کھاتا جیسے ننھا بچہ۔ایسے ہی کسی خوفناک منظر کے بارے میں سن کر انسان خوف کھاتا ہے لیکن جن لوگوں کو مناظر کی ہولناکی کا شعور نہیں ہوتا اُنہیں خوف بھی نہیں آتا۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ایک تو عقل وشعور کی ناپختگی کی وجہ سے انسان کو خوف نہیں آتا۔دوسرے انسان حصولِ علم کے ذرائع اگر استعمال نہ کرے تو اسے خوف نہیں آتا۔مثلاً انسان سننے کی حس کو استعمال نہیں کرتا تو اُسے کسی خوف دِلانے والی چیز کا پتہ نہیں چلتا، پھر وہ خوف نہیں کھاتا، یا آنکھوں سے پڑھتا نہیں، دیکھتا نہیں تو اسے خوف نہیں آتا۔یہی معاملہ آخرت کا ہے۔آخرت میں پیش آنے والے حالات وواقعات کو اگر انسان نہ سن سکے، نہ پڑھ سکے، نہ واضح نشانیوں کو دیکھ کر سبق لے سکے تو وہ بے خوف ہوجاتا ہے۔پھر ڈرانے والے اُسے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، اُسے فرق نہیں پڑتا۔

سوال3: کیا اس آیت میں انذار چھوڑ دینے کا حکم ہے؟

جواب:(1)اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ (کافروں کے لیے) انذار بالکل فضول ہے۔نہیں بلکہ منذر کو تو تبلیغ کا حق ادا کرنے کا ضرور ثواب ملتا رہے گا اس لیے ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ فرمایا کہ ان کے حق میں انذار اور عدم انذار برابر ہے۔(اشرف الحواشی:4)

(2)نصیحت ناصح کے لئے ہر حال میں مفید ہے، مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اوران کے کانوں پر مہر لگادی ہے اوران کی آنکھوں پر پردہ ہے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

اوران کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''(7)

ع 1 7 1

سوال1: دنیامیں ناکام لوگوں (کفر کرنے والوں) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے،اس کی وضاحت ﴿خَتَمَ اللّٰهُ...عَظِيْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)دنیامیں ناکام لوگوں (کفر کرنے والوں) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ(i)اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں اورکانوں پرمہر لگادی ہے۔(ii)اُن کی آنکھوں پر جہالت کا پردہ ہے۔(iii)اُن کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

(2)﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ﴾''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اوران کے کانوں پرمہر لگادی ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اورکانوں پرمہر لگادی ہے اب ایمان ان میں داخل نہیں ہوسکتا۔

(3)ان کے دلوں پرمہر ہے۔دل کسی نفع مند چیز کو یادنہیں کرسکتے۔

(4)ان کے کانوں پرمہر ہے۔کان کسی نفع مند کلام کوسن نہیں سکتے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے اور یادرکھنے سے قاصر ہوگئے ہیں۔

(5)کسی چیز پرمہر لگادینے کا مفہوم ہوتا ہے اس بات کا یقین کرلینا کہ اب اس کے اندرکوئی چیز باہر سے داخل نہیں ہوسکتی۔یہی حال کافروں کا ہے کہ کفروضلالت پراصرارتقلیدآباء میں انہماک اورغوروفکر کے صحیح راستوں سے اعراض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی ایسی حالت بنادی کہ وعظ ونصیحت ان پراثرانداز نہیں ہوتی اورحق بات اس میں داخل نہیں ہوتی اوران کی آنکھوں میں پردہ پڑاہوا ہے جوہرنفع بخش چیز کے دیکھنے میں مانع ہے۔دل کان آنکھ یہی راستے ہیں علم حاصل کرنے کے جب یہ بندکردیئے گئےتوان سے ایمان لانے کی توقع نہیں کی جاسکتی اورنہ ان سے کسی خیرکی امید کی جاسکتی ہے۔(تیسیرالرحمٰن:19/1)

(6)یہاں مہر کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دلوں پرزنگ چڑھ جاتا ہے پھراللہ تعالیٰ دل پرمہر لگادیتا ہے۔اس طرح دل کے اندرایمان کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے اورکفرجڑیں پھیلالیتا ہے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾''بلکہ ان کے کفرکرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پرمہر لگادی ہے۔''(النساء:155)

(7)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:''بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پرایک سیاہ

نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں کیا ہے) ﴿كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے۔'' (المطففین: 14) (ترمذی: 3334)

(8) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے کہ ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک جیسے بوریئے کی تیلیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں پھر جس دل میں وہ فتنہ رچ جائے گا تو اس میں ایک کالا داغ پیدا ہوگا اور جو دل اس کو نہ مانے گا اس میں ایک سفید نورانی دھبہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے ایک تو خالص سفید دل چکنے پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ دوسرے کالا سفیدی مائل یا اوندھے کوزے کی طرح جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بری بات کو بری مگر وہ جو اس کے دل میں بیٹھ جائے۔'' (مسلم: 144)

(9) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے تمام افعال کے خالق ہونے کی حیثیت سے اس جگہ مہر لگانے کو اپنی طرف نسبت کر کے یہ بتلا دیا کہ جب ان لوگوں نے قبول حق کی صلاحیت و استعداد کو اپنے اختیار سے تباہ کرنا چاہا تو سنت الٰہیہ کے مطابق ہم نے وہ بد استعداد کی کیفیت ان کے قلوب اور حواس میں پیدا کر دی۔ ﴿اِنَّ جَزَآءُ السَّيِّئَةِ السَّيِّئَةُ بَعْدَهَا وَاِنَّ مِنْ جَزَآءِ الْحَسَنَةِ الْحَسَنَةُ بَعْدَهَا﴾ یعنی گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے جس طرح نیکی کا نقد بدلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔ (معارف القرآن: 119,118/1)

(10) آخرت کی کامیابی کے لیے جن خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اُن کو ماننے سے انسان جب انکار کرتا ہے تو سوچنے سمجھنے کے تمام ذرائع یعنی آنکھیں، کان، دل سب مخالف سمت میں چل نکلتے ہیں۔ پھر کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ پھر آنکھیں حق نہیں دیکھتیں، کان حق بات نہیں سنتے، دل میں حق بات سمجھنے کے لیے گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ پھر انسان مسلسل برے اعمال کرتا ہے۔

(11) ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ ''اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے'' یعنی ان کفر کرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے ایسا پردہ ہے جو انہیں فائدہ مند چیزیں دیکھنے سے روکتا ہے۔

(الف) حق کا انکار کرنے کے لیے دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہیں: (i) تکبر (ii) دنیا کی

محبت۔انہی کی وجہ سے انسان کے اندر مخالفانہ جذبات جاگ اٹھتے ہیں اور انسان حق بات سمجھ نہیں پاتا خواہ اس کے لیے کتنے ہی دل رکھتے دلائل دیئے جائیں۔اسی چیز کو قرآن میں ﴿غِشَاوَةٌ﴾ کہا گیا ہے یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے پھر آنکھیں کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے سے محروم رہتی ہیں۔یوں دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

(ب) سماعت، بصارت اور قلب ہی وہ ذرائع ہیں جن سے علم اور بھلائی کے حصول میں مدد لی جاسکتی ہے۔ان ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے لہٰذا ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ان پر ایمان کے دروازے بند کر دیے گئے کیونکہ انہوں نے کفر کا رویہ اختیار کرلیا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔'' (الانعام:110)

یہ دنیا کا عذاب ہے۔

(12) ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' یہ آخرت کا عذاب، جہنم کا عذاب ہے جو اللہ رب العزت کی ناراضگی کی وجہ سے کافروں کو دیا جائے گا۔یا ارحم الراحمین ہمیں ایسے لوگوں میں شامل نہ فرمانا جو آپ کے غضب کو آواز دیں اور آپ کے عذاب کے مستحق بن جائیں۔

سوال 2: ایمان کن لوگوں کے حصے میں آتا ہے؟

جواب: ایمان ان لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں مثلاً آنکھیں کائنات میں رب کی نشانیاں دیکھیں، کان حق بات سننے کے لئے آمادہ ہوں اور دل سچائی کو قبول کرلیں۔اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ آسان کردیا ہے۔اب اگر یہ مشقت اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے گا۔جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور جنہوں نے ہماری خاطر پوری کوشش کی، انہیں ہم ضرور اپنے راستے دِکھائیں گے اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔'' (العنکبوت:69)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں'' (8)

سوال 1: کون لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو تسلیم

نہیں فرماتا، اس کی وضاحت ﴿وَمِنَ النَّاسِ ... بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں'' اس سے مراد منافق ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو تسلیم نہیں فرماتا۔

(2) زمانہ نزول قرآن میں منافق عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی اور ان میں سے اکثر یہودی تھے۔ ان جیسی مثالیں ہر دور اور ہر علاقے میں پائی جاتی ہیں۔ (تفسیر مراغی: 49/1)

(3) ﴿مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے'' منافق کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور الٰہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ کہ اس کے سوا کوئی رب اور الٰہ نہیں۔

(4) ﴿وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور آخرت کے دن پر'' اور کہتے ہیں کہ بعث، جزا اور قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر: 19)

(5) ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''حالانکہ وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں'' حالانکہ وہ حقیقتاً مومن نہیں بلکہ وہ جھوٹے فاجر ہیں۔ (واضح البیان: 11)

(6) منافقوں کا ایمان محض زبانی دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ ''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بلاشبہ یقیناً آپ اُس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔'' (المنافقون: 1)

سوال 2: نفاق سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) بھلائی ظاہر کرنے اور دل میں برائی چھپانے کو نفاق کہتے ہیں۔

(2) نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ (i) اعتقادی نفاق دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور یہ نفاق آگ میں لے جانے والا ہے۔ (ii) عملی نفاق بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ منافق کا قول اس کے فعل کے اور اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر: 29/1)

(3) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (i) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (ii) جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ (iii) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔'' (بخاری: 33) ایک اور روایت میں

آتا ہے۔''جب لڑے تو بے ہودہ گوئی کرے۔'' (بخاری:34)

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

''وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے،

وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾

اور وہ شعور نہیں رکھتے'' (9)

سوال 1: منافق کسے دھوکہ دیتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ... يَشْعُرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے'' ﴿المخادعة﴾ دھوکہ یہ ہے کہ دھوکہ دینے والا شخص جس کو دھوکہ دیتا ہے اس کے سامنے جو کچھ زبان سے ظاہر کرتا ہے اس کے خلاف دل میں چھپاتا ہے تاکہ اس شخص سے اپنا مقصد حاصل کر سکے جسے وہ دھوکہ دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:80/1)

(2) منافق ایمان کا اظہار کرتے اور اپنے دل میں کفر چھپاتے تھے اس طرح اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 19)

(3) ابو جعفر نے کہا ہے کہ منافق کا دھوکہ اپنے رب سے اور مومنوں سے ہوتا ہے۔ زبان کی بات سے اظہار کرتا اور تصدیق کرتا ہے لیکن اس کے برخلاف اس کے دل میں شک اور تکذیب ہوتی ہے۔ (جامع البیان:183/1)

(4) ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے، اور وہ شعور نہیں رکھتے'' منافق صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور انہیں نفاق کی برائی اور انجام کا شعور تک نہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ''بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔'' (النساء:142)

(5) منافقین نے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کی مخالفت دل میں بٹھائی اور زبان سے اظہار کیا کہ وہ بھی ایمان والے ہیں۔ ان دھوکہ دینے والوں کا دھوکہ ان کی طرف پلٹ آیا۔ جو چال بازیاں دوسروں کی مخالفت میں کر رہے ہیں وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے کر رہے ہیں۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ اہل ایمان کو۔ ہاں ایمان کے اظہار سے وہ اپنی جان اور مال بچا لیتے ہیں لیکن ان کا مکر و فریب ان کے دلوں میں رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے اور انہیں اس کی

ناراضی کا احساس بھی نہیں ہے۔آخرت میں ان کے کفر وفجور کی وجہ سے انہیں سخت عذاب ہوگا۔

(6)﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور وہ سمجھتے نہیں'' اس سے مراد ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان کے دھوکے کا انجام ان ہی پر عائد ہونے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کا قہر۔

سوال 2: آج کے دور میں منافق اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کے ساتھ کیسے دھوکے بازی کرتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: منافق دین کے ساتھ ظاہری رشتہ قائم رکھتا ہے جب کہ اس کی حقیقی وفاداریاں دنیاوی مفادات کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا بھی محفوظ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین داری کی شہرت بھی ہے۔مثلاً ایک انسان اپنا وقت، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنا مال دنیا کی خاطر لگا رہا ہو اور کبھی کبھار کسی غریب کی خدمت کر کے یا کوئی دینی محفل منعقد کر کے یا کسی دینی محفل میں شرکت کر کے لوگوں کی نظروں میں مقام حاصل کر لے کہ یہ بڑے دین دار ہیں، انہیں دین سے بڑی محبت ہے۔یوں دنیا تو محفوظ رہتی ہے لیکن دین داری میں شہرت ہو جاتی ہے جب کہ درحقیقت ایمان ان کے دل کے اندر نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے اسے دھوکہ قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو تو کوئی دھوکہ دے نہیں سکتا۔ہاں ایمان والوں کی نظروں میں جو مقام بنتا ہے یہ ایمان والوں کو دھوکہ دینا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے خود فریبی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ ایک خوش فہمی ہے جو خود انسان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔انسان ایسی دین داری پر دنیا میں خوش ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے دھوکہ بازی ہی کہتے ہیں۔

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ﴾

''ان کے دلوں میں ہی ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری میں زیادہ کر دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''(10)

سوال: منافقوں کے دلوں کی بیماری کی وضاحت ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ ... يَكْذِبُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''ان کے دلوں میں ہی ایک بیماری ہے'' عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ دین کا مرض ہے جسم کا مرض نہیں۔وہ منافق ہیں جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے جسے انہوں نے اسلام میں داخل کیا ہے۔

(جامع البیان:187/1)

(2) دل کو دو قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں جو اسے صحت واعتدال سے محروم کر دیتی ہیں: (1) شبہات باطلہ کی بیماریاں۔

(3) ہلاکت میں ڈالنے والی شہوت کی بیماری۔ پس کفر ونفاق اور شکوک وبدعات یہ سب شبہات کی بیماریاں ہیں۔ زنا، فواحش ومعاصی سے محبت اور ان کا ارتکاب یہ سب شہوات کی بیماریاں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ ''جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ میں پڑ جائے۔'' (الاحزاب:32) اس مرض سے مراد شہوت زنا ہے۔ برائی سے صرف وہی بچے گا جوان دو بیماریوں سے محفوظ ہوگا۔ اسی کو ایمان ویقین حاصل ہوتا ہے اور معاصی کی بیماریوں کے مقابلے میں صبر کی ڈھال عطا کر دی جاتی ہے اور وہ عافیت میں آجاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:81/1)

(4) ﴿فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری میں زیادہ کر دیا'' اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق کہ برائی کا پیچھا برائی کرتی ہے ان کا شک، نفاق اور خوف بڑھ جائے گا۔ (ایسر التفاسیر)

(5) اللہ تعالیٰ منافق کو فوراً سزا نہیں دیتے۔ اسے مہلت دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اور زیادہ کھوٹے ہو جاتے ہیں اور آخر کار مکمل منافق بن جاتے ہیں۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ﴾ ''لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا۔'' (التوبہ:125)

(6) یہ روگ نفاق ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے نیز اللہ تعالیٰ انہیں اس کے سبب سے مزید گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے لیے مزید سزا کے موجب بنتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔'' (الانعام:110) (تفسیر سعدی:82,81/1)

(7) ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔'' (الصف:5)

(8) ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' منافقوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۖ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ ''یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔'' (النساء:145)

(9) ﴿بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ ''اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ وہ تحریف اور تبدیلی کرتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم:44/1)

(10) اپنے دنیا کے معاملات میں ہوشیار ہونا اور آخرت کے معاملات میں توقعات کو کافی سمجھنا، یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولنا ہے اور جھوٹی زندگی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اصلاح کرنے والے ہیں'' (11)

سوال 1: منافقوں کو جب فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے تو وہ کیا جواب دیتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَاِذَا ... مُصْلِحُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اصلاح کرنے والے ہیں'' اللہ رب العزت نے منافقوں کے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب انہیں زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے اور فساد سے مراد کفر، شرک اور معاصی ہیں، فساد سے مراد دشمنوں کے پاس مسلمانوں کے راز پہنچانا اور کافروں سے دوستی رکھنا بھی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

(2) انہوں نے دو باتوں کو اکٹھا کر دیا: (i) فساد فی الارض کا ارتکاب۔ (ii) اس بات کا اظہار کہ یہ فساد پھیلانا نہیں، بلکہ اصلاح ہے۔ یوں گویا ایک تو انہوں نے حقائق کو بدل دیا (فساد کا نام اصلاح رکھا) دوسرے، فعل باطل اور اس کے حق ہونے کے اعتقاد کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ بڑے مجرم ہیں جو گناہ کو حرام سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بابت ارتکاب گناہ سے باز آجانے کی زیادہ امید ہے۔ (تفسیر سعدی: 82/1)

(3) منافق سازشیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا طریقہ صلح کا ہے۔ ہم کسی سے بگاڑ نہیں چاہتے۔ ہم سب کے خیر خواہ ہیں اور صلح کروانا چاہتے ہیں۔ ان کا ظاہری برتاؤ اچھا ہوتا ہے جب کہ ان کی کافروں سے دوستی کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ان کی محض جہالت ہے جس کو وہ صلح کہتے وہ عین فساد ہے لیکن انہیں احساس نہیں ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر: 16، 17) (4) وہ خود کو زیادہ باشعور سمجھتے ہیں حالانکہ وہ شعور نہیں رکھتے۔

سوال 2: زمین میں فساد کیسے پھیلایا جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر کے، فرائض اور واجبات چھوڑ کر، سچے دین میں شک کر کے، دشمنان اسلام کی مدد کر کے، کافروں کی حمایت، اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کو درست کرنے کے لیے جو انفرادی یا اجتماعی کام کیے جا رہے ہوں اس کے راستے میں روڑے اٹکا کر فساد پھیلایا جاتا ہے۔ مثلاً (i) کتاب اللہ کی تعلیم کے راستے میں رکاوٹ ڈال کر۔ (ii) مساجد کی آبادکاری کے راستے میں رکاوٹ ڈال کر جیسے لوگوں کو وہ سرگرمیاں دے دی جاتی ہیں کہ ان کو مسجد میں جانے کا ہوش نہیں رہتا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلاح کیا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ انسان وہی کام کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔

(2) صحیح ایمان، عمل صالح کو اختیار کر کے، شرک اور نافرمانیوں کو چھوڑ کر زمین کے اندر اصلاح ہوتی ہے۔ (ایسر التفاسیر:20)

(3) زمین کے اندر اصلاح یہ ہے کہ اسے ایمان اور اطاعت الٰہی سے معمور رکھا جائے۔ اسی اطاعت و ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے اس زمین پر آباد کیا اور ان پر رزق کے دروازے کھول دیے تا کہ اس رزق کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کرے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے خلاف عمل کیا جائے گا تو یہ عمل زمین میں فساد برپا کرنا اور اس کو اجاڑنا ہوگا۔ (تفسیر سعدی:83/1)

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾

''سن لو! درحقیقت وہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے'' (12)

سوال: منافقوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اصلاح کرنے والے ہیں، اس آیت ﴿اَلَآ ... يَشْعُرُوْنَ﴾ میں ان کے دعوے کا کیا جواب دیا گیا ہے؟

جواب:(1) منافقوں کے دعوے کے جواب میں رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''سن لو! درحقیقت وہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے'' یعنی جس کو اصلاح سمجھتے ہیں یہ تو عین فساد ہے لیکن جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہی نہیں کہ یہ فساد ہے۔ (المصباح المنیر :142/1)

(2) منافقین کے یہ کہنے سے کہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں ضمناً یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ اہل ایمان اصلاح کرنے والے نہیں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا یہ دعویٰ ان پر پلٹ دیا ہے۔

(3) کافروں سے دوستیاں گانٹھنا ملک میں فساد پھیلانا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔'' (الانفال:73)

(4) اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کے باوجود وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ اصلاح کرنے والے ہیں۔ کیا اس فساد کے بعد بھی کوئی اور فساد رہ جاتا ہے لیکن وہ اپنے فساد کے بارے میں ایسا علم نہیں رکھتے جو اس کا فائدہ پہنچا سکے اگرچہ وہ اس کے بارے میں ایسا علم ضرور رکھتے ہیں جو ان کے خلاف حجت قائم کرے گا اور صرف ان کے اعمال ہی زمین کے اندر فساد کا باعث ہیں کیونکہ

برے اعمال اور گناہوں کے سبب سے روئے زمین پر آفتیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں جو غلے، پھلوں، درختوں اور نباتات کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:82/1)

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح

السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾

بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو! بے وقوف تو درحقیقت وہی لوگ ہیں لیکن وہ نہیں جانتے'' (13)

سوال: صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر چلنا بے وقوفی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاِذَا قِيْلَ...يَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جب منافقوں کو ایمان لانے کی نصیحت کی جاتی ہے کہ تم بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ایمانی حقائق پر ایمان لاؤ اور برائیوں سے بچ کر نیک اعمال میں لگ جاؤ تو یہ ایسے ایمان کو احمقانہ بتا کر نصیحت ٹھکرا دیتے ہیں۔ (السراج المنیر :17/1)

(2) ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے'' جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ یعنی محمد ﷺ پر اور جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرو جیسے لوگوں نے تصدیق کی ہے۔ (جامع البیان:193/1)

(3) ﴿اَلنَّاسُ﴾ یعنی لوگوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے زمانہ کے مومنین وصادقین ہیں۔ (تیسیر الرحمن:22/1)

(4) ﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ ''تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟'' منافق جھوٹے گمان میں جیتے ہیں اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ کیا ہم ویسا ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں۔

(5) منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے وقوف کہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان اور مال قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

(6) منافقوں کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے وقوفی اور حماقت ہی ان کے ایمان، ترک وطن اور کفار سے دشمنی مول لینے کی موجب ہے۔ ان کے نزدیک عقل اس کے متضاد اور اس کے برعکس رویے کا تقاضا کرتی ہے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کوسفاہت وحماقت سے منسوب کیا۔ضمنی طور پر اس کے لیے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ صرف وہی عقل منداور اصحاب دانش و بینش ہیں۔(تفسیر سعدی:83/1)

(7)سچا مومن اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔جولوگ فائدوں اور مصلحتوں کواہمیت دیتے ہیں،ایسے لوگوں کی وفاداریاں دنیا کے فائدوں کے ساتھ ہوتی ہیں اوردین سے بھی ایک ظاہری تعلق قائم کرلیتے ہیں۔وہ اسی کواپنی عقل مندی سمجھتے ہیں اوراہل ایمان کواس لیے بے وقوف کہتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ سچائی کی خاطر خودکو برباد کررہے ہیں۔

(8)﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ﴾''سن لو!بے وقوف تودرحقیقت وہی لوگ ہیں''اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ وہ خود بے وقوف اوراحمق ہیں۔

(9)احمق ایسے بے عقل کو کہتے جواپنے مصالح سے بے خبر ہواورایسے کاموں میں مصروف رہے جواس کے لیے نقصان دہ ہوں۔

(10)عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے مصالح کی فکر کرے،نفع کے حصول کی کوشش کرے اورضرر سے بچے۔یہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صادق آتی ہے۔

(11)منافقوں کی بیوقوفی ہے کہ وہ صحیح راستے کوچھوڑ کرغلط راستے پر چلتے ہیں اوراہل فکرونظر کو بے وقوف قرار دیتے ہیں۔

(12)منافقوں کوحقیقت کا شعورنہیں ہے۔انہوں نے ایمان کی حقیقت کونہیں سمجھا یہی ان کی بے وقوفی ہے۔انہیں یہ نہیں پتہ کہ سدادنیا میں نہیں رہنا،چلے جانا ہےاورجانے کی تیاری کرنی ہے۔

(13)﴿وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾''لیکن وہ نہیں جانتے''مقاتل نے کہا:وہ نہیں جانتے کہ وہ احمق ہیں۔(زادالمسیر :26/1)

(14)ان کی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ جانتے بھی نہیں کہ کس قدرضلالت اور جہالت میں مبتلا ہیں۔یہ بات ان کے لیے انتہائی تباہ کن ہے،اس سے بڑھ کراندھے پن اور ہدایت سے دوری کی بات اورکیا ہوسکتی ہے؟(المصباح المنیر :143/1)

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا

''اورجب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جوایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اورجب اپنے سرداروں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو

اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾

کہتے ہیں کہ یقیناہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تومحض مذاق اُڑانے والے ہیں''(14)

سوال1:منافقوں کے مکروفریب کی وضاحت﴿وَاِذَا لَقُوا...مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾''اورجب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جوایمان لائے تو کہتے ہیں

ہم ایمان لائے'' اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی سرگرمیوں کی وضاحت کی ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ بات منافق ظاہری طور پر دینداری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے اور اپنے مال اور اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے دھوکے کے طور پر ایمان والوں سے کہتے تھے۔

(2)﴿وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''اور جب اپنے سرداروں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق اڑانے والے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ منافق جب اپنے شریر سرداروں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو درحقیقت تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ منافقین یقین دلاتے ہیں کہ ہم کوئی دلی طور پر ایمان والوں کے ساتھ نہیں ہیں، ہم تو بس ایسے ہی ذرا دل کے بہلاوے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ ہیں۔ ہمارے دل ان کے ساتھ جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ تو ایک ظاہری سلسلہ قائم ہے تاکہ ان سے دنیا کا فائدہ حاصل کر سکیں۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یعنی ہم اس دین پر قائم ہیں جس پر آپ ہو۔'' (ابن ابی حاتم: 48/1) منافق کہتے تھے کہ ہم تمہارے عقیدے پر ہیں اور ہم تمہاری موافقت کرتے ہیں۔ (تفسیر مراغی: 55/1)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کو سب سے بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور دوسروں کے سامنے دوسرے رخ سے جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری 6058)

سوال 2: اس آیت میں شیاطین سے کون مراد ہیں؟

جواب: کافروں، منافقوں، مشرکوں اور گمراہ کرنے والوں کے سرداروں اور سرکشوں کو شیطان کہتے ہیں خواہ انسان ہوں یا جن۔ یہ برائی کے سردار ہیں یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قریش اور یہود کے سردار ہیں جن کی وجہ سے تمام لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو خیر سے دور اور شر سے قریب ہے اور جو اصلاح نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا انسان شیطانوں اور جن شیطانوں کو دشمن بنا دیا ہے جو دھوکہ دینے کے لیے ملمع کی ہوئی باتیں ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں اور جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔'' (الانعام: 112)

﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے ہیں'' (15)

سوال: منافقوں کے مکروفریب کا وبال ان ہی پر ہے، اس کی وضاحت ﴿اَللّٰهُ ... يَعْمَهُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ منافقوں کے استہزا کے مقابلے میں ان سے استہزا کرے گا اور ان کے مکروفریب کی سزا انہیں دے گا۔ رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ کا استہزاء ان کے استہزاء کی جزا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

(3) منافقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہے کہ وہ ان کے بدبختی کے اعمال اور خبیث احوال کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کر دیتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان پر مسلط نہیں کیا اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہیں۔

(5) اللہ تعالیٰ ان سے نیکی کی توفیق چھین لیتا ہے۔ پھر نہ ان کے کان سچ سننا چاہتے ہیں، نہ سچی بات ان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے، نہ ان کی آنکھ سچائی کو دیکھ سکتی ہے۔ پھر وہ اندھا دھند اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔

(6) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہوگا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ انہیں ظاہری روشنی عطا کرے گا۔ جب اہل ایمان روشنی میں چلیں گے تو منافقین کی روشنی بجھ جائے گی۔ وہ روشنی بجھ جانے کے بعد تاریکی میں متحیر کھڑے رہ جائیں گے۔ پس امید کے بعد مایوسی کتنی بری چیز ہے۔ (تفسیر سعدی: 84/1)

(7) رب العزت نے قیامت کے دن اس استہزاء کی خبر دی ہے: ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (۱۳) يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ ''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: ''ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' کہا جائے گا: ''اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو'' چنانچہ اُن کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اُس کے اندرونی حصّے میں رحمت ہوگی اور اس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف عذاب ہو گا۔ وہ اُن کو آوازیں دیں گے: ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' وہ کہیں گے: ''کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں

ڈالا اور تم انتظار ہی کرتے رہے اور تم نے شک کیا اور فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا اور اُس دھوکے باز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دیا۔'' (الحدید:14,13)

(8)﴿وَيَمُدُّهُمْ﴾ ''اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے'' اللہ تعالیٰ ان کے فسق و فجور کے کاموں کو اور بڑھا دیتا ہے۔

(9) اللہ تعالیٰ منافقوں کو اپنی مرضی کی زندگی گزارتے ہوئے فوراً نہیں پکڑتے بلکہ مہلت دیتے ہیں۔ یوں ابتدا کی سرکشی بغاوت میں بدل جاتی ہے۔

(10)﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ ''وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے ہیں'' یہ اللہ تعالیٰ کا استہزاء ہے۔

(11) عمہ دل کے اندھے پن کو کہتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا:﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ ''پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (الحج:46)

(12) رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم اُنہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ اُن کے لیے بہتر ہے ہم اُنہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور ان کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔'' (آل عمران:178) یہی استدراج ہے۔

(13) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنی گمراہی اور کفر میں بہکے پھر رہے ہیں جس کی ناپاکی نے انہیں گھیر لیا ہے اور جس کی نجاست نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب یہ حیران و پریشان اور گمراہ ہو کر بھٹک رہے ہیں کہ اس ضلالت اور کفر سے نکلنے کا راستہ سجھائی نہیں دے رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں کو ہدایت سے اندھا کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ رشد و بھلائی کو دیکھ ہی نہیں سکتے اور نہ ہی اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں۔ (تفسیر طبری:198/1)

﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے تو نہ ان کی تجارت ان کے لیے نفع مند ہوئی اور نہ ہی

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾

وہ ہدایت پانے والے ہیں'' (16)

سوال: منافقوں کی بے وقوفی کی وضاحت ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ... مُهْتَدِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے'' منافقوں کی بے وقوفی کی مثال ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی، ایمان چھوڑ کر کفر اور حق چھوڑ کر باطل پرستی کو ترجیح دی۔ (مختصر ابن کثیر: 18/1)

(2) یعنی منافق گمراہی کی طرف اتنی رغبت سے مائل ہوتے ہیں جیسے خریدار کسی ایسے سامان تجارت کی طرف لپکتا ہے جس کی اسے سخت ضرورت ہو یا اس کی دلی چاہت ہو۔ وہ اپنی رغبت کی وجہ سے اپنا قیمتی مال خرچ کرتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو جو کہ شر کی انتہا ہے سامان تجارت سے تشبیہ دی ہے اور ہدایت کو جو خیر کی انتہا ہے، اس کو سامان تجارت کی قیمت سے تشبیہ دی ہے۔

(4) منافقوں نے ہدایت یعنی نفع مند علم اور عمل صالح سے بے رغبتی کی وجہ سے اور گمراہی کی طرف رغبت کی وجہ سے ہدایت کو گمراہی کے بدلے میں خرچ کر دیا۔ یہ تھی ان کی تجارت اور یہ تھا ان کا سامان تجارت۔ کتنی بری تجارت اور کتنا برا سامان تجارت ہے!

(5) ﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ ''تو نہ ان کی تجارت ان کے لیے نفع مند ہوئی'' (i) دنیا میں جو شخص ایک ہزار روپے کے بدلے میں ایک سو روپیہ لیتا ہے تو غائب و حاضر کہتا ہے کہ اس نے بڑا خسارہ، بڑا نقصان اٹھایا۔ (ii) اس شخص کا خسارہ جو ہیرے جواہرات کو دے کر ایک روپیہ حاصل کرے زیادہ بڑا ہے۔ (iii) اس شخص کا خسارہ کتنا بڑا ہے جو ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتا ہے، خوش نصیبی کے بدلے میں بدنصیبی اختیار کرتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کو چھوڑ کر گھٹیا کاموں کی طرف رغبت رکھتا ہے۔

(6) منافق جنت یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے سکون اور خوشیوں کے بدلے عارضی زندگی کی عارضی خوشیاں خریدنے کی کوشش کرتا ہے جو مستقل انسان کے ساتھ نہیں رہتیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس تبادلے یعنی تجارت کو نفع مند قرار نہیں دیا۔ وہ سب سے بڑے خسارے میں ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ یقیناً خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، سن لو! یہی کھلا خسارہ ہے۔'' (الزمر: 15)

(7) ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ ''اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے ہیں'' انہیں ہدایت سے کوئی حصہ نہیں ملا یعنی نفاق خرید کر وہ خسارے میں رہے۔

(8) منافق ہدایت نہیں پا سکتے کیونکہ (i) وہ ہدایت کو بے وقوفی خیال کرتے ہیں۔ (ii) وہ ہدایت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ (iii) اللہ تعالیٰ منافق کو ہدایت نہیں دیتے۔

(9) کچھ منافق وہ تھے جنہوں نے ایمان قبول کرنے کے بعد کفر کیا۔ ان کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ ایمان لائے پھر اُنہوں نے کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے چنانچہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔'' (المنافقون:3) اور دوسری قسم کے منافق وہ تھے جنہیں سرے سے ایمان نصیب ہی نہیں ہوا۔ دونوں طرح کے منافقوں نے ہی ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ

''ان کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ بھڑکائی، تو جب اس نے اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ

بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾

ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے'' (17)

سوال: منافقوں کی پہلی مثال ﴿مَثَلُهُمْ ... لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ ''ان کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ بھڑکائی'' اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مثال دی ہے جو ان کے حالات کی وضاحت کرنے والی ہے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس آیت کی یہ وضاحت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن جلد ہی وہ منافق ہو گئے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس طرح ہے جیسے وہ اندھیرے میں ہوں تو ایک شخص نے روشنی جلائی ہو جس سے ماحول روشن ہو گیا یعنی فائدہ مند اور نقصان دہ چیزیں واضح ہو گئیں تو روشنی بجھ گئی اور سب پھر اندھیرے میں چلے گئے یعنی منافق پہلے شرک کے اندھیرے میں تھے پھر مسلمان ہو کر روشنی میں آ گئے، حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے پھر دوبارہ کفر اور نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر)

(3) مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کے بارے میں کہا: ﴿فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ ''تو جب اس نے اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا'' سے مراد ان کا مومنوں اور ہدایت کی طرف بڑھنا ہے۔ (جامع البیان:1/209)

(4) ﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا'' سے مراد ان کا کافروں اور گمراہی کی طرف بڑھنا ہے۔ (جامع البیان:1/209)

(5) منافقوں نے اہل ایمان کی آگ سے یعنی ان کے ایمان سے روشنی حاصل کی کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں تھا۔ وقتی طور پر انہوں نے اپنے حالات کو محفوظ کر لیا۔ دنیا میں انہیں امن مل گیا لیکن اچانک ان کو موت آ گئی یوں اللہ تعالیٰ ان سے روشنی لے گیا۔ (6) موت نے ان پر اندھیرا یعنی عذاب اور غم مسلط کر دیا۔

(7) ﴿وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے'' کفر، نفاق اور گناہوں کے اندھیروں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد انہیں جہنم کے اندھیروں میں رہنا ہوگا۔

(8) منافقوں نے ہدایت کے بدلے جو ضلالت کو خریدا اور بصیرت کے بعد اندھے پن کو ترجیح دی تو ان کی اس حالت کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے دی ہے جس نے آگ کو جلایا ہو اور آگ نے جب اپنے اردگرد کو روشن کر دیا اور اس نے اس سے نفع حاصل کرنا اور آگ کی روشنی میں دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا اور اس سے بہت ہی مانوس ہو گیا اور پھر یک دم آگ بجھ جائے اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے کہ اسے کچھ نظر نہ آئے اور نہ ہی راستہ سجھائی دے اور وہ ہو بھی بہرا کہ وہ کچھ سن نہ سکے، گونگا کہ وہ کچھ بول بھی نہ سکے اور اندھا کہ روشنی ہو بھی تو اسے دیکھ نہ سکے، لہٰذا وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔ یہ مثال بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر بھی ارشاد فرمایا ہے۔ واللہ اعلم (المصباح المنیر: 146/1)

﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾

''وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں پلٹتے'' (18)

سوال 1: منافق بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اس کی وضاحت ﴿صُمٌّۢ ... يَرْجِعُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ ''وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافق کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ: (i) وہ بھلائی کی بات سننے سے بہرا ہے۔ (ii) وہ بھلائی کی بات کہنے سے گونگا ہے۔ (iii) وہ بھلائی کو دیکھنے سے اندھا ہے۔ دراصل انہوں نے بھلائی کی، خیر کی، حق کی پہچان کھو دی ﴿فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ''سو وہ نہیں پلٹتے'' اس لیے وہ اب واپس نہیں لوٹیں گے۔

(2) ایسے لوگوں کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ خود جاہل ہیں اور دوسروں کی نصیحت مانتے نہیں۔ (السراج المنیر: 19/1)

(3) یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی پر چلنے کی بجائے گمراہی یعنی دل کی ماننے اور اپنی مرضی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لیے اب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے دین اسلام کی طرف نہیں پلٹیں گے بلکہ ہمیشہ

اپنے نفس، اپنی مرضی کی طرف پلٹیں گے۔

سوال 2: قرآن مجید کن انسانوں کو بہرا، گونگا اور اندھا کہتا ہے؟

جواب: (1) قرآن مجید اس انسان کو بہرا کہتا ہے جو کان رکھتے ہوئے بھی بہرا ہے جو حق کو، سچی بات کو نہیں سنتا۔ اللہ تعالیٰ کی بات، اس کا کلام قرآن مجید سب سے سچا ہے اور اس کے رسول ﷺ کی بات یعنی حدیث بہترین طریقہ ہے۔ اس نفع مند علم کے معاملے میں منافق بہرا بن جاتا ہے ان میں سے کچھ اسے اپنے لیے ضروری خیال نہیں کرتے۔ کچھ ایسے ہیں جو قرآن وحدیث کے علم کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں یا اپنے دنیا کے مفادات پر ضرب سمجھتے ہیں اور اس سے بچنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود محروم ہو جاتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری:71) اصلاً منافق کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتے۔ اسی لیے وہ حق سننے سے بہرے، کہنے سے گونگے اور دیکھنے سے اندھے بن جاتے ہیں: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ''ان کے لیے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔'' (الاعراف:179) (2) قرآن مجید اس انسان کو اندھا کہتا ہے جو آنکھیں رکھنے کے باوجود حق اور سچ کو، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی اور ہدایت کو نہیں دیکھتا۔

(3) قرآن مجید اس انسان کو گونگا کہتا ہے جو زبان رکھنے کے باوجود گونگا ہے۔ جو حق کو، اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کو جانتا ہے پھر بھی خاموش رہتا ہے اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ ابھی کہنے کا وقت نہیں آیا اور وہ وقت کبھی نہیں آتا۔

سوال 3: نفاق کی یہ پہلی مثال کس طرح کے منافقوں کے بارے میں ہے؟

جواب: (1) نفاق کی پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جو دل سے اسلام کے احکامات پر عمل کرنے سے انکار کرنے والے ہیں، جو یا تو مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان ہیں، لیکن انہوں نے شعوری طور پر اسلام قبول نہیں کیا یعنی اسلام کے احکامات کو نہیں سیکھا، یا انہوں نے کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا لیکن دل اب اسلام پر مطمئن نہیں۔ ایسے لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرتا ہے۔ انہیں توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ خود جاہل ہوتے ہیں اور لوگوں کی نصیحت نہیں سنتے۔ (2) وہ اسلام کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

(3)اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے۔

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

''یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، جس میں تاریکیاں ہیں، گرج اور چمک ہے، وہ موت کے ڈر سے کڑکنے والی بجلیوں سے

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے''(19)

سوال: منافقوں کی دوسری مثال ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ ... بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یہ ایک اور مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ایک دوسری قسم کے لیے بیان فرمائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے کبھی تو حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی یہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شک، کفر اور تردد کی حالت میں ان کے دل بارش کی طرح ہیں۔ (المصباح المنیر :147/1)

(2)﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش'' صیب اندھیرے کی بارش کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ وہ اس شخص کی طرح ہیں جس پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی جو موسلا دھار بارش کی طرح آسمان سے نازل ہو رہی ہے۔

(3)منافق اس میں سے اللہ تعالیٰ کے احکامات، وعدے اور وعیدیں سنتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں ﴿رَعْدٌ﴾ ''گرج'' بادل کی کڑک کی طرح ﴿وَبَرْقٌ﴾ ''اور چمک'' اور بجلی کی طرح گھبراہٹ میں مبتلا کرتے ہیں۔

(4)وعدے اسے پریشان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وحی کی موسلا دھار بارش دراصل کفر اور نفاق کے اندھیروں میں اترنے والی بارش ہے۔(5) اسے کفر اور نفاق کی وجہ سے حقیقت سمجھ نہیں آتی۔

(6)﴿فِيْهِ ظُلُمٰتٌ﴾ ''جس میں تاریکیاں ہیں'' ان اندھیروں سے مراد شک، کفر اور نفاق کے اندھیرے ہیں۔ ﴿وَرَعْدٌ﴾ ''اور گرج'' سے مراد وہ کڑک ہے جو خوف کے باعث دلوں پر دہشت طاری کر دے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ان پر خوف اور گھبراہٹ طاری رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ ''وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔'' (المنافقون:4) اور ﴿وَبَرْقٌ﴾ ''اور چمک'' سے مراد نور ایمان کی وہ روشنی ہے جو بعض اوقات منافقوں کے دل میں چمکتی ہے۔ (المصباح المنیر :148،147/1)

(7)﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ ''وہ موت کے ڈر سے کڑکنے والی

بجلیوں سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں" موت کے ڈر سے وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتا ہے۔ منافق کو اس طرح وقتی طور پر سلامتی مل جاتی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں بھاگ سکتے۔ منافق اپنی ذات اور مفادات کا تحفظ چاہتا ہے۔ جب کبھی حق کی دعوت اٹھتی ہے تو جہاں ایک طرف انسانوں کے لیے یہ دعوت کامیابی کے دروازے کھولتی ہے، وہیں دوسری طرف کچھ انسان خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق کو جان لینے کی صورت میں خاص طور پر اونچے طبقے کے لوگوں کو اپنی بڑائی کا خاتمہ ہوتے نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہر ایک کو اپنے رسم و رواج چھوڑنے سے ڈر لگتا ہے۔ یہیں سے وہ حق پر عمل پیرا ہونے سے ڈر جاتے ہیں۔ ایک طرف وہ قرآن مجید کی بات سنتے ہیں تو دل میں تھوڑی سی گنجائش پیدا ہوتی ہے، دوسری طرف اپنے دوستوں سے ملتے ہیں تو گھبرا اٹھتے ہیں۔ اس گھبراہٹ میں ایک ہی حل نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو، حق کی دعوت کو نہ سنیں کیونکہ ان کے خیال میں اگر سنیں گے تو عمل کرنا پڑے گا اور عمل کرنے سے ہی تو ڈر لگتا ہے، اس لیے سننا چھوڑ دیتے ہیں۔

(8) ﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے" اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم نے منافق کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کون بھاگ سکتا ہے۔ کون ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عاجز کر سکے؟ اللہ تعالیٰ منافقوں کے اعمال کو ان کے اعمال ناموں میں محفوظ کر دیتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ "اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے علم میں یقیناً ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔" (الطلاق:12) اور فرمایا: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (۱۷) فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ (۱۸) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ (۱۹) وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (۲۰)﴾ "کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے؟ فرعون اور ثمود کی۔ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے اُنہیں گھیرنے والا ہے۔" (البروج:17-20)

﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ

"قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہیں اچک لے، جب کبھی ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو وہ اس میں چل پڑتے ہیں اور جب ان کے لیے

عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اندھیرا کرتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کی سماعت اور ان کی بصارت کو لے جاتا، یقیناً اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے" (20)

سوال 1: منافقوں کی دوسری مثال کی مزید تفصیل ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ ... قَامُوْا﴾ کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) دوسری قسم کے منافقوں کی مثال کی مزید وضاحت ہے کہ ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہیں اچک لے'' یعنی منافق اللہ تعالیٰ کے احکامات، اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں جو قرآن میں آئے ہیں سنتے ہیں تو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ گھر والوں اور معاشرے کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے تو وہ رک جاتے ہیں۔

(2) ﴿يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''ان کی نگاہیں اچک لے'' بصارت سے مراد ایمان کا نور ہے جو منافق میں کم ہوتا ہے۔ بصارت کے اُچکنے سے مراد یہ ہے کہ مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی سمجھ ختم ہو جائے اور پھر انسان گھر والوں اور مخالفوں کے ذہن سے ہی سوچنے لگ جائے۔

(3) ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہیں اچک لے'' یعنی اس بارش میں بجلی کی غضب کی چمک ہے اور ان کی بینائی (ایمان) کمزور ہے۔ ممکن ہے اسی روشنی سے بنیائی جاتی رہے۔ (السراج المنیر: 20/1)

(4) علی بن ابوطلحہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی مضبوط و مستحکم آیات منافقین کی تمام کمزوریوں کو کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 57/1)

(5) ﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا﴾ ''جب بھی ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو وہ اس میں چل پڑتے ہیں اور جب ان کے لیے اندھیرا کرتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں'' جب ان کے دل میں ایمان کی کرنیں چمکتی ہیں تو پیروی کرنے لگتے ہیں لیکن شک و تردد کے اندھیرے پھر دل سیاہ کر دیتے ہیں۔ اب یہ حیران و سرگرداں کھڑے کے کھڑے ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ذرا سے عروج و اقبال سے ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ذرا سے انحطاط و زوال سے پھر یہ الٹے پاؤں کفر کی طرف بھاگتے ہیں۔ منافقوں کا اجالے میں چلنا حق کو سمجھ کر کلمہ توحید پڑھ لینا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر میں واپس لوٹ جانا ہے۔ (السراج المنیر: 20/1)

(6) منافق کے دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ وہ اہل ایمان کے ایمان سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے جب وہ قرآن و حدیث میں سے کچھ سنتے ہیں انہیں تھوڑی سی روشنی ملتی ہے تو کچھ نیک اعمال کر لیتے ہیں اور جب وہ قرآن و حدیث کی مجالس میں نہیں جاتے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو نہیں سنتے تو اندھیرا ہو جاتا ہے اور ان کے اعمال صالح بھی رک جاتے ہیں۔

(7) منافق پر روشنی ہونے سے مراد ہے قرآنِ حکیم کی تعلیمات سنتے ہوئے، پڑھتے ہوئے دین کی کسی بات کا سمجھ آ جانا اور

اندھیرا چھا جانے سے مراد یہ ہے کہ اگر دین کا حکم دل کی مرضی کے خلاف ہے یا گھر والوں کی یا معاشرے کے افراد کی پسند کے مطابق نہیں اور انسان اُن کی مخالفت یا اپنے نفس کی مخالفت برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس حکم کو سمجھنے کے باوجود نظر انداز کر دے، اس پر عمل پیرا ہونا اپنے لیے ضروری نہ سمجھے۔ یوں انسان کی سمجھ پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

سوال 2: اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں کون سی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں؟

جواب: اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں یوں تو بہت سی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں جیسے گھر والوں کی مخالفت، معاشرے کے افراد کی مخالفت لیکن سب سے بڑی رکاوٹیں خود انسان کے اپنے اندر سے سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

(1) خوف: اس بات کا خوف کہ کہیں میں لوگوں کی نظروں سے گر نہ جاؤں۔ منافق کو یہ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ پھر جب رسم و رواج سے اسلام کے احکامات ٹکراتے ہیں تو اہل خاندان اور معاشرے کے افراد میں عزت کم ہو جانے کا خوف رکاوٹ بنتا ہے۔

(2) تعصب: جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کو، اس کے دین کو کسی انسان سے سنتا ہے تو وہ اس کو انسان کی بات سمجھ لیتا ہے۔ پھر اندر چھپا ہوا تکبر اور حسد زندہ ہو جاتا ہے اور انسان کان رکھتے ہوئے بہرہ، آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا اور زبان رکھتے ہوئے گونگا بن جاتا ہے۔ یوں یہ تعصب اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

(3) لوگوں سے کٹ جانے کا اندیشہ۔ (4) رزق کے کم ہو جانے کا اندیشہ۔

سوال 3: منافقوں کو جو تنبیہ کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ ... قَدِيْرٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کی سماعت اور ان کی بصارت کو لے جاتا'' اللہ تعالیٰ نے نفع مند علم یعنی قرآن و حدیث سننے سے بہرے بننے والے، حق دیکھنے سے اندھے بننے والے منافقوں کو، جنہوں نے اپنے ایمان کے راستے بند کر دیے ہیں، تنبیہ کی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو واپس لے سکتا ہے۔ اس لئے اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور شر اور نفاق سے باز آ جاؤ۔

(2) (i) سماعت سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سننا ہے اور سماعت سلب کرنے سے مراد ہے کتاب سننے سے روک دینا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے احکامات کو نظر انداز کرنے والے کو کتاب سننے سے بھی روک دیتا لیکن وہ سن کر عمل نہ کرنے والے کو سننے سے نہیں روکتا۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ کوئی جتنا کام کرنا چاہتا ہے اسے اتنا ہی کام کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

(ii) بصارت سے مراد نور ایمان ہے جو قرآن و حدیث کے علم اور اس پر عمل کے ساتھ بڑھتا ہے۔ انسان جب دین کو سمجھ

کراس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو پھر بھی موقع دیتا ہے کہ وہ سنتا رہے، سمجھتا رہے۔ اس سے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

(3)﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''یقینا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اس کے ارادوں کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کر گزرتا ہے، کوئی اس کو روکنے والا نہیں، کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں اور کوئی اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

(4) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں جو ارادہ فرمائے، انہیں سزا دے یا معاف فرما دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (ابن ابی حاتم: 1/76)

سوال 4: سورۃ البقرہ کی ابتدائی بیس آیات میں کون سے تین گروہوں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں؟

جواب: (1) سورۃ البقرہ کی ابتدائی چار آیات میں خالص مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اگلی دو آیات میں خالص کافروں کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور اس سے اگلی تیرہ آیات منافقین کے بارے میں ہیں۔

(2) منافق جن کی دو قسمیں ہیں۔ خالص منافق جن کی مثال آگ کے اجالے سے دی گئی ہے۔ وہ منافق جن کے دلوں میں تردد ہے کبھی ایمان کی کرن چمکتی ہے اور کبھی نور ایمان بجھ جاتا ہے ان کی مثال بارش سے دی گئی ہے۔ یہ پہلے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔ (السراج المنیر: 1/21)

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، تمہارا رب جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو'' (21)

سوال: اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنی عبادت کا جو حکم دیا ہے، اس کی وضاحت ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ... تَتَّقُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا﴾ ''اے لوگو! عبادت کرو'' اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے یہ ایسا حکم ہے جس کے لیے اس نے بندوں کو تخلیق فرمایا۔ فرمایا:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔'' (الذاریات:56)

(2)﴿رَبَّكُمْ﴾ ''تمہارا رب'' تمہارا خالق اور تمہارے امور کا مالک اور تمہارا حقیقی معبود ہے۔ (ایسر التفاسیر:23/1)

(3) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے وہ اقوال ہوں یا ظاہری و باطنی اعمال ہوں۔'' (رسالۃ العبودیۃ:149/10)

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید میں ہر عبادت سے مراد توحید ہے۔ (الاساس:94/1)

(5) توحید کو معرفت الٰہی کے بغیر نہیں اپنایا جا سکتا اور معرفت معبود کے حقوق کو قائم کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

(الاساس:94,95/1) عبادت یعنی اطاعت اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

(6) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے لیے پیدا کیا اور ہماری زندگی کا مقصد عبادت ٹھہرایا تا کہ ہمارے دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں اور ہم قلب اور قالب کے اعتبار سے اپنے خالق کے بن کر رہیں۔

(7) اللہ تعالیٰ نے عبادت کو واجب قرار دیا ہے۔ جن اقوال و افعال کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کے ساتھ صرف اسی ایک کی عبادت کرنا واجب ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دعا، نذر، خشیت، توکل اور دیگر ساری عبادات۔ (العثیمین، شرح عقیدہ واسطیہ:22)

(8) ہر نبی نے اپنی دعوت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کیا، رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔'' (النحل:36)

(9)﴿الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے'' صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وہ تمہارا رب ہے، اس نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نواز کر تمہاری تربیت اور پرورش کی، وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا، اس نے ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں، اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا جہاں تم اپنا ٹھکانہ بناتے ہو، جہاں تم عمارات تعمیر کر کے، زراعت اور کاشت کاری کر کے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر کے مختلف فوائد حاصل کرتے ہو، اس کے علاوہ تم زمین کے بعض دیگر فوائد سے استفادہ کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اس مسکن کے لئے آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے تمہاری

ضروریات اور حاجات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس چھت میں بھی بہت سی نفع بخش چیزیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے۔ (تفسیر سعدی:88/1)

(10) اس بات کا اعتراف تو مشرک بھی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں پیدا کیا، رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ ''اور یقیناً اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ اُنہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔'' (الزخرف:87)

(11) ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی، پھر اُسے راستہ دکھایا۔'' (طٰہٰ:50)

(12) اقبال نے کہا:

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون　　کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار　　خال یہ کس کی ہے؟ کس کا یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی خوئے انقلاب　　(بالِ جبریل)

(13) جیسے انسانوں کی تخلیق خالق کے وجود پر دلیل ہے اسی طرح دوسری مخلوقات بھی اس کے وجود پر دلیل ہیں۔ زمین کو بچھانا، آسمان کو چھت بنانا، پہاڑوں سے زمین کو ٹھہرانا، تاروں سے آسمان کو سجانا، پہاڑوں میں کشادہ گھاٹیاں بنانا، آسمان سے ضرورت کے مطابق پانی برسانا، طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کا پیدا کرنا، بنانے والے کے وجود پر دلیل ہیں، اس لیے اس کی عبادت کرو۔

(14) ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو'' اس سے مراد ہے کہ تم دنیا میں غلط رویے سے بچ جاؤ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

(15) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس سے مراد ہے تاکہ تم فرماں بردار بن جاؤ۔ (جامع البیان:233/1)

(16) جب تم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ گے کیونکہ عبادت ایسا سبب ہے جو اس کی ناراضگی کو دور کرتا ہے۔

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

''وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل کیا،

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

پھراس سے تمہارے رزق کے لئے کئی طرح کے پھل پیدا کیے، چنانچہ جب تم یہ جانتے ہوتو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہ بناؤ''(22)

سوال: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی وضاحت ﴿الَّذِیْ...تَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی ہے، اس نے اپنے بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس نے فرمایا: ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾ ''وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا'' سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمین ایسا فرش ہے جس پر چلا جاتا ہے۔ وہی بچھونا اور وہی جائے قرار ہے۔ (تفسیر جامع البیان: 234/1)

(2) اللہ تعالیٰ نے زمین میں وہ ساری قوتیں رکھیں جو انسان کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس نے زمین کو ہمارے لیے ہموار بنایا۔ اسی لیے زمین انسان کو لے کر ڈھلکتی نہیں اور انسان سکون کے ساتھ اس پر زندگی گزار سکتا ہے۔

(3) ﴿وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ''اور آسمان کو چھت بنایا'' ہر چیز جو ہمارے اوپر بلند ہے آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بنایا جس کے نیچے ساری کہکشائیں ہیں، سارے سیارے ہیں جو اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔'' (المومن: 57)

(5) ﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ ''اور آسمان سے پانی نازل کیا'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج کی حرارت کی وجہ سے سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اوپر جاتا ہے۔ وہ ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بادلوں کو ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑا کر لے جاتی ہیں اور پھر جس علاقے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے وہاں یہ پانی بارش کی صورت برسا دیا جاتا ہے۔

(6) ﴿فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ''پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے کئی طرح کے پھل پیدا کیے'' اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اگانے کی قوت رکھی، آسمان سے بارش برسائی اور اس کے ذریعے ہر طرح کی پیداوار نکال کر رزق بہم پہنچایا۔

(7) اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی قوتیں رکھیں جو انسان کے لیے مفید ہیں۔ انسان ان قوتوں سے فائدہ اٹھا کر رزق حاصل

کرتا ہے، زندگی بسر کرنے کا سامان کرتا ہے اور لذت بھی حاصل کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بلاشبہ آپ زمین کو بنجر دیکھتے ہیں پھر جب ہم اُس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ لہلہاتی اور پھولتی ہے، بے شک جس نے اُس کو زندہ کیا، یقیناً وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (فصلت:39)

(8) ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہ بناؤ'' اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کی مختلف اقسام میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے کیونکہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت شرک ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں کے آگے بھی ہاتھ پھیلائے جائیں، اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ہو تو اوروں کے لیے بھی سجدے کیے جائیں، اللہ تعالیٰ کے لیے قربانیاں دی جائیں تو اوروں کے لیے بھی دی جائیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کیا جائے تو اوروں کے لیے بھی مالی قربانیاں پیش کی جائیں۔

(9)(i) جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو ویسی محبت کسی اور سے نہ کرو۔

(ii) جیسے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہو ویسا بھروسہ کسی اور پر نہ کرو۔

(iii) جیسے اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہو ویسا خوف کسی اور سے نہ کھاؤ۔ (iv) جیسے اللہ تعالیٰ سے امید باندھتے ہو ویسی امید کسی اور سے نہ باندھو۔ (v) جیسے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو اسی طرح کسی اور کو راضی کرنے کی فکر نہ کرو۔

(10) اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کچھ ہماری طرح مخلوق ہے جیسے ہمیں رزق دیا جاتا ہے انہیں بھی دیا جاتا ہے، جیسے ہمارے لیے زندگی کی تدبیر کی جاتی ہے ان کے لیے بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی بھی زمین و آسمان کے ایک ذرے کا بھی مالک نہیں۔ نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔

(11) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔'' (بخاری:6001)

(12) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، خواہ تجھے مار ڈالا جائے یا جلا دیا جائے۔'' (مسند احمد:22425)

(13) ﴿وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور جب تم نہ جانتے ہو'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ

تمہارا خالق ہے۔(14) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

(15) تم سمجھتے ہو تو اپنے علم سے سمجھنے میں مدد لو۔ (تفسیر ماوردی:84/1)

(16) ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو جلد ہی وہ کہیں گے ''اللہ تعالیٰ'' کہو: ''تو کیا تم ڈرتے نہیں؟'' (یونس:31)

(17) جب تم جانتے ہو کہ وہ خالق ہے، رازق ہے پھر کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو پھلوں میں مٹھاس پیدا کر دے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جو پانی کو سمندروں سے خشک کر کے یا بخارات بنا کر اوپر لے جائے اور بارشیں برسا دے، کوئی ایسا نہیں جو زمین کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا کر دے۔ پھر کسی اور سے دعائیں کیوں مانگتے ہو؟ پھر کسی اور کو سجدے کیوں کرتے ہو؟ پھر کسی اور کے لیے قربانیاں کیوں کرتے ہو؟ پھر تمہارے تصور میں کوئی اور بڑا کیوں ہے؟ پھر کسی اور کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ پھر کسی اور کی کیوں مانتے ہو؟

(18) یہ آیت وجود باری تعالیٰ کی بڑی مضبوط دلیل ہے۔ زمین و آسمان کی مختلف شکلیں، مختلف رنگ، جداگانہ مزاج، جداگانہ منافع، ہر چیز کا مفید و خاص حکمت پر مبنی ہونا خالق کائنات کے وجود کا ثبوت اور اس کی ہمہ گیر قدرت و حکمت اور زبردست غلبہ و سطوت کی نشانی ہے۔ ایک دیہاتی سے اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل پوچھی گئی۔ بولا اونٹ کی مینگنی اونٹ کو اور اس کے قدموں کے نشان اس کے گزرنے کو بتاتے ہیں پس یہ برجوں والا آسمان، یہ راہوں والی زمین اور یہ موجوں والے سمندر کیا ایک باریک بین و خبردار خالق کائنات کے وجود کو نہیں بتلاتے؟ (السراج المنیر:22/1)

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا

''اور اگر تم اس بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ تعالیٰ

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

کے ماسوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو'' (23)

سوال 1: رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا جو ثبوت دیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ ... صٰدِقِيْنَ﴾ کی

روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ثبوت دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے:

(2)﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ ''اور اگر تم اس بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے'' اگر تمہیں قرآن کی صداقت کے بارے میں شک ہے جو کہ اپنے بیان میں، اپنے نظم میں اور اپنی تشریح میں معجزہ ہے، جس کو ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔(صفوۃ التفاسیر:35/1)

(3)﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ ''تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ'' اگر تمہیں اس وحی کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کہ وہ حق ہے یا نہیں تو دیکھو وہ تمہارے درمیان پیدا ہوا، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور اس نے تمہارے سامنے کتاب پیش کر کے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ یہ کہتے ہو کہ اس نے خود گھڑا ہے، اسے کسی نے لکھوایا ہے، اس نے کسی سے مدد لی ہے۔ اگر یہی معاملہ ہے تو ایسا کرو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ مثل سے مراد مثل فی البلاغت ہے۔(تفسیر کبیر، کشاف، ثنائی)

(4)﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو'' یعنی اپنے شاعروں، خطیبوں، مددگاروں اور حامیوں سے مدد لے سکتے ہو۔ رب العزت نے فرمایا:﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۳) فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو؟ چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟'' (ہود:14,13) رب العزت نے فرمایا:﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیں تو اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (یونس:38)

(5) تین آیتوں کی ایک سورت رواج کے مطابق کعبۃ اللہ کے دروازے پر آویزاں کر دی گئی۔ ایک بڑے شاعر نے اس

کے نیچے صرف یہ لکھا کہ ''یقیناً یہ انسان کا کلام نہیں۔'' (تعارف الفرقان:57/1)

(6) اگر تم ایک سورت بنا کر لے آئے تو اس قرآن کو جھوٹ اور بہتان کہنے میں حق بجانب ہو اور اگر ایسی سورت نہ پیش کر سکے، عاجز آ گئے تو تمہاری بے بسی قرآن حکیم کے اللہ تعالیٰ کی وحی ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔ پھر تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اللہ تعالیٰ کی آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس لیے جب تمہارے علم میں آ گیا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو ایمان لے آؤ۔

(7) رب العزت نے ایک مقام پر فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ ''آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔''
(بنی اسرائیل:88)

(8) قرآن مجید نبی ﷺ کو دیا جانے والا عظیم ترین معجزہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا ہے وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔'' (صحیح مسلم:152)

سوال 2: اس آیت میں ﴿عَلٰى عَبْدِنَا﴾ کے الفاظ میں کس بات کی دلیل ہے؟

جواب: ﴿عَلٰى عَبْدِنَا﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عبدیت نبی ﷺ کی صفت ہے جس مقام بلند تک کوئی اور نہیں پہنچ سکا۔ معراج کے موقع پر بھی آپ ﷺ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو ایک رات مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجد تک لے گیا۔'' (بنی اسرائیل:1) نزول قرآن کے وقت بھی آپ ﷺ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ''بہت برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو'' (الفرقان:1)

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ﴾

''پھر اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے،

﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾

جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' (24)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج کرنے کے بعد کہ تم اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے، انسانوں کو آگ سے ڈرایا ہے، اس کی وضاحت ﴿فَاِنْ لَّمْ ... لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس شک سے نکالنے کے لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ انسان کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے، آخری چارۂ کار کے طور پر انسان کو آگ سے ڈرایا ہے تاکہ انسان باز آجائے۔ فرمایا:

(2) ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ ''پھر اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے'': قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر تم اس کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''تو تمہارے لیے حق واضح ہو گیا۔'' (جامع البیان: 243/1)

(3) ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ﴾ ''تو اس آگ سے ڈرو'' یعنی اگر تم قرآن حکیم کے مقابلے کا کلام نہیں بنا سکتے اور تم ہرگز اس کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ یہ کلام حکیم وخبیر کا ہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اپنی جانوں پر رحم کرو تاکہ تمہیں وہ اس آگ سے نجات دے جو شعلے مارنے والی ہے۔ اس کے عذاب سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا ہرگز کوئی چیز بچانے والی نہیں۔ (تفسیر المیسر: 11/1)

(4) ﴿الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ''جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق گندھک کے پتھر ہیں اور دوسروں کے نزدیک وہ بت دوزخ کا ایندھن ہوں گے جن کو لوگ دنیا میں پوجتے رہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ ''بلاشبہ تم اور وہ جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا تم عبادت کیا کرتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہیں، تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو۔'' (الانبیاء: 98)

(5) ﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ ''جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' آگ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے والوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شریعت کو جھٹلانے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (ایسر التفاسیر: 24/1)

سوال 2: کیا آج بھی جہنم تیار ہے؟

جواب: جہنم کے وجود پر بہت سے دلائل ہیں۔ (1) اس آیت کی رو سے جہنم آج بھی موجود ہے۔

(2) نماز کسوف والی حدیث میں ہے مجھے جنت اور جہنم دکھائی گئیں۔

(3) ایک طویل حدیث میں ہے کہ جنت اور جہنم میں جھگڑا ہوا جو اس پر دلیل ہے کہ وہ موجود ہیں۔

(4) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ایک زوردار دھماکہ سنا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ پتھر کی آواز ہے یہ اب سے ستر سال پہلے جہنم کے بالائی کنارے سے پھینکا گیا تھا اور اب جہنم کی تہہ میں گرا ہے جس کی یہ آواز ہے۔'' (مسلم:2844)

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

''اور ان لوگوں کو خوش خبری دے دو جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ یقیناً ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا

بہتی ہیں جب کبھی ان میں سے کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے بھی ہمیں دیے گئے تھے

بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

اور انہیں ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیا جائے گا اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' (25)

سوال: ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کی جزا کی وضاحت ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ ... خٰلِدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے طریقہ کار کے مطابق جب کافروں کی جزا کا ذکر کیا تو اہل ایمان کی جزا بھی بتا دی تا کہ مومن اس کے عذاب کا خوف بھی رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی رغبت بھی رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ﴾ ''اور خوش خبری دے دو'' اے رسول ﷺ آپ خوش خبری دے دیں۔ (2) ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے'' جن لوگوں نے دل سے ایمان قبول کیا اور اس کی تصدیق کی۔

(3) ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جنہوں نے نیک عمل کیے'' اور جنہوں نے نیک اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔

(4) اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کو صالحات قرار دیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے دنیا اور آخرت کی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔ اسی کے ذریعے فساد دور ہوتا ہے۔ (5) جنت تک ایمان پہنچانے والا ہے اور اعمال صالحہ درجات کا مستحق بناتے ہیں۔

(6) عمل صالح کے بغیر ایمان اور ایمان کے بغیر عمل صالح کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ عمل صالح وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے۔ کوئی عمل جو سنت کے خلاف

ہوعمل صالح نہیں ہوسکتا۔ جوعمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت سے کیا گیا ہو وہ بھی عمل صالح نہیں ہوسکتا۔

(7)﴿اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''کہ یقیناان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' جنت میں دودھ، صاف پانی، شہد اور عمدہ شراب کی نہریں بہتی ہوں گی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾ ''جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں اور خوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں۔'' (محمد:15)

(8) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کوثر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایک نہر ہے اللہ نے ہمیں جنت کے اندر دی ہے، یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی طرح ہیں'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ تو واقعی نعمت میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں کھانے والے ان سے زیادہ نعمت میں ہیں۔'' (ترمذی:2542)

(9)﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ ''جب کبھی ان میں سے کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے بھی ہمیں دیئے گئے تھے اور انہیں ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیا جائے گا'' اہل جنت کو جب بھی پھل کھلائے جائیں گے تو وہ پہچان جائیں گے کیونکہ وہ یاد کریں گے کہ ایسے ہی پھل دنیا میں بھی ہمیں دیئے گئے۔ جنت کے پھلوں کی مشابہت نام یا رنگ میں ہوگی، ذائقے میں مختلف ہوں گے۔

(10) رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف کے دوران جنت دیکھی تو فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے ایک خوشہ لیا۔ اگر میں اسے توڑ لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اسے کھاتے رہتے۔'' (مسلم:907)

(11)﴿وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فلاں عیب سے پاک ہوں گی کیونکہ یہ تطہیر طہارت کی تمام اقسام پر مشتمل ہوگی۔

(i) ان کے اخلاق پاک ہوں گے، ان کی تخلیق پاکیزگی پر مبنی ہوگی، ان کی زبان پاک ہوگی اور ان کی نظر پاک ہوگی۔

(ii) ان کے اخلاق کی پاکیزگی یہ ہے کہ وہ دلکش ہوں گی اور اپنے اخلاق حسنہ، حسن اطاعت اور قولی وفعلی آداب کے ساتھ

اپنے شوہروں سے محبت کریں گی۔(iii) وہ حیض ونفاس، بول وبراز، تھوک، بلغم اور بدبو سے پاک ہوں گی۔

(iv) وہ اپنی جسمانی تخلیق میں بھی پاک ہوں گی، وہ کامل حسن وجمال سے بہرہ ور ہوں گی۔

(v) ان کے اندر کسی قسم کا عیب اور کسی قسم کی جسمانی بدصورتی نہ ہوگی۔

(vi) وہ نیک سیرت اور خوب صورت ہوں گی۔ وہ نیچی نگاہوں والی ہوں گی اور ان کی نگاہیں اپنے شوہروں سے آگے نہ بڑھیں گی۔ ان کی زبانیں ہر گندی بات سے محفوظ اور پاک ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:93/1)

(12) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام بھی گزار دینا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے اور کسی کے لیے جنت میں ایک ہاتھ کے برابر جگہ بھی یا (راوی کو شبہ ہے) ایک (قید) جگہ، (قید) سے مراد کوڑا ہے، (دنیا وما فیھا) سے بہتر ہے اور اگر جنت کی کوئی عورت زمین کی طرف جھانک بھی لے تو زمین وآسمان اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ منور ہو جائیں اور خوشبو سے معطر ہو جائیں۔ اس کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بڑھ کر ہے۔'' (بخاری:2796)

(13) ﴿وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ''اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' اس سے مراد ہے کہ جو لوگ جنت میں بسائے جائیں گے ان سے جنت کبھی واپس نہیں لی جائے گی۔

(14) وہاں وہ ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا: اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے اسی حالت میں رہے گا۔'' (صحیح مسلم:7184، صحیح بخاری:6545)

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جنت میں جائے گا چین سے رہے گا بے غم رہے گا، نہ کبھی اس کے کپڑے گلیں گے، نہ جوانی اس کی ختم ہوگی۔'' (یعنی سدا جوان ہی رہے گا کبھی بوڑھا نہ ہوگا)۔ (مسلم:2836)

(16) ﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ ''اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے'' (التحریم:11) یا ارحم الراحمین ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیے اور ہم سے راضی ہو جائیے۔ آمین

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی اوپر کسی چیز کی مثال بیان کرے، پس جو لوگ ایمان لائے

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا

تو وہ جانتے ہیں کہ یقیناوہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ

ارادہ کیا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾

فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا" (26)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں اور منافقوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے، ﴿اِنَّ اللّٰهَ ... فَوْقَهَا﴾ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ "یقینا اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی اوپر کسی چیز کی مثال بیان کرے" اللہ تعالیٰ نے منافق کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں انہیں سن کر منافق بولے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان فرمائے۔ اس پر یا جب حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں مکھی اور مکڑی کا بیان فرمایا تو مشرک کہنے لگے یہ مکھی اور مکڑی کیوں بیان کی جاتی ہے۔ بھلا قرآن میں ان حقیر چیزوں کے لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر یہ آیت اتری: فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ (مختصر ابن کثیر: 25/1)

(2) ایک روایت میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔ (ترمذی: 2320)

(3) اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں عار کرتا یا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ کسی چیز کی کوئی بھی مثال بیان فرمائے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ "اس سے بھی اوپر کسی چیز کی" کے معنی یہ ہیں کہ جو اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ مچھر سے بڑھ کر چھوٹی اور حقیر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ (المصباح المنیر: 163/1)

(4) مثال حکمت اور وضاحت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ وضاحت کسی بھی حوالے سے ہو سکتی ہے۔

(5) چھوٹی مثالیں دینے میں کوئی حیا کی بات نہیں۔

(6) یہ اعتراض کا مقام نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم اور اس کی سکھائی ہوئی حکمت ہے جس کو شکر کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

سوال 2: ایمان والے کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ مثالیں اُن کے رب کی طرف سے حق ہیں، اس کی وضاحت ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''پس جولوگ ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یقیناوہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے'' ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق یہ جان لیتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں اگر انہیں سمجھ آجائے تو ان کے علم اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

(2)ایمان والوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ ''اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے ہی بیان کرتے ہیں اور اُنہیں علم رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔'' (العنکبوت:43)

(3)ایمان والے اگر نہ بھی سمجھ پائیں تب بھی انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بات کو بے فائدہ بیان نہیں کیا۔ یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے یا ان کے لیے کوئی خیر اور بھلائی ہے، جو پوشیدہ ہے۔ اس طرح اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

سوال3: کفر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مثالوں کے بارے میں شک میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں، اس کی وضاحت﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ ... مَثَلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ ''لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے؟'' کفر کرنے والے حیرت سے انکار کر کے اپنے دل کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ پھر حق کے بارے میں ان کے دلوں میں گھٹن پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ شک میں مبتلا ہوتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔

(2)کفر کرنے والے حیات بخش کلام سے اپنی زندگی بدلنا نہیں چاہتے۔ اس لئے انہیں کلام کے مطالبات پر یقین نہیں آتا اور وہ شک کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی شک میں وہ اعتراض کرتے ہیں اور اپنے کفر میں اضافہ کر لیتے ہیں۔

(3)حق کی دعوت کو قبول کرنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ: (i) دلیل اور نصیحت کو تعصب کی وجہ سے قبول نہ کرنا۔ (ii) حق کے معاملے میں غیر سنجیدگی اختیار کرنا ہے۔

سوال4: سچی بات ایک ہی ہوتی ہے، کچھ لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور کچھ ہدایت قبول کر لیتے ہیں، ایسا کس وجہ سے ہوتا ہے، اس کی وضاحت﴿یُضِلُّ ... كَثِیْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے'' نزول قرآن کے دور میں یہ مومنوں اور کافروں کا حال تھا۔ ﴿يُضِلُّ بِهٖ﴾ اس کلام سے، اس دعوت سے وہ گمراہ کر دیتا ہے۔ رب العزت نے ایک اور جگہ اس کو واضح فرمایا: ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۱۲۴) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۱۲۵)﴾ ''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔'' (التوبہ:124,125)

قرآنی آیات کچھ لوگوں کے لیے آزمائش بن جاتی ہیں اور ان کی گمراہی میں اضافہ کرتی ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے انعام بن جاتی ہیں، ان کے لیے ہدایت کا سبب بن جاتی ہیں۔ ہر طرح کے نقص سے پاک ہے وہ جو جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت کا فیصلہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے گمراہی کا فیصلہ کرتا ہے۔

(2) کچھ لوگ جو سچی بات کی تلاش اور جستجو میں ہوتے ہیں انہیں جب ''سچ'' مل جاتا ہے، جب وہ حقیقت کو پا لیتے ہیں تو ان کا دل جھک جاتا ہے، سچ کو قبول کر لیتا ہے اور یوں وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ جو سچائی کی تلاش میں نہیں ہوتے، ان کی نظریں الفاظ میں اور کان اس آواز میں اٹک جاتے ہیں اور وہ کلام سے الٹے نتائج نکالتے ہیں، باتوں کے غلط معانی لیتے ہیں اور یوں حقیقت سے بہت دور چلے جاتے ہیں۔ یوں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سچی بات کے ساتھ ان دو رویوں کے دو مختلف طرح کے نتائج سامنے آتے ہیں۔

(3) سدی نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کو گمراہ کرتا ہے اور مومنوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس سے منافقوں کی ضلالت و گمراہی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انہیں حق اور یقین کا علم تو ہو جاتا ہے مگر وہ علم کے باوجود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کو گمراہ کرنے کے۔ ﴿وَّيَهْدِيْ بِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ، یعنی اس مثال کے ساتھ ہدایت بخشتا ہے۔ ﴿كَثِيْرًا﴾ بہت سے اہل ایمان و تصدیق کو کہ اس سے ان کے ایمان اور ہدایت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انہیں جس حق اور یقین کا علم ہوتا ہے اس کی وہ تصدیق اور اقرار کرتے ہیں اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے انہیں ہدایت بخشنے کے۔ (تفسیر طبری:261/1)

(4) سورہ النساء کی آیت نمبر 115 میں ہے: ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ ''تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

سوال 5: اللہ تعالیٰ کسے گمراہ کرتا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا'' اللہ تعالیٰ کسے گمراہ کرتا ہے، اس کی وضاحت ہے کہ وہ صرف ان ہی کو گمراہ کرتا ہے جو اس کی اطاعت کے دائرے سے نکل جاتے ہیں اور ان کے اندر ہدایت یعنی نفع مند علم اور عمل صالح کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔

(2) فاسق اللہ تعالیٰ کے حکم، ایمان اور عمل صالح سے نکل جاتے ہیں۔ فسق اطاعت سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:21/1)

(3) فاسقوں سے یہاں مراد منافق ہیں۔ (تفسیر طبری:262/1) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''یقیناً منافق ہی نافرمان ہیں۔'' (التوبہ:67)

(4) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہی گمراہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، جو سنت کی پیروی نہیں کرتا اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے، جو اپنی ذات کے پیچھے چلے اور جو اہل ایمان کی روش کے علاوہ کسی اور کی روش اختیار کرتا ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

''وہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اسے کاٹ دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے ملایا

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' (27)

سوال: فاسقوں کی صفات کی وضاحت ﴿الَّذِيْنَ ... الْخٰسِرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) فاسقوں کی صفات ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کر کے توڑ ڈالتے ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ ''وہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں''

﴿عَهْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد (i) اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے تمام انسانوں کو کی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات بجالائیں اور اس کے روکے سے رک جائیں۔ (ii) اس سے مراد اہل کتاب سے لیا گیا عہد ہے جو نبی ﷺ کے بارے میں تھا کہ وہ آئیں تو ان کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔

(iii) اس سے مراد عہد الست بھی ہوسکتا ہے جو آدم علیہ السلام کی صلب سے نکالنے کے بعد ان کی اولاد سے لیا گیا۔

(3) نقض عہد سے مراد ہے، اس عہد کی پرواہ نہ کرنا اور عہد کو توڑ ڈالنا۔

(4) ان اہل فسق کی صفت یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنے رب سے اور دوسرے انسانوں سے کئے گئے عہد و مواثیق کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (تیسیر الرحمن: 29/1)

(5) اللہ تعالیٰ نے عہد کو پورا کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ کافر عہد کی پرواہ نہیں کرتے، ان کو توڑ ڈالتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرتے ہیں، اس کے نواہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ ان معاہدوں کا بھی پاس نہیں کرتے جو ان کے درمیان آپس میں ہوتے ہیں۔

(6) نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ﴾ ''اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا۔'' (مسند احمد)

(7) ﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ ''اور وہ اسے کاٹ دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں'' (i) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس رشتے کو جوڑنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ) ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت کریں۔ (ii) ہمارے اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان جو تعلق ہے اسے قائم کریں یعنی ان پر ایمان لائیں، ان سے محبت رکھیں، ان کی مدد کریں اور ان کے تمام حقوق ادا کریں۔ (iii) وہ تعلق جو ہمارے اور ہمارے والدین، عزیز و اقارب اور دوست احباب اور تمام مخلوق کے درمیان ہے، ان سب کے حقوق کی ادائیگی بھی اس تعلق کے جوڑنے میں شامل ہے جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

(8) اہل ایمان ان تمام رشتوں اور تعلقات کو جوڑے رکھتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا اور ان حقوق کو بہترین طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور کہتی ہے کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ تعالیٰ اس سے دور ہوگا۔'' (مسلم: 6519)

(9) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رشتہ داری توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (مسلم:6521)

(10) ﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور زمین میں فساد کرتے ہیں'' اہل فسق ان رشتوں کو توڑتے ہیں اور اپنی پیٹھ پیچھے پھینک کر ان کے تقدس کا پاس نہیں کرتے، اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، قطع رحمی سے کام لیتے ہیں اور گناہوں کے کام کرتے ہیں۔ اور یہی زمین میں فساد کرنا ہے۔ (تفسیر سعدی:96/1)

(11) ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ ان کے نصیب میں کوئی نفع نہیں کیونکہ ایمان نیک اعمال کی قبولیت کے لیے شرط ہے۔ کفر کا کوئی وزن نہیں۔ یہ خسارہ کفر کا خسارہ ہے۔

(12) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ﴿الْخٰسِرُوْنَ﴾ خاسر کی جمع ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے حصوں کو کم کر لیتے ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھا کر اپنے اصل سرمایہ ہی کو کم کر لیتا ہے۔ اسی طرح کافر و منافق کو اللہ تعالیٰ جب محروم کرتا ہے تو وہ بھی اس رحمت کو کم کر لیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اپنے بندوں کے لیے تیار فرمایا ہے، حالانکہ انہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سخت ضرورت ہوگی۔ (تفسیر طبری:267/1)

(13) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں اُن کے لیے لعنت ہے اور اُن کے لیے گھر کی خرابی ہے۔'' (الرعد:25)

(14) اس کے برعکس مومنوں کی صفات کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۹) الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ (۲۰) وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ (۲۱)﴾ ''پھر کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً آپ پر جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہی حق ہے، اس شخص جیسا ہے جو اندھا ہے؟ بلاشبہ نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ پختہ عہد نہیں توڑتے۔ اور جو اُن رشتوں کو ملاتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔'' (الرعد:19-21)

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

''تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' (28)

سوال: اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرت کے دلائل کی وضاحت ﴿كَيْفَ ... تُرْجَعُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور قدرت کی دلیل دیتے ہوئے اور اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ وہی اپنے بندوں کا خالق اور ان میں تصرف کرنے والا ہے، ارشاد فرمایا ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾ ''تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی'' تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کر سکتے ہو، تم مردہ تھے وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ ''کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟'' (الدھر:1)

(2) اس نے دنیا کی زندگی میں ہر طرح کا رزق عطا کیا۔ ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر قیامت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(3) جب اللہ تعالیٰ خالق ہے، مالک ہے، تمہاری زندگی پر تصرف کا اختیار رکھتا ہے، موت اسی کے حکم سے آتی ہے، اس کے فیصلے تم پر نافذ ہوتے ہیں، جب اسی کی تدبیر کے تحت تم زندگی بسر کرتے ہو، دنیا میں اس کے دینی احکامات اور آخرت میں اس کے احکامات جزائی کے تحت آتے ہو پھر بھی اس کا انکار کرو گے؟ کیا یہ حماقت نہیں؟ کیا مخلوق کے لیے خالق پر ایمان لانا، اس کا خوف رکھنا، اس سے امید رکھنا، اس کا شکر ادا کرنا لازم نہیں؟

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میرے لیے اولاد بتاتا ہے، میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔'' (بخاری:4482)

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، پس اس نے ان کو درست

سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾

کر کے سات آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' (29)

سوال: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کی وضاحت ﴿هُوَ الَّذِیْ ... عَلِیْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) پچھلی آیت میں انسان کے اندر پائے جانے والے دلائل کا بیان تھا اور اس آیت میں انسان کے روزمرہ مشاہدے میں آنے والے دلائل قدرت کا بیان ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے'' اس رب رحیم وکریم کا رحم وکرم ہے جس نے پیدا کیا۔ اس نے رحم کرتے ہوئے زمین کی ساری موجودات کو پیدا کیا جس میں ہمارا نفع ہے ﴿وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ﴾ ''اور اس میں اس کی غذائیں اندازے سے رکھ دیں چار دنوں میں۔'' (فصلت:10)

(2) اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام اشیاء کی اصل اباحت اور طہارت ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو ہمارے فائدے کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔ یہ اس رحیم وکریم کا رحم وکرم اور اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں خبیث چیزوں سے منع کیا تاکہ ہم پاک رہیں۔

(4) ﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ﴾ ''پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا آسمان کی طرف چڑھنا ہے۔ (بخاری قبل الحدیث:7418) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص مواقع پر آسمان دنیا پر اترنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے جس پر اسی طرح ایمان رکھنا ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کیا یا رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کی۔ (5) اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد اس کا عرش پر بلند ہونا ہے۔

(6) عرش سے مراد مخلوقات کا احاطہ کرنے والی چھت ہے۔ ہم عرش کے مادہ کے بارے کچھ نہیں جانتے۔ نبی ﷺ سے کوئی ایسی صحیح حدیث مروی نہیں ہے جس سے ہمیں اس کے بارے میں وضاحت مل سکے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے بڑا ہے۔

(7) ﴿فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ ''پس اس نے ان کو درست کر کے سات آسمان بنا دیے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا پھر انہیں مضبوط اور مستحکم کیا۔ (i) آسمان کا ایک مادی وجود ہے اور وہ حقیقت ہے، محض بلندی کو آسمان نہیں کہا۔

(ii) آسمانوں کی تعداد سات ہے۔(iii) حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان 500 سال کی مسافت ہے۔

(8)﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ''اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کلی اور جزوی علم رکھتا ہے۔

(9)(i) اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا ہے کہ جس نے سب کو پیدا کیا وہ ان سب کے بارے میں علم بھی رکھتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾ ''وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔'' (الحدید:4)

(ii) اللہ تعالیٰ نے ﴿اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ﴾ سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے ہر چیز پر حاوی ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی پیدائش سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا ہے کہ اس نے اپنے علم کی بنیاد پر آسمانوں کو ٹھیک ٹھیک بنایا۔

(10) رب العزت نے فرمایا:﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ''کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ نہایت باریک بیں، خوب باخبر ہے۔'' (الملک:14)

(11) ساری مخلوقات کو پیدا کرنا اس کے علم، حکمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا یقیناً میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں'' انہوں نے کہا:'' کیا تو زمین میں اس کو

يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ

بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' (30)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کا کیسے ذکر فرمایا، اس کی وضاحت ﴿وَإِذْ قَالَ... خَلِيفَةً﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا یقینا میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں'' اس آیت میں سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اور ان کی فضیلت کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا ارادہ کیا تو اس نے فرشتوں کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ وہ آدم علیہ السلام کو زمین کے اندر خلیفہ بنائے گا۔ (تفسیر سعدی:99/1)

(2) ملائکہ نورانی جسم رکھتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (تفسیر منیر: 135/1)

(3)﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ ضحاک نے کہا: قرآن میں جعل سے مراد خلق ہے۔ (الدر المنثور:93/1)

(4) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مٹھی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ ان میں سفید فام بھی ہیں، سرخ بھی، سیاہ فام بھی اور ان کے درمیانی رنگوں کے بھی۔ (اسی طرح) نیک اور بد، نرم خو، سخت طبیعت اور درمیانی طبیعت والے۔'' (مسند احمد:406/4)

(5) خلیفہ سے مراد دوسرے کا جانشین اور یہاں اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ (ایسر التفاسیر:27/1)

(6) خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے چلے جائیں گے۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (مختصر ابن کثیر:28/1)

(7) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا'' (الانعام:165) اور فرمایا:﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ ''پھر اُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے۔'' (مریم:59)

سوال 2: فرشتوں نے خلیفہ کی تخلیق کا ذکر سن کر جو سوال کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْٓا ... وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوْٓا﴾ ''انہوں نے کہا'' فرشتوں نے خلیفہ کی تخلیق کا ذکر سن کر سوال کیا۔

(2)﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ ''کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف سے اس قصہ کی جو روایات آئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے دو ہزار برس پہلے زمین پر جنات رہتے تھے۔ انہوں نے زمین پر طرح طرح کے فساد کیے۔ اللہ تعالیٰ

نے فرشتوں کے ایک گروہ کو جنات کی تنبیہ اور سرکوبی کے لیے بھیجا۔ان فرشتوں نے جنات کو مار کر دریا کے ٹاپوؤں اور جزیروں میں نکال دیا اب بنی آدم کی پیدائش کا حال سن کر فرشتوں نے اسی قیاس پر یہ بات کہی تھی کہ جنات کی طرح بنی آدم بھی زمین پر فساد پھیلا دیں گے۔(تفسیر ابن کثیر:70/1)(3)فرشتوں کا یہ قیاس جنوں کے اعمال کی وجہ سے تھا۔(تیسیر القرآن:17)

(4)﴿مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا﴾''جو اس میں فساد کرے گا''یعنی جو گناہوں کا ارتکاب کر کے زمین میں فساد پھیلائے گا۔

(i)فساد فی الارض سے مراد فکری فساد ہے یعنی شرک اور کفر فساد ہے۔اسی کی وجہ سے باقی سارے فسادات جنم لیتے ہیں۔

(ii)زمین کی اصلاح یہ ہے کہ سب انسان ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

(5)﴿وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾''اور خون بہائے گا''یعنی قتل وغارت گری کر کے زمین میں فساد پھیلائے گا۔

(6)﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾''اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں''ہم ایسی تنزیہہ کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری حمد اور جلال کے لائق ہے۔(تفسیر سعدی:100/1)

(7)﴿وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾''اور آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں''ہم اپنے آپ کو تیرے لیے پاک کرتے ہیں، یعنی ہم تیری محبت، تیری خشیت اور تیری تعظیم کے ذریعے سے پاک کرتے ہیں۔

(8)فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سے دیئے گئے احکامات کی بجا آوری میں تیزی سے گردش کر رہے ہیں اور مسلسل اطاعت کر رہے ہیں۔

(9)فرشتوں کی یہ بات بطور اعتراض کے یا حسد کے نہ تھی کیونکہ فرشتے معصوم ہیں، بلکہ جب اللہ نے انہیں ایک نئی مخلوق پیدا کرنے کی خبر دی اور انہیں قرینے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ مخلوق خونریز ہو گی تو اس وقت انہوں نے رب کی مصلحت معلوم کرنے کے لیے یہ سوال اٹھایا تھا تاکہ وہ راز کھل جائے جواب تک ان کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔پس ادب واحترام سے درخواست کی کہ اے رب ایسی مخلوق پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اگر عبادت کی مصلحت ہے تو ہم دن رات تسبیح وتہلیل، تعریف و توصیف اور تقدیس وتنزیہ میں مصروف رہتے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمیں فساد وخونریزی سے بھی نفرت ہے۔پھر ایسی نئی مخلوق کیوں پیدا کی جا رہی ہے جن میں انسان نما درندے بھی ہوں گے۔ہماری عبادت کافی نہیں؟(السراج المنیر:28/1)

سوال3:اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سوال کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... تَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

(2)﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾''بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''یعنی میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء،

صلحاء اور زہاد بھی ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو بھی علم غیب نہیں ہے۔ (تیسیر القرآن:17)

(3) یعنی میں اس کی تخلیق اور اس کی ذریت کی تخلیق کی حکمت کو جانتا ہوں، اس کی نسل میں انبیاء اور فضلاء بھی ہوں گے جو زمین کی اصلاح کریں گے، فساد نہیں کریں گے۔ (واضح المیسر :18)

(4) اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر اختیار پا کر بہت سے لوگ بگڑیں گے تو ایک معقول تعداد ان لوگوں کی بھی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے مقام کو پہچانیں گے اور بغیر دباؤ کے اطاعت کا طریقہ اختیار کریں گے۔ اگرچہ یہ تعداد میں کم ہوں گے لیکن ہیروں کی طرح قیمتی ہوں گے اور قیمتی ہیروں کے لیے کوئلے کی کانوں کو بڑھنے پھیلنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔

(5) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے آگے پیچھے زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں، کچھ فرشتے رات کے ہیں اور کچھ دن کے اور یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو تمہارے یہاں رات میں رہے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے .... حالانکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جب ہم نے انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور اسی طرح جب ہم ان کے یہاں گئے تھے، جب بھی وہ (عصر) کی نماز پڑھ رہے تھے۔'' (بخاری:3223)

گویا فرشتوں کو اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ جس مخلوق کی پیدائش کی حکمت کی تمہیں جستجو تھی اس میں یہ حکمت تھی جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے ہو۔ (السراج المنیر :28/1)

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سارے کے سارے نام سکھا دیئے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: ''اگر تم سچے ہو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ'' (31)

سوال: سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو فضیلت دی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَعَلَّمَ ... صٰدِقِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے فرشتوں پر شرف کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں اس خصوصیت سے نوازا کہ تمام چیزوں کے نام سکھا دیے مگر فرشتوں کو نہ سکھائے۔ اس کا تعلق فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کے بعد سے ہے لیکن موقع و محل کی مناسبت کی وجہ سے اسے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کو علم نہ تھا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے اور انہوں نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ تو اس

واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے فرمایا ہے تا کہ فرشتوں کے سامنے آدم کے شرف کو بیان فرمادے کہ آدم کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (المصباح المنیر :175/1)

(2)﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سارے کے سارے نام سکھا دیئے'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو فضیلت دی۔ انہیں تمام چیزوں کے نام اور ان کا علم عطا فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو اپنے القاء اور الہام کے ذریعے اسماء کا علم عطا فرمایا۔ یہ چیزوں کے ناموں، ان کی خاصیتوں اور فوائد کا علم تھا۔

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کہ کیا ہی اچھا ہو اگر ہم کسی سے اپنے رب کے پاس سفارش کروائیں تو وہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔'' (بخاری:4476)

(4)﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ''پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا'' اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو جن کے نام سیدنا آدم علیہ السلام کو سکھا دیے تھے فرشتوں کو آزمانے کے لیے ان کے سامنے پیش کیا کہ ان کو پہچانتے ہیں یا نہیں۔

(5)﴿فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے گمان میں سچے ہو کہ تم اس خلیفہ سے افضل ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

''انہوں نے کہا: ''آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں، یقیناً آپ ہی

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (32)

سوال 1: فرشتوں کے جواب کی وضاحت ﴿قَالُوْا ... الْحَكِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ ''انہوں نے کہا: آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں'' فرشتوں نے اپنی کم علمی کا اعتراف کیا اور جواب دیا کہ آپ نے ہمیں جتنی بات بتادی ہم اتنا ہی جانتے ہیں، ساری حقیقتوں کو جاننے والی اور حکمت والی تو آپ ہی کی ذات ہے۔

(2) فرشتوں پر جب علم کی اہمیت اور حکمت واضح ہوئی تو انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔

(3)فرشتوں نے کہا: پاک ہے آپ کی ذات ہمیں کسی بھی لحاظ سے کوئی علم نہیں مگر جتنا علم آپ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے عطا کیا۔(4)اس سارے واقعے سے علم کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔(تیسیر القرآن:17)

(5)فرشتوں کے اعتراف سے یہ واضح ہوگیا کہ:(i)غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

(ii)اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔

(6)﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ﴾''یقینا آپ ہی سب کچھ جاننے والے''اللہ تعالیٰ العلیم ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر یا پوشیدہ نہیں ہے۔ذرے سے بڑی یا اس سے چھوٹی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

(7)﴿الْحَكِيْمُ﴾''کمال حکمت والے ہیں''اللہ تعالیٰ الحکیم ہے اس نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو حکمت سے خالی ہو۔اس نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو حکمت سے خالی ہو۔مخلوق میں سے کوئی اس کی حکمت سے باہر نہیں۔وہ کمال حکمت والا ہے۔

(8)اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کو علم الاسماء دینے کا فیصلہ کیا جب کہ فرشتوں کو اس سے محروم رکھا۔حکمت کسی چیز کو اس مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں جس کے وہ لائق ہو۔فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا اقرار کیا اور اس کا اعتراف کیا کہ وہ کسی بھی چیز کے علم سے قاصر ہیں مگر جتنا کچھ وہ رب سکھادے۔

سوال2:فرشتوں نے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔تسبیح کی فضیلت واضح کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کو تسبیح نہایت محبوب ہے۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں تمہیں وہ کلام نہ بتلاؤں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔''میں نے عرض کیا:یا رسول اللہ! مجھے وہ کلام بتلایئے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلام یہ ہے:﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾''اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے۔''(مسلم:6926)

(2)رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا:کون سا کلام افضل ہے؟فرمایا:''جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند فرمایا:﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾''اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے۔''(مسلم:6925)

(3)سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کرنے کے لیے کہا:﴿سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾''تو پاک ہے، میں نے تجھ سے توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلا ہوں۔''(الاعراف:143)

(4)سیدنا یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی۔﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾''آپ کے سوا کوئی معبود نہیں،آپ پاک ہیں،یقینا میں ہی ظالموں میں سے تھا۔''(الانبیاء:87)

(5) نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو کلمے زبان پر بہت ہلکے میزان پر بہت بھاری، رحمان کو بہت محبوب ہیں ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی (تمام عیوب ونقائص) سے پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف وتحمید کرتا ہوں۔ بے شک وہ باعظمت اللہ تعالیٰ (تمام عیوب ونقائص سے) پاک ہے۔'' (بخاری:7563)

﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم! انہیں ان کے نام بتادو'' تو جب اس نے انہیں ان کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو

وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾

اور جو تم چھپاتے تھے'' (33)

سوال: فرشتوں پر سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت کیسے ظاہر ہوئی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ ... تَكْتُمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم! انہیں ان کے نام بتادو'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ جب وہ اشیاء کے نام بتانے سے قاصر رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کی تخلیق کی حکمت واضح کرنے کے لیے سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمایا: انہیں ان چیزوں کے نام بتادو۔

(2) ﴿فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ ''تو جب اس نے انہیں ان کے نام بتادیئے'' جب سیدنا آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان ناموں سے آگاہ کردیا تو ان پر سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوگئی اور خلیفہ بنانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا کامل علم ثابت ہوگیا۔ (3) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر دنیا کا نظام چلانے کے لئے علم کی اہمیت اور فضیلت واضح کردی۔

(4) ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں'' غیب سے مراد چھپی ہوئی چیزوں کا علم ہے۔ جب وہ غیب کا علم رکھتا ہے تو حاضر کو تو بخوبی جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى﴾ ''اگر چہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔'' (طٰہٰ:7) ﴿اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ ''یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین میں سے پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ جانتا ہے۔'' (النمل:25)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو کوئی کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے تھے تو غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود کہتا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ (بخاری:7380)

(6) ﴿وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ ''اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے'' کوئی مخلوق ایسی نہیں جو چھپے ہوئے راز جان سکے۔ سینے بھی راز چھپاتے ہیں۔ یہاں مراد ہے کہ انسانوں کے سینوں میں چھپے ہوئے راز اور فرشتوں کے اندر چھپے ہوئے راز بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مخفی چیزوں کو بھی اسی طرح جانتا ہوں جس طرح ظاہر چیزوں کو جانتا ہوں یعنی مجھے اس کبر و غرور کا بھی علم ہے جسے ابلیس نے اپنے دل میں چھپایا ہوا ہے۔ (تفسیر طبری:318/1)

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

اور وہ کافروں میں سے ہو گیا'' (34)

سوال 1: فرشتوں کو سیدنا آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ قُلْنَا ... مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم پر اپنا عظیم احسان بیان فرمایا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو ان کے اکرام، تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اظہار کے لیے سجدہ کریں۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ ''پھر جب میں اُسے پورا بنا دوں اور اپنی روح سے اُس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔'' (الحجر:29)

(2) یہ سجدہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے کے مترادف ہوا یہ سجدہ تعظیم کے لیے تھا جو کہ

پہلے جائز تھا اب ممنوع ہے۔(تیسیر القرآن:17)

(3)اسلامی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، تعظیم کے طور پر بھی جائز نہیں۔

(4)﴿فَسَجَدُوْٓا﴾''تو انہوں نے سجدہ کیا''فرشتوں نے حکم کی اطاعت کی اور اسی وقت سجدہ میں گر گئے۔

(5)﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾''مگر ابلیس نے ''سوائے ابلیس کے۔اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(6)ابلیس فرشتوں میں شامل کر دیا گیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے بھی سجدہ کرنا ضروری ہو گیا۔

(7)ابلیس اور فرشتے الگ الگ مخلوقات ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے۔''(صحیح:458)

(8)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا ایک طرف چلا جاتا ہے اور کہتا ہے خرابی ہو اس کی یا میری، آدمی کو سجدہ کا حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا، اب اس کو جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا، میں نے انکار کیا یا نافرمانی کی میرے لئے جہنم ہے۔''(مسلم:81)

(9)﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾''اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا''اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، تکبر کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔اس نے تکبر سے کہا:﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾''کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟''(بنی اسرائیل:61)

(10)ابلیس نے حسد اور تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

(11)سیدنا قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔''(تفسیر ابن کثیر:117/1)

(12)اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام سے اس کی دشمنی باہر آ گئی اور اس کا کفر اور تکبر ظاہر ہو گیا۔

(13)﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''(الکہف:50)

(14)ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے انکار کی وجہ سے دھتکار دیا۔جنوں میں سے ہونے کے باوجود عبادت و ریاضت سے فرشتوں میں گھلا ملا رہتا تھا مگر اس تکبر نے آناً فاناً اسے کافروں کی صف میں کھڑا کر دیا۔(تیسیر القرآن:17)

سوال 2:انسان میں تکبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب:(1)اپنی ذات کی بڑائی کے احساس کو تکبر کہتے ہیں۔

(2)انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی ذات کی بڑائی میں مبتلا ہو جائے اور کسی کام کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ کرنے سے میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔

(3)سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں؟''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:جی ہاں!ضرور فرمایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''ہر جاہل، اکھڑ مزاج،تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔''(مسلم:7187)

(4)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا:میں بادشاہ ہوں،زور والے(جابر)بادشاہ کہاں ہیں؟تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا:میں بادشاہ ہوں،زور والے(جابر)بادشاہ کہاں ہیں؟تکبر والے کہاں ہیں؟''(مسلم:7051)

(5)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رتی برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا۔''ایک شخص بولا:ہر ایک آدمی چاہتا ہے اس کا جوتا اچھا ہو اور کپڑے اچھے ہوں(اوروں سے تو کیا یہ بھی غرور اور گھمنڈ ہے) آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ جمیل ہے،جمال کو دوست رکھتا ہے۔غرور گھمنڈ یہ ہے کہ انسان حق کو ناحق کرے(یعنی اپنی بات کی پچ یا نفسانیت سے ایک بات واجبی ہو اور صحیح ہو اس کو رد کرے اور نہ مانے) اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''(مسلم:91)

سوال3:انسان کے لیے دنیا میں دو ممکنہ راستے کون سے ہیں؟

جواب:(1)انسان کے لیے ایک راستہ فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے آگے جھک جانا ہے خواہ اس کے لیے اپنے سے بظاہر کم تر فرد کی بات ماننی پڑے۔یہ ملکوتی رویہ ہے۔

(2)انسان کے لیے دوسرا راستہ ابلیس کی طرح اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کے آگے جھکنے سے انکار کر دینا۔اس سے تکبر کی آگ بھڑکتی نظر آتی ہے۔یہ شیطانی رویہ ہے۔

سوال4:اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ اٹھتا ہے،اس کے لیے پھر اسی طرح امتحان کے حالات کیسے پیدا ہو جاتے ہیں؟

جواب: حق کی دعوت دینے والا بھی سیدنا آدم علیہ السلام کی طرح ہے جس کے سامنے سب لوگوں کو جھک جانا چاہیے مگر تکبر اور تعصب کی وجہ سے جو لوگ حق کی دعوت قبول نہیں کرتے، وہ ابلیس کی پیروی کرتے ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا وہ صرف حق سے ہی محروم نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی محروم ہو گیا۔

﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا

''اور ہم نے کہا: ''اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو دونوں خوب کھاؤ اور اس

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے'' (35)

سوال 1: سیدنا آدم علیہ السلام کو جو دوسری فضیلت دی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَقُلْنَا ... شِئْتُمَا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا انہیں فضیلت عطا فرمائی پھر ان میں سے ان کی بیوی سیدہ حوا علیہا السلام کو پیدا کر کے اپنی نعمت ان پر پوری کر دی تا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس سکون حاصل کریں۔ پھر انہیں دوسری فضیلت یہ دی کہ انہیں جنت میں بسا دیا اور حکم دیا جہاں سے چاہو پھل اور میوے کھاؤ۔

(2) ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے سے پہلے حوا پیدا ہوئی ہیں اور پھر دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا ہے لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ پہلے تن تنہا سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام جنت میں رہتے تھے مگر تنہائی کے سبب سے اکثر گھبرایا کرتے تھے۔ ایک دن سیدنا آدم علیہ السلام جب سو رہے تھے تو ان کی نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سیدہ حوا علیہا السلام کو سیدنا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: 79/1)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہتر ان دنوں میں، جن میں سورج نکلتا ہے جمعہ کا دن ہے کہ اسی میں سیدنا آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں گئے اور اسی میں وہاں سے نکلے۔'' (مسلم: 854)

(4) ﴿وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ ''اور جہاں سے چاہو دونوں خوب کھاؤ'' انہیں بافراغت ہر پھل کھانے کی اجازت دی گئی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا

تَضْحٰى(۱۱۹)﴾ ''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے۔ اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔'' (طٰہٰ:119,118)

سوال 2: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو درخت کے پاس نہ جانے کا جو حکم دیا گیا، اس کی وضاحت ﴿وَلَا تَقْرَبَا ... مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ''اور اس درخت کے قریب نہ جانا'' سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو آزمائش کے لیے یا کسی حکمت کے تحت اس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں۔

(2) اس درخت کے بارے میں کوئی وضاحت قرآن وحدیث سے نہیں ملتی اور نہ ہی ہمیں اس بارے میں معلوم کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔

(3) ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے'' یعنی تم بے انصاف لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو ایک خاص درخت کے قریب جانے سے روکا تھا یہ نہی تحریم کے لیے ہے کیونکہ اس ممانعت پر عمل نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ظلم قرار دیا ہے۔

(4) ظلم سے مراد ہے کسی حق دار کو اس کا حق نہ دینا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اس طرح ظالم ہیں کہ (i) اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے۔ اگر نافرمانی کی تو گویا اللہ تعالیٰ کو اس کا حق نہ دیا۔ (ii) تمام اعضاء، اشیاء اور نعمتوں کا حق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے لیے لگایا جائے تو دراصل نافرمانی کر کے ان کو ان کا حق نہ دیا۔

(iii) اپنی ذات کا حق ہے کہ اسے تباہی سے بچایا جائے تو نافرمانی کر کے گویا اپنی ذات کو سزا کا مستحق ٹھہرایا اور اپنی ذات پر ظلم کیا۔

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

''تو شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا، چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے حکم دیا: ''تم

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾

سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے'' (36)

سوال 1: شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو کس طرح بہکایا تھا، اس کی وضاحت ﴿فَاَزَلَّهُمَا ... حِيْنٍ﴾

کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ ''تو شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا'' امام راغب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی بغیر قصد وارادہ کے پاؤں کی لغزش۔ (مفردات القرآن) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کا خیال ہے کہ شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام کو براہ راست اور روبرو جا کر بہکایا۔ (تیسیر الرحمن:35/1)

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (۲۰) وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ ''پھر شیطان نے اُن دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا تا کہ وہ اُن دونوں کے لیے ظاہر کر دے اُن دونوں کی شرم گاہوں سے جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا، اور اس نے کہا: ''تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں: ''بلاشبہ میں تم دونوں کے لئے یقیناً خیر خواہوں میں سے ہوں۔'' (الاعراف:21,20)

(3) شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام دونوں کو درخت کا پھل کھانے کے لیے اس کی کشش دلائی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے خوب صورت ترغیبات دلائیں، دوست کے روپ میں دل میں وسوسے ڈالے، امیدیں دلائیں اور یوں بہکا کر اپنے جال میں پھنسا کر جنت سے نکلوا دیا۔

(4) سیدنا آدم علیہ السلام شیطان کے جھانسے میں آ گئے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ ''اور اس سے پہلے آدم کو ہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی۔'' (طٰہٰ:115)

(5) انسان کے بھٹکنے کا آغاز ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان شیطان کے بہکاوے میں آ جاتا ہے اور اس حد میں قدم رکھ دیتا ہے جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ وہ اسے ہمیشہ کی زندگی اور لازوال سلطنت کا لالچ دیتا ہے۔ آج بھی شیطان انسان کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے یہی حربہ استعمال کرتا ہے۔

(6)﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ ''چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے'' شیطان نے انہیں جنت سے دنیا کی بدبختیوں کی طرف نکلوا دیا اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلوا دیا۔ (البحر المحیط:262/1)

(7)﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا﴾ ''اور ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ'' جب آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام بھول گئے انہوں نے

ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتوں بھری جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور انہیں دکھوں، تکلیفوں اور سخت مشقت کے لیے زمین پر اتار دیا گیا۔

(8)﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ''تم ایک دوسرے کے دشمن ہو'' یعنی ابلیس اور اس کی اولاد، سیدنا آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمن ہے۔(9) دشمن اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو ہر بھلائی سے محروم کرنے کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔

(10) اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو شیطان کی دشمنی سے ڈرایا ہے۔﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم دشمن بنالو اسے، یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہو جائیں۔'' (فاطر:6)

(11)﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ ''اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے'' اللہ تعالیٰ نے زمین میں اتارے جانے کا مقصد واضح فرمایا کہ زمین میں تمہارا ٹھکانہ ہوگا﴿وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہوگا پھر تم اس گھر میں واپس آجاؤ گے جس کے لیے تمہیں اور جسے تمہاری خاطر پیدا کیا گیا۔

(12) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی عارضی ہے، خاص مدت تک کے لیے ہے۔ یہ خاص وقت انسان کے لیے اس کی زندگی ہے اور ساری کائنات کے لیے قیامت تک کا وقت ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے ابلیس کی دشمنی کی حقیقت کیسے واضح کی؟

جواب: (1) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور تمہارے دل میں پہلے تو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں بات یہاں تک پہنچاتا ہے کہ خود تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کو ایسا وسوسہ آئے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور شیطانی خیال کو چھوڑ دے۔'' (بخاری:3276)

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک زوجہ رضی اللہ عنہا تھیں کہ آپ ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا، وہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے فلاں! یہ میری فلاں بیوی ہے'' اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کون ہوتا ہوں کہ میں ایسا گمان کروں اور نہ ہی میں نے آپ ﷺ کے بارے میں ایسا گمان کیا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔'' (مسلم:5678)

سوال 3: شیطان انسان کا آج بھی دشمن ہے، اس کی دشمنی کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام کو ورغلایا اور انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔شیطان کی یہ دشمنی آج بھی جاری ہے۔وہ انسان کو ورغلاتا ہے تا کہ انسان اس حد کے اندر قدم رکھ دے جس میں جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔اس کے لیے وہ انسان کی ذہن سازی کرتا ہے، برائی کو خوش نما بنا کر دکھاتا ہے، یقین دہانی کرواتا ہے کہ اس برائی کے نتیجے میں لوگوں کی نظروں میں مقام ملے گا، وہ دنیا میں رہنے کے لیے برائی کو ناگزیر بنا کر دکھاتا ہے۔انسان کو یہ محسوس کرواتا ہے کہ اگر اس برائی کو چھوڑ دیا تو جینا ممکن نہیں رہے گا پھر انسان برائی کر لیتا ہے۔انسان کے بھٹکنے کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے پھر انسان اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔انسان کے لیے اپنی غلطی سے پلٹ آنے، توبہ کرنے کا موقع موجود ہوتا ہے لیکن شیطان ورغلاتا ہے کہ تمہاری توبہ کب سنی جائے گی۔یوں انسان آہستہ آہستہ دعا مانگنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔انسان کے لیے پھر نیکیاں کرنا مشکل اور گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔یہی شیطان کا مشن ہے، یہی اس کی دشمنی ہے، یہ دشمنی آج بھی جاری ہے۔

(2) یہ قوت ارادہ ہے جو رب سے ملا سکتی ہے، جو جنت لے جا سکتی ہے اور شیطان کا وار اسی ارادے پر ہوتا ہے۔ابلیس چاہتا ہے کہ انسان بھلا ارادہ نہ کر پائے کیونکہ اگر انسان بھلائی کا ارادہ کر لے گا تو اس کو پورا کر جائے گا۔ابلیس اس ارادے کو وائرس لگاتا ہے اور اسے کمزور کرنے کی کوششیں کرتا ہے۔

(3) آج آدم کا ہر بچہ اسی تکلیف میں ہے، وہ بھول جاتا ہے، نافرمانی کرتا ہے اور بھٹک جاتا ہے۔اس لیے جو بھٹکنے سے بچنا چاہتا ہے اس کو بھولنا نہیں چاہیے اور انسان کے پاس یاد رکھنے کا واحد طریقہ مسلسل نصیحت اور علم ہے۔

سوال 4: سیدنا آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان جس کشمکش کا آغاز ہوا وہ آج بھی جاری ہے۔اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: اس کشمکش کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اور شیطان کے درمیان جو جنگ جاری ہے وہ انسان کے ضمیر اور اس کے دل و دماغ کے میدانوں میں لڑی جا رہی ہے۔پختہ ارادے اور سچا علم رکھنے والے افراد اس میں کامیاب ہوتے ہیں اور جو انسان اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے اس پر شیطان غالب آ جاتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کے درمیان کھڑا کیا۔سجدے کے حکم سے کشمکش کا آغاز ہوا۔حق کی دعوت دینے والا بھی ایک آدم ہوتا ہے جس کے سامنے انسانوں نے جھکنا ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنے تکبر یا حسد کی وجہ سے نہ جھکیں تو اس طرح وہ ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کشمکش کا آغاز ہو جاتا ہے۔انکار صرف انکار نہیں رہتا۔انکار پھر مخالفت میں، مخالفت رکاوٹ میں اور رکاوٹیں انتقام میں بدل جاتی ہیں۔پھر ہجرتیں ہوتی ہیں، پھر جہاد ہوتا ہے اور آج بھی یہ کشمکش جاری ہے۔

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

''پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ قبول کر لی،

﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

یقیناوہی بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' (37)

سوال 1: غلطی کرنے کے بعد سیدنا آدم علیہ السلام کا رویہ کیسا تھا، اس کی وضاحت ﴿فَتَلَقّٰٓى ... التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) غلطی کرنے کے بعد سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی کا اظہار کیا اور توبہ واستغفار کی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ ''پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے'' سیدنا آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو رب کریم نے اپنی رحمت سے انہیں کچھ کلمات سکھا دیے۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے انہیں سیکھا اور یاد کر لیا۔

(2) یہ کلمات انہیں الہام کیے گئے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سكته وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''ان دونوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف:23)

(3) سیدنا آدم علیہ السلام نے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کیا۔

(4) ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ قبول کر لی'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی اور ان پر رحم فرمایا۔ جو توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(5) بندے کی طرف سے توبہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی پر شرمندہ ہو کر نافرمانی سے باز آجائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے لوٹے اور فرماں برداری کا رویہ اپنائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے شرمسار بندے کی طرف رحمت سے متوجہ ہو جائے۔

(6) توبہ میں تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو جو گناہ ہو گیا ہے اس پر سچے دل سے نادم اور پشیمان ہونا۔ دوسرے توبہ کے وقت دل میں خوب یہ ٹھان لینا کہ آئندہ اس سے باز رہوں گا۔ تیسرے توبہ کے بعد دل میں گناہ سے ایک نفرت کا پیدا ہو جانا۔ (احسن التفاسیر:1/ 82)

(7) ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ﴾ ''یقیناوہی بے حد توبہ قبول کرنے والا'' اللہ تعالیٰ التواب ہے وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا

ہے۔اپنے بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔(i) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔
(ii) پھر جب توبہ کی تمام شرائط پوری ہوجاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔(تفسیر سعدی:104/1)

(8) اگر بندہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی گناہ لے کر آئے تو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔

(9) ﴿اَلرَّحِيْمُ﴾ ''نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں مسلسل رحمت کرنے والا ہے۔

(10) انسان مسلسل غلطیاں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلسل معاف فرماتا ہے۔رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات قبول کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (التوبہ:104)

(11) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور جو شخص کوئی بُرائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کی درخواست کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا پائے گا۔'' (النساء:110)

سوال 2: سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اس واقعے سے ہمیں کئی ایک سبق حاصل ہوتے ہیں: (1) انسان ''منع کیے ہوئے پھل'' (کام) کو کھاتے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد اور جنت کے حق سے محروم ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے کل سیدنا آدم علیہ السلام کو پھل کھانے سے منع کیا تھا اور آج بھی وہی صورت حال ہے۔جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز آنا ہے۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

(2) نافرمانیوں پر توبہ کرنے سے جنت کے حق سے محرومی کی تلافی ہوسکتی ہے۔رب کی طرف لوٹنے کا راستہ کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر کثرت سے توبہ کرنی ہے۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

سوال 3: سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کے بارے میں غلط عقیدہ کیا ہے؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کے بارے میں غلط عقیدہ ایک گھڑی ہوئی (موضوع) روایت کی بنیاد پر ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ لکھا ہوا دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی تو دعا قبول ہوگئی۔یہ روایت گھڑی ہوئی ہے، قرآن حکیم کے مخالف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے کسی وسیلے کے بغیر براہ راست دعا کیا کرتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا مانگنے کا براہ راست طریقہ سکھایا ہے۔

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

''ہم نے کہا: ''تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس واقعی کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

کرے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' (38)

سوال: سیدنا آدم علیہ السلام کو دوبارہ جنت حاصل کرنے کی کیا تدبیر بتائی گئی، اس کی وضاحت ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا .. يَحْزَنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جنت سے نکالتے وقت جن باتوں سے سیدنا آدم علیہ السلام، سیدہ حوا علیہا السلام اور شیطان کو چوکنا کیا گیا تھا ان کی خبر دی جارہی ہے کہ تمہارے پاس کتابیں اور رسول بھیجے جائیں گے، انبیاء کے ہاتھوں پر معجزے ظاہر کیے جائیں گے اور دلائل و براہین سے سیدھی راہ کھول کھول کر بتائی جائے گی۔ اسے اختیار کرنے سے پھر جنت مل جائے گی۔ (السراج المنیر: 33/1)

(2) ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ ''ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ'' زمین میں اتارے جانے کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے تاکہ اس حکم پر عمل پیرا ہوا جائے جس کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر کے گناہ معاف کر دیا مگر جنت سے اخراج کا حکم بحال رکھا۔ سب کے اخراج سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام، سیدہ حوا علیہا السلام اور ابلیس ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنا کچھ گناہ کے کفارہ کے طور پر نہ تھا بلکہ ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ ''یقیناً میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔'' (البقرۃ:30) کے تحت قضائے الٰہی تھا۔ اس سے عیسائیوں کے اعتقاد کا رد ہوا جو یہ کہتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ گناہ نوع انسانی میں نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس کے لیے سولی چڑھ گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بتادیا کہ ہم نے معاف کر دیا۔ دنیا میں آنا گناہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا ہی زمین کے لیے کیا تھا۔ (تیسیر القرآن:18)

(4) ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾ ''پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس واقعی کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا'' اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے یعنی میرے رسول آئیں، میری طرف سے کسی وقت اور کسی دور میں راہ نمائی پہنچے جو میرے تقرب کی طرف راہ نمائی کرے، میری رضا کے قریب کرے، تو جو میرے رسولوں اور میری کتابوں پر ایمان لائے، میرے اوامر و نواہی کی پابندی کرے تو اس کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔

(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے

ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔'' (مؤطا امام مالک:24) یہ دو چیزیں ہیں جو انسان کو بچا سکتی ہیں۔

(6)﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' ہدایت پانے والے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتے اور جو چھوٹ جائے اس پر غم نہیں کرتے۔

(7) یہاں خوف کا تعلق آخرت سے ہے کہ آخرت میں ایمان والوں کو، اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلنے والوں کو خوف نہیں ہو گا۔ ''وہ غمگین نہیں ہوں گے'' سے مراد ہے کہ انہیں دنیا چھوڑنے کا کوئی غم نہ ہوگا۔

(8) رب العزت کا فرمان ہے:﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ ''انہیں بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کے استقبال کو آئیں گے یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔'' (الانبیاء:103)

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ع 4 10 4

''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' (39)

سوال: اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار اور تکذیب کا کیا انجام ہے، اس کی وضاحت ﴿وَالَّذِيْنَ ... خٰلِدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور تکذیب کرنے والوں کا انجام یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ رب العزت نے فرمایا:

(2)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا'' جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی نہ کی، انکار کیا، جھٹلایا، اس کے لیے رب العالمین کا اعلان ہے:﴿اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ''وہی لوگ آگ والے ہیں'' یعنی وہ جہنم والے ہیں۔ جہنم ان کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔

(3)﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' وہ جہنم سے کبھی باہر نہ نکلیں گے نہ کبھی عذاب کم ہوگا نہ مدد پہنچے گی۔

(4) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور اسے جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ کر ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک

آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمہیں اب موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! تمہیں بھی اب موت نہیں آئے گی۔اس بات سے جنتی اور زیادہ خوش ہو جائیں گے اور جہنمی اور زیادہ غمگین ہو جائیں گے۔'' (بخاری:6544)

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور تم میرے عہد کو پورا کرو،

بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾

میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو'' (40)

سوال 1: بنی اسرائیل کو قبول اسلام کی دعوت کیسے دی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿يٰبَنِيْٓ ... فَارْهَبُوْنِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اے بنی اسرائیل!'' اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اسلام میں داخل ہونے اور نبی ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے فرماں بردار اور نیک بندے کے بیٹو! تم بھی حق کی پیروی کرنے میں اپنے باپ کی طرح ہو جاؤ۔نیک لوگوں کی اولاد کو نیک ہی ہونا چاہئے۔اگر سخیوں کی اولاد سخی اور عالموں کی اولاد عالم نہ ہو تو کتنی حسرت کی بات ہے۔تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب آ گئی ہے اس کا انکار نہ کرو۔اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنا نبیوں کی اولاد کے لائق نہیں۔اس پر ایمان لے آؤ اور اپنا عہد پورا کرو۔

(2) اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے۔اس خطاب میں بعد میں آنے والے اسرائیلی بھی شامل ہیں۔ (تفسیر سعدی:106/1)

(3) ''اسرائیل'' کا مطلب ہے عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ۔''اسرائیل'' سیدنا یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔یہود کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ان سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔بنی اسرائیل کنعان میں آباد تھے۔سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے سیدنا یوسف علیہ السلام کے مصر پہنچنے کے بعد ان کے اہل خاندان وہاں پہنچے۔بنی اسرائیل میں کثیر تعداد میں نبی آئے مثلاً سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا یحییٰ علیہ السلام، سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا زکریا علیہ السلام وغیرہ۔ بنی اسرائیل میں تورات، زبور اور انجیل تین کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں۔

(4) مدینہ میں ان کے گزشتہ علم وفضل کی بنا پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بے انتہا احسانات کیے تھے۔ (تیسیر القرآن:18)

(5) ﴿اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ﴾ ''یاد کرو میری اس نعمت کو'' یہاں نعمتوں کے یاد کرنے سے مراد دل میں نعمتوں کا اعتراف کرنا، زبان سے ان کی تعریف کرنا اور جوارح کے ذریعے سے ان نعمتوں کو ایسی جگہ استعمال کرنا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:106/1)

(6) ﴿الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ ''جو میں نے تمہیں عطا کی تھی'' اللہ تعالیٰ نے ان پر دین ودنیا کی راہ نمائی اور کامیابی کے راستے کھولے اور ان کو دوسروں کی راہ نمائی کا فریضہ سونپا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی شریعت عطا کی تھی۔

رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔'' (المائدہ:20)

(7) بنی اسرائیل کو انعام اس لئے یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ ان میں سے جو بھلائی کا مادہ رکھتے ہوں وہ حق کو قبول کر سکیں اور نبی ﷺ کا ساتھ دیں تو ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو۔

(8) امت مسلمہ کے لیے بنی اسرائیل کے واقعات کو جاننا اس لیے ضروری ہے تاکہ امت اس زوال سے بچ سکے جس کا پہلے انبیاء علیہم السلام کی قومیں شکار ہو گئی تھیں۔ یہودیوں کے عقیدے کی خرابی اور رویوں کی خرابی کو سامنے رکھا جائے تاکہ مسلمان اس کردار کے انسان بننے سے بچ سکیں۔

(9) انعام یاد دلانے کے بعد رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ﴾ ''اور تم میرے عہد کو پورا کرو'' وہ عہد یہ تھا کہ تم تورات کے احکامات کی پابندی کرو گے اور نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ گے۔ (تیسیر القرآن:18)

(10) یعنی وہ اس عہد کو پورا کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا ہے کہ وہ اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور اس کی شریعت کو قائم کریں گے۔ (تفسیر سعدی:106/1)

(11) کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ عہد یہ ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے

سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے۔'' (آل عمران:187)

(12)﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ کو سردار مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں بلاشبہ تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کو قوت دی اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا تو میں ضرور بہ ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں ضرور بہ ضرور جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد بھی تم میں سے جس نے کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔'' (المائدہ:12) بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ میں نے جو ہدایات دی ہیں ان کو مضبوطی سے تھام لو اور انہیں یاد رکھو۔

(13) بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا کہ میں بنی اسرائیل میں ایک نبی امی بھیجوں گا۔ جو تم میں سے اس کی اتباع کرے گا تو میں اس کے گناہ معاف کردوں گا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۵۶) اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (۱۵۷)﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں اپنا عذاب جسے چاہتا ہوں اس کو پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، سو اسے میں جلد ہی ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امّی نبی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' (الاعراف:157,156)

(14)﴿اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ ''میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا'' بندوں سے اللہ تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر احکام اسلام کے پابند ہو جائیں اللہ تعالیٰ خوش ہو کر انہیں جنت میں بھیج دے گا۔ (مختصر ابن کثیر:34/1)

(15) بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے عہد کیا تھا کہ میں تمہیں جہان والوں پر فضیلت عطا کروں گا۔

(16)﴿وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ ''اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو'' میرے غیر سے نہیں صرف مجھ سے ڈرو۔ (صفوۃ التفاسیر:46/1)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ مجھ سے ڈرو کہ میں تمہیں بھی اس قسم کے عذابوں میں مبتلا نہ کر دوں جس طرح کے عذابوں میں قبل ازیں تمہارے آباؤ اجداد کو مبتلا کیا تھا اور مسخ وغیرہ کے عذابوں کو تم خوب جانتے ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:96/1)

(17) اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا جو وفائے عہد کے حامل ہیں یعنی اس اکیلے سے خوف کھانا اور ڈرنا کیونکہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے تو یہ ڈر اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کا موجب بنتا ہے۔

(تفسیر سعدی:107/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے خوف کے کیا فوائد ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے آئیڈیل شخصیت وجود میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ایک انسان دوسروں کے حقوق ادا کرنے والا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ایک انسان دنیا میں اپنے مقصد زندگی کو Achieve کر لیتا ہے، اس کے مقصد کو پورا کرنے کی پوزیشن میں آتا ہے اور وہ جانشین ہونے کا حق ادا کر سکتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو بہت کچھ دے دیتا ہے۔ آخرت کی جواب دہی کا احساس اور اس کی وجہ سے انسان کے سارے معاملات درست رہتے ہیں۔ انسان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے لوگوں سے بھی اپنا رویہ درست رکھتا ہے اور انسان لوگوں کے بجائے ایک اللہ تعالیٰ کی پرواہ کرنا سیکھ جاتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی یاد رہے تو انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف محسوس ہوتا رہتا ہے اور انسان بھول جائے تو پھر بندے اور رب کے درمیان فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور خوف ختم ہو جاتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہونے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: (1) انسان نڈر اور بے باک ہو جاتا ہے۔ (2) انسان کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔

(3) انسان ظلم کرنے لگتا ہے۔ (4) انسان اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا۔

﴿وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ‌ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا

”اور جو میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، یہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے اس کے ساتھ

بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ﴾

کفر کرنے والے نہ بنو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ خریدو اور صرف مجھ ہی سے پس تم ڈرتے رہو“ (41)

سوال 1: بنی اسرائیل کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی جو دعوت دی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاٰمِنُوۡا ...

فَاتَّقُوْنِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ﴾ ''اور جو میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ'' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل کی ہے جو انسان کے لیے زندگی گزارنے کا پروگرام ہے۔اسی پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایمان لاکر محمد ﷺ کی اتباع کریں۔

(2)﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ ''یہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے'' بنی اسرائیل کے پاس پہلے سے تورات اور انجیل موجود تھیں۔

(3) قرآن مجید پچھلی کتابوں کے لیے سچائی کا گواہ بن کر نازل ہوا ہے۔قرآن مجید تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر نازل کی گئی ہیں۔اصولی طور پر ان کی توحید کی تعلیمات کی بھی تصدیق کرتا ہے۔قرآن مجید صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان کتابوں میں شامل کر دی گئیں۔

(4) جب قرآن مجید پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو اس پر ایمان لے آؤ کیوں کہ تم اہل کتاب ہو اور اہل علم ہو اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا جھٹلانا خود تم پر لوٹے گا۔تمہارا محمد ﷺ کی تکذیب کرنا دراصل اپنی کتابوں کی تکذیب کرنا ہے۔

(5) کتاب پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ (i) اس کا علم حاصل کیا جائے۔

(ii) اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔(iii) اس کے پیغام کو آگے پھیلایا جائے۔

(iv) ایمان لانا علم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔علم کے ساتھ ایمان لایا جاسکتا ہے، باقی دعویٰ تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس دعوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

(6)﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ ''اور تم سب سے پہلے اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہ بنو'' علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ آیت کعب بن اشرف اور دیگر علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔(تفسیر مظہری:104/1)

(7) یہاں اس سے مراد قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔قرآن مجید سے کفر کرنے والا نبی ﷺ سے بھی کفر کرتا ہے اور نبی ﷺ سے کفر کرنے والا قرآن مجید سے کفر کرتا ہے۔

(8) اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے پاس علم ہے اور دوسرے نہیں جانتے، اس وجہ سے تمہاری ذمہ داری بڑی ہے۔مدینہ میں یہود کو سب سے پہلی دعوت دی گئی تھی اس لیے انہیں کہا گیا کہ سب سے پہلے تم کافر نہ بنو ورنہ بعد میں آنے والوں کے کفر کا وبال تم پر ہوگا۔

(9)﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ خریدو'' تھوڑی قیمت پر آیات کو بیچ ڈالنے سے مراد دنیا کے تھوڑے سے فائدے کے لیے آخرت کے عظیم فائدے کو قربان کر دینا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے۔'' (النساء:77)

(10) اس سے مراد دنیا، منصب اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کے بارے میں وہ وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے ادنیٰ چیزوں کو آیات الٰہی پر ترجیح دی۔ (تفسیر سعدی:108/1)

(11) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے اس لیے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔'' (ابوداؤد:3664) (تفسیر ابن کثیر،123/1)

(12)﴿وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾ ''اور صرف مجھ ہی سے پس تم ڈرتے رہو'' ابن ابو حاتم نے طلق بن حبیب سے روایت کیا ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم علی وجہ البصیرت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید سے اس کی اطاعت بجالاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے اس کی نافرمانی ترک کر دو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:98/1)

(13) اور میرے سوا کسی سے نہ ڈرو کیونکہ جب تم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو یہ چیز تم میں تقویٰ اور تھوڑی سی قیمت کے مقابلے میں آیات الٰہی پر ایمان کو مقدم رکھنے کی موجب ہوگی۔ جیسے جب تم آیات الٰہی کے بدلے تھوڑی سی قیمت کو پسند کر لیتے ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمہارے دلوں سے تقویٰ کوچ کر گیا ہے۔ (تفسیر سعدی:108/1)

سوال 2: یہود نے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کیوں کیا؟

جواب: (1) یہودیوں کے لیے ان کا دین آباء واجداد کا رواج بن چکا تھا۔ اس وجہ سے انہیں نبی ﷺ کی دعوت پسند نہیں آئی تو وہ آپ ﷺ کے مخالف بن گئے۔ (2) یہود نے دنیاوی مفاد اور مصلحتوں کی خاطر آپ ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

(3) عرب کے مذہبی ڈھانچے میں انہیں سرداری مل گئی تھی۔ اگر وہ آپ ﷺ کو مان لیتے تو ان کو یہ سرداری، احترام، محبت جو لوگوں کی طرف سے مذہب کی وجہ سے ملی ہوئی تھی، چھوڑنا پڑتی اس لیے انہوں نے انکار کیا۔

(4) بزرگوں کی سعادت کی گدیوں پر بیٹھ کر انہیں عوام کی محبت اور توجہ ملی ہوئی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر ہم نے اس نبی کو مان لیا تو ہماری مذہبی بڑائی ختم ہو جائے گی اور ایسا وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

(5) مذہب کے نام پر انہیں طرح طرح کے نذرانے ملتے تھے، اسی مال کی ہوس نے انہیں حق سے دور کر دیا۔

سوال3: جولوگ دنیامیں کسی مذہبی مقام پر فائز ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے میں کیا مشکلات ہوتی ہیں؟

جواب: جولوگ دنیامیں کسی مذہبی مقام پر فائز ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ وہ اپنی خودساختہ عزت کی مسندوں سے خودکو اتارنانہیں چاہتے۔ وہ اپنی زندگی کا ڈھانچہ نہیں بدلنا چاہتے۔ وہ اپنی مرضی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے دعوت پر لبیک کہنا دنیامیں مذہبی مقام بنانے والوں کے لیے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

''اورتم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو'' (42)

سوال1: حق کو باطل کے ساتھ نہ ملانے اور حق نہ چھپانے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَلَا تَلْبِسُوا ... تَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہود کی ایک بری عادت یہ تھی کہ وہ جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ ملا کر پیش کرتے تھے، حق کو چھپا لیتے تھے اور باطل کو ظاہر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے روکتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ ''اورتم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ'' اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور حق کو چھپانے سے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ حق کو پھیلایا جائے، اس کا کھلے عام اظہار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے خیرخواہی کی جائے۔

(2) حق سے مراد سچی بات ہے یعنی جو بھی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہ حق ہیں۔ باطل سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دیئے گئے نظام کے متضاد ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ ''یہ اس لیے ہے کہ یقیناً وہی اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یقیناً اُس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں وہی باطل ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی بے حد بلند، بے حد بڑا ہے۔'' (لقمان:30)

(3) (i) حق کو باطل کے ساتھ ملانے سے مراد ہے حق کو باطل کا لباس پہنانا یعنی غلط کام کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ظاہر کرنا۔ (ii) حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے لیے جھوٹی تاویلیں دی جاتی ہیں۔ اس لیے فرمایا: ''جھوٹی تاویلیں کر کے

سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ۔'' (تفسیر ثنائی)

(4) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ یہودیت ونصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 98/1)

(5) لوگ دین میں علماء کی پیروی کرتے ہیں۔ اہل کتاب سے یہ توقع تھی کہ وہ علم کو واضح کر کے بتائیں تا کہ لوگوں کے لیے سیدھا راستہ اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے لیکن انہوں نے حق کو چھپایا اور حق اور باطل کو گڈ مڈ کیا۔

یہودی حق کو چھپا کر باطل کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ حق اسلام ہے اور یہودیت اور عیسائیت باطل ہے۔ یہودی حق اور باطل کو جمع کر دیتے تھے اور باقی لوگ ان سے متاثر ہوتے تھے۔ مدینہ کے باقی افراد یہودیوں سے ان کے علمی رعب اور مذہبی شان کی وجہ سے بہت متاثر تھے۔ وہ یہودیوں سے نبی ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی دعوت کے بارے میں پوچھتے تھے تو یہود موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر پوچھنے والے کے دل میں نبی ﷺ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے یا آپ ﷺ پر کوئی الزام لگا دیتے تھے تا کہ حق ان پر مشتبہ ہو جائے۔ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہی دراصل باطل کا رنگ تھا جسے حق کے ساتھ ملایا جا رہا تھا۔

(6) ﴿وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ ''اور نہ ہی حق کو چھپاؤ'' حق کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ حق بات پتہ ہو لیکن دوسرے کو نہ بتائی جائے۔

(7) جو لوگ دین کی دعوت لے کر اٹھیں، ان کے بارے میں کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑا جائے، طرح طرح کے الجھن میں ڈالنے والے سوالات چھیڑے جائیں تا کہ لوگ خود بھی الجھیں اور دوسروں کو بھی الجھائیں۔ یہ معاملہ شخصیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ لوگ دین کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(8) یہود کے حق کو چھپانے کے طریقے یہ تھے: (i) اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپاتے تھے۔

(ii) رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارتوں کو چھپاتے تھے۔

(9) ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''حالانکہ تم جانتے ہو'' یعنی پہلی کتابوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تم محمد ﷺ کے بارے میں بشارتوں کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو اور ان کا تذکرہ تورات اور انجیل میں پاتے ہو۔

(10) یہ بھی جائز ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ تم جانتے ہو کہ تمہارے حق کو چھپانے کی وجہ سے لوگوں کے لیے کس قدر عظیم نقصان ہے کہ اس طرح وہ ہدایت سے محروم ہو کر گمراہ ہو جائیں گے، پھر اس گمراہی کے نتیجے میں جہنم رسید ہوں گے کیونکہ انہوں نے تو باطل کے اس راستے کو اختیار کیا ہو گا جس میں تم نے تھوڑی سی حق کی آمیزش بھی کر دی ہو گی تا کہ اس طرح تم اپنے

باطل کو رواج دے سکو۔(المصباح المنیر :189/1)(11) جو شخص حق کو چھپاتا ہے وہ جہنم کی طرف بلانے والوں میں سے ہوتا ہے۔

سوال 2: آج کے دور میں حق کو باطل کے ساتھ کیسے ملایا جاتا ہے؟

جواب:(1) باطل کے کئی اصولوں کو اسلامی اصول سمجھنا اور انہیں رائج کرنا۔(2) کاروبار کے سودی طریقے کو اسلامی کہنا۔

(3) پارلیمنٹ کو شوریٰ سمجھنا۔(4) غیر اسلامی عدلیہ کو اسلامی عدلیہ سمجھنا۔(5) غیر اسلامی قوانین کو اسلامی قوانین کی طرح قبول کرنا۔

سوال 3: آج حق کو کیسے چھپایا جا رہا ہے؟

جواب:(1) کتاب کی اصل تعلیمات کو آنے والی نسلوں سے چھپایا جا رہا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپایا جا رہا ہے یہ کہہ کر کہ یہ اس دور کی بات تھی، آج اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

(3) اصل کتاب کے مقابلے میں جھوٹے احکامات کو گھڑ کر دھوکہ دیا جا رہا ہے جیسے ''فرقان الحق'' کے ذریعے احکامات کو بگاڑا جا رہا ہے۔(فرقان الحق ایک کتاب ہے جس میں قرآنی آیات کو بدلنے کی جسارت کی گئی ہے)

(4) اسلام کے احکامات کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے اور شبہات اور اعتراضات سے حق کو چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''(43)

سوال : نماز، زکوٰۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کے احکامات کی وضاحت ﴿وَاَقِيْمُوا...مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) رب العزت نے حکم دیا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم آخری نبی محمد ﷺ پر ایمان لا کر، ان کی اطاعت کرتے ہوئے امت محمدیہ میں شامل ہو کر ان کے ساتھ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور امت محمدیہ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا کرو۔

(2) ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرو'' یعنی ظاہری اور باطنی طور پر نماز قائم کرو اس لیے کہ نماز سے ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑتا ہے اور اس کی مدد حاصل ہوتی ہے۔

(3) نماز کے ذریعے ایک ایمان لانے والے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہے۔(i) نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔(ii) نماز کی اقامت کے ذریعے مسلمانوں میں باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔(iii) نماز کی اقامت کے ذریعے سب لوگوں میں مقصد کی یگانگت کی وجہ سے باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔

(4) ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ ''اور زکوٰۃ ادا کرو'' یعنی اے بنی اسرائیل مستحق لوگوں کو شریعت محمدیہ کے مطابق زکوٰۃ دو۔ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال میں عائد کردہ فریضہ ہے جس کو صاحب استطاعت ہر سال مقررہ شرح کے مطابق ادا کرتا ہے۔

(5)﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' یہود کی صلوٰۃ میں رکوع نہ تھا۔اس آیت کے ذریعہ انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کی اتباع کرو۔(تیسیر القرآن:18)

(6)جماعت کے ساتھ نماز پڑھو یا اصحاب محمد ﷺ کے ساتھ نماز پڑھو۔(صفوۃ التفاسیر:46/1)

(7)ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت میں علمائے بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے منافقین کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، مسلمانوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں اور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرلیں۔(تیسیر الرحمن:38/1)

(8)اس آیت سے باجماعت نماز کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے۔(الاساس:137/1)

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو،

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

تو کیا تم نہیں سمجھتے؟''(44)

سوال 1: دوسروں کو نیکی کا حکم دینے اور خود عمل نہ کرنے پر یہود کی مذمت کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿اَتَاْمُرُوْنَ . . تَعْقِلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)'' کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب! تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور یہ بڑی اچھی بات ہے مگر تمہیں یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، لوگوں کو جس نیکی کرنے کا کہتے ہو، اسے خود نہیں کرتے، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ احکام الٰہی میں کوتاہی کرنے والے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ یعنی کیا تم سمجھتے نہیں کہ تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اس مدہوشی سے ہوش میں آؤ! اندھا پن چھوڑو اور بینا بنو!(المصباح المنیر :190/1)

(2)﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو'' کیا تم لوگوں کو ایمان اور نیکی کا حکم دیتے ہو؟

(i)البر اعمال خیر کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔(تفسیر کبیر)

(ii) یہاں اس سے مراد محمد ﷺ پر ایمان اور اسلام میں داخلہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:32/1)

(3) ﴿وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو'' یعنی اپنے آپ کو ایمان اور بھلائی کا حکم دینا چھوڑ دیتے ہو۔

(4) کیا تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور محمد ﷺ کی اتباع نہیں کرتے۔ (تفسیر خازن:41/1)

(5) ابن جریج نے کہا ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو تو نماز، روزے کا حکم دیتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عار دلائی ہے، لہٰذا جو شخص نیکی کا حکم دے، اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرے۔ (تفسیر طبری:368/1)

(6) دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور خود عمل پیرا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ رویہ ہے۔ جب بھی دین ایک پیشہ بن جاتا ہے تو دین کو لے کر چلنے والے زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے عمل میں نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے خود نہیں ڈرتے لیکن دوسروں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ لوگوں کو بھلائی کی دعوت دیتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی میں اس کے خلاف چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہوئے یہ دوغلا رویہ اختیار کرنا انتہائی مکروہ کام ہے۔

(7) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ قول و فعل میں تضاد نہ ہو، ہدایت و عمل کا آغاز اپنی ذات سے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں معراج کے دن ان لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ اور زبان کاٹے جا رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے بے عمل عالم ہیں۔'' (ابوداؤد)

(8) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک آدمی کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی۔ وہ انہیں لے کر ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے۔ اس کے گرد جہنمی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: ہاں! یقیناً لیکن میں لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا''۔ (بخاری:3267) اللہ تعالیٰ کو عمل سے خالی اور زبان کے رسیلے لوگ پسند نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟'' (الصف:2)

(9) ﴿وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ ''حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی تمہارے پاس جو علم نبوت اور عہد و پیمان تورات کی صورت میں ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کو تو کفر سے روکتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم میرے رسول کی تصدیق کرو گے مگر تم نے میرے اس

عہد کو توڑا ہے اور میری کتاب میں جو لکھا ہوا ہے، اس کا انکار کر رہے ہو۔ (تفسیر طبری:1/368)

(10) کتاب کی تلاوت سے انسان کا رویہ بدلنا چاہیے اور اسے ایک ایسا انسان بننا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہو۔ جو ہر وہ کام کرنا چاہے جسے اللہ تعالیٰ کرنے کا حکم دیں اور اللہ تعالیٰ کے روکے سے اسے رک جانا چاہیے۔

(11) ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''تو کیا تم نہیں سمجھتے''، عقل کو اس لیے عقل کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے فائدہ مند چیز اور بھلائی کا شعور حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے اس چیز سے بچا جاتا ہے جو ضرر رساں ہے۔ اس لئے کہ عقل انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس پر سب سے پہلے خود عمل کرے اور جس چیز سے روکتا ہے اس کو سب سے پہلے خود ترک کرے۔

(12) جو کوئی کسی کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا یا وہ کسی کو برائی سے روکتا ہے اور خود اسے ترک نہیں کرتا تو یہ چیز اس کی جہالت اور اس کے بے عقل ہونے کی دلیل ہے خاص طور پر جب کہ ایسا شخص اس حقیقت کا علم بھی رکھتا ہو پس اس پر حجت قائم ہوگئی۔

(13) آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسان جس کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے رک جائے۔ (تفسیر سعدی:1/109,110)

(14) یہود کی نیکی کا حکم دینے پر مذمت نہیں کی گئی کیونکہ نیکی کا حکم دینا خود نیکی ہے۔ نیکی کا حکم دینا بھی واجب ہے اور خود نیکی انجام دینا بھی واجب ہے۔ ایک کو چھوڑ دینے کی وجہ سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

سوال 2: بے عملی کے رویے کا اپنی ذات اور معاشرے کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟

جواب: (1) بے عملی کے رویے کا انسان کی اپنی ذات پر یہ برا اثر پڑتا ہے کہ اس کے الفاظ کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

(2) معاشرے میں انسان کی بات کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ لوگ داعی کے دوہرے رویئے کو دیکھ کر خود بھی عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ دعوت مشکوک ہو جاتی ہے۔ دعوت دینے والے مشکوک ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں سے ایمان کی روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ دین پر سے لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ﴾

''اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر'' (45)

سوال1: صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگنے کے حکم کی وضاحت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا... عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ''اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی جس خیر و بھلائی کی وہ امید رکھتے ہیں اس کے حصول کے لیے وہ صبر اور نماز سے مدد لیا کریں جیسا کہ مقاتل بن حیان نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طلب آخرت کے سلسلے میں فرائض پر صبر اور نماز کے ساتھ مدد لیا کرو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 102/1) (المصباح المنیر: 192/1)

(2) اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تمام امور میں صبر کی تمام اقسام سے مدد لیں۔ صبر کی اقسام یہ ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے نفس کو پابند کرنا۔ (ii) اس کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روکنا یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔

(iii) اس کی تقدیر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرنا۔ ہر معاملے میں صبر کے ذریعے بہت مدد ملتی ہے۔ جو کوئی صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے کی توفیق سے نواز دیتا ہے۔

(3) ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جانے کا یقین انسان کے اندر صبر پیدا کرتا ہے۔

(4) کہا جاتا ہے کہ روزے بھی صبر میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے ماہ رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا۔ (السراج المنیر: 36/1)

(5) (i) صبر ہر مصیبت کا علاج ہے۔ (ii) صبر ہر مشقت کی دوا ہے۔ (iii) صبر ہر مشکل کا حل ہے۔

(iv) صبر ہی انسان کو حق کے راستے پر ہمیشہ چلائے رکھتا ہے۔

(v) صبر کے ذریعے انسان کا دین پختہ ہوتا ہے اور انسان میں استقامت آتی ہے۔

(vi) صبر کی جزا جنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میرے نزدیک میرے اس بندہ مومن کے لیے اہل دنیا میں سے جس کے محبوب کو میں نے اٹھا لیا اور وہ اس پر صبر و تحمل کرتے ہوئے اجر و ثواب کی امید رکھے جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' (بخاری: 6424)

(6) ﴿وَالصَّلٰوةِ﴾ اسی طرح نماز ہے جو کہ ایمان کی میزان ہے اور فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ ہر معاملہ میں نماز سے مدد لی جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 111/1)

(7) نماز دین پر ثابت قدمی کے لیے نہایت مددگار ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

﴿تَصْنَعُوْنَ﴾ ''آپ تلاوت کرو اس کتاب میں سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقینا نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یقینا بہت بڑا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔'' (العنکبوت:45)

(8) صبر اور صلوٰۃ ایک مومن کے دنیاوی زندگی کے مصائب کو برداشت کرنے کے لیے بڑے ہتھیار ہیں۔ صلوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی استعانت طلب کرے گا تو مصائب سے چھٹکارا ہوگا۔ مصائب سے چھٹکارا نہ ہو سکا تو صبر کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے اجر پائے گا۔ (تیسیر القرآن:18)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سجدہ کرتے ہوئے بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، پس سجود میں کثرت کے ساتھ دعا کیا کرو۔'' (صحیح مسلم:1083)

(10) آپ ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو فوراً نماز کا اہتمام کرتے تھے۔ (مسند احمد:5/388) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول ﷺ ساری رات نماز میں مشغول رہے۔ (تفسیر مظہری:1/127)

(11) رسول اللہ ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے: ﴿يَا بِلَالُ! أَرِحْنَا بِالصَّلٰوةِ﴾ ''اے بلال رضی اللہ عنہ! نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ (یعنی اذان دو)۔'' (مسند احمد:5/364)

(12) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سفر کر رہے تھے، راستہ میں کسی نے خبر دی کہ آپ کے گھر میں کوئی فوت ہو گیا ہے، تو یہ سن کر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دو رکعت نماز ادا کی اور کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ایسا کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ''اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو۔'' (مستدرک حاکم:2/269)

(13) نماز بندے اور رب کے درمیان ایک خاص ملاقات ہے۔ انسان کا دل اس ملاقات سے ایک خاص تعلق میں بندھ جاتا ہے۔ انسان کی روح نماز سے غذا اور قوت حاصل کرتی ہے۔ یہ قوت، یہ تعلق دنیا کے تمام مال و اسباب سے زیادہ قیمتی ہے۔ جب ہر قسم کی مدد ختم ہو جائے، جب سارے اسباب کا رشتہ کٹ جائے تو انسان کو نماز مدد دیتی ہے۔

(14) ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''اور بلاشبہ وہ (نماز) یقینا بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر'' نماز اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے سوا سب پر شاق گزرتی ہے۔

(15) دل کی حاضری اور اعضاء کا سکون خشوع کہلاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع اور اس کے احکامات کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب ہے۔ (ایسر التفاسیر:1/32)

(16) نماز خشوع کرنے والوں پر ہلکی اور آسان ہوتی ہے کیونکہ خشوع، خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید ان کے لیے شرح صدر کے ساتھ نماز کے قیام کی موجب ہوتی ہے کیونکہ وہ ثواب کی امید کرتے اور عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ثواب کی امید نہیں رکھتا اور عذاب سے نہیں ڈرتا اس کے اندر کوئی ایسا داعیہ موجود نہیں ہوتا جو اسے نماز کی طرف بلائے۔ جب ایسا شخص نماز پڑھتا ہے تو نماز اس کے لیے سب سے بوجھل چیز ہوتی ہے۔ خشوع سے مراد ہے قلب کا اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ سرافگندہ ہونا، اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس پرسکون اور مطمئن ہونا اور اس کے سامنے ذلت و فقر کے ساتھ اس کی ملاقات کی امید پر انکسار کا اظہار کرنا۔

سوال 2: انسان کے لیے نیک کام کرنا کیسے مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب: (1) آخرت سے بےفکری انسان کے لیے نیک کاموں کو مشکل بنا دیتی ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے تو اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ ایسے میں اسے نیک کاموں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(2) جب آخرت کی کامیابی مقصد نہیں رہتی تو اس کے لیے کوشش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے آخرت سے بےفکر ہونے والے نیک اعمال کو پہاڑوں جیسا بوجھل محسوس کرتے ہیں۔ آخرت کا یقین انسان کے لیے بڑے سے بڑے مشکل کام کو آسان بنا دیتا ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ع 5/7/5 الربع

''جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں'' (46)

سوال 1: خشوع کرنے والوں کی علامت کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿الَّذِيْنَ ... رٰجِعُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ ''جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں'' خشوع کرنے والوں کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی موت کے بعد کی قبروں سے اٹھائے جانے کا اور رب العالمین کے حضور پیش ہونے کا یقین اور یہ کہ سارے معاملات اللہ تعالیٰ کی زندگی، مشیت پر موقوف ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف سے فیصلہ فرمائے گا۔

(2) ﴿وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ''اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں'' ان کے تمام معاملے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں جن کا وہ عدل و انصاف سے جس طرح چاہے گا فیصلہ فرما دے گا۔ چونکہ انہیں زندگی بعد الموت کا اور جزا کا یقین ہے اس لیے ان کے لیے عبادات کا بجا لانا اور گناہوں سے باز رہنا آسان ہے۔ (السراج المنیر: 37/1)

(3) یہ یقین کہ ہم اپنے رب سے جزا پائیں گے مصائب کو آسان کر دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جنت کی نعمتیں ہیں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا احساس کیسے رہتا ہے؟

جواب: (1) اپنی پیدائش پر غور وفکر کرنے سے: 'میں کیا ہوں؟' 'مجھے کس چیز سے بنایا گیا؟' 'میں کس طرح تھی اب کیسے ہو گئی۔ زندگی کا یہ سفر کہاں سے شروع ہوا اور کہاں تک پہنچا؟' پیدائش سے لے کر آج تک ایک سفر تھا جو جاری رہا۔ کس نے طاقت دی؟ کس نے راستہ بتایا؟ کس نے سفر کے مراحل بتائے؟ کون یہاں تک لے کر آیا؟ سفر تو جاری ہے۔ جو آج یہاں تک لے آیا اس نے یہی طریقۂ کار مقرر کر رکھا ہے۔ جو دنیا میں آتا ہے وہ لوٹ کر جاتا ہے۔ مجھ سے پہلے لوگ بھی دنیا میں رہے ضرور لیکن مستقل نہیں۔ اگر وہ لوٹ گئے تو مجھے بھی لوٹ کر جانا ہے۔

(2) اس کائنات پر غور وفکر کرنے سے، مختلف اشیاء کے فنا ہونے سے، موسموں کے بدلنے سے، دن اور رات کے آنے جانے سے اور سورج کے نکلنے اور غروب ہونے سے انسان کو اپنے لوٹ جانے کا احساس رہتا ہے۔

(3) قرآن مجید کی تلاوت سے، اس پر غور وفکر کرنے سے۔ (4) موت کو یاد رکھنے سے۔

(5) کثرت سے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا احساس بڑھتا ہے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور یقیناً میں نے تمہیں

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾

جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی'' (47)

سوال 1: بنی اسرائیل کو خاص نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں، ان کی وضاحت ﴿يٰبَنِيْٓ ... عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی وہ خاص نعمتیں یاد دلائی ہیں جو اس نے ان کے آباء واجداد پر کی تھیں، فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے

تمہیں عطا کی تھی'' اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کا علم دیا تھا، اپنے پیغمبروں کے ذریعے شریعت کا علم عطا کیا تھا اور انہیں ساری دنیا کے لیے راہ نما بنایا تھا کہ وہ سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ انعام دوسری بار اس لیے یاد دلایا ہے تا کہ وہ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بن جائیں اور وہ بھی جھک جانے والوں کے ساتھ جھک جائیں۔

(3) ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ فضیلت تب عطا کی تھی جب وہ صحیح معنوں میں حق پر قائم تھے اور جب انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اُن کو علم کی بنا پر جہان والوں پر ترجیح دی تھی۔'' (الدخان:32) ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔'' (المائدہ:20)

(4) سارے جہان سے مراد ان کا زمانہ ہے۔ یہ فضیلت اس اعتبار سے تھی کہ ان پر کتاب نازل کی اور ان میں رسول بھیجے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو لوگ تھے وہ ان کے آباء تھے۔ (تفسیر قاسمی:120/1)

(5) اللہ تعالیٰ نے یہود کو دوسری قوموں کو خبردار کرنے کا فریضہ سونپا تھا۔ اس کے لیے انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ، وقتی لغزشوں سے درگزر، غیر معمولی حالات میں غیر معمولی مدد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے پینے کے انتظامات جیسی سہولیات دی گئی تھیں۔

(6) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ فضیلت تب واپس لے لی جب انہوں نے اپنے رب کے احکامات سے منہ پھیر لیا، انبیاء علیہم السلام کی نافرمانیاں کرنے لگے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فضیلت واپس لے لی۔

(7) بنی اسرائیل نہ تو خود حق پر قائم رہے تھے اور نہ ہی انہوں نے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا صحیح پیغام پہنچایا تھا۔ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔

سوال 2: بنی اسرائیل کے بعد فضیلت کا یہ منصب کس امت کو سونپا گیا؟

جواب:(1) بنی اسرائیل کے بعد فضیلت کا یہ منصب امت مسلمہ کو سونپا گیا، رب العزت نے فرمایا:﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔'' (آل عمران:110)

(2) معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سترویں امت ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تمام امتوں کے مقابلے میں بہتر اور معزز ہو۔'' (ترمذی:3001، ابن ماجہ:4287)

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ

''اور ڈرو اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾

کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی'' (48)

سوال1: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قیامت کے دن سے کیسے ڈرایا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاتَّقُوا ... يُنصَرُونَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو برائیوں سے بچانے اور نیکیوں پر آمادہ کرنے کے لئے پہلے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور اب قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔ فرمایا:﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا﴾ ''اور ڈرو اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی'' جس دن کوئی کسی قریبی رشتہ دار کے کام نہیں آئے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' (الزمر:7) اور فرمایا:﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴) وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ(۳۷)﴾ ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی۔'' (عبس:34-37) اور ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ﴾ ''جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔'' (الانفطار:19)

(3)﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی'' کافروں کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:501/1) رب العزت نے فرمایا:﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ ''چنانچہ سفارش کرنے

والوں کی سفارش ان کو کوئی نفع نہ دے گی۔'' (المدثر:48)

(4) شفاعت اس شخص کی قبول کی جائے گی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پسند کریں گے اور جس کی وہ اجازت دیں گے یعنی ہر شخص شفاعت نہیں کر سکے گا اور نہ ہر کسی کے لیے شفاعت کی جا سکے گی۔

(5) ﴿وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ ''اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا'' کافروں سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے تو ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگرچہ وہ اس کو فدیے میں دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' (آل عمران:91)

(6) ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ''اور نہ ان کی مدد کی جائے گی'' یعنی ان سے عذاب نہیں ہٹایا جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾ ''تو اس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی مددگار۔'' (الطارق:10)

(7) یہ چیز بندے پر واجب کرتی ہے کہ وہ مخلوق سے تعلق اور امید کو منقطع کر دے کیوں کہ اسے علم ہے کہ مخلوق اسے ذرہ بھر نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو جوڑے جو نفع پہنچانے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا ہے پس صرف اسی کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کی عبادت پر اسی سے مدد مانگے۔ (تفسیر سعدی:112/1)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے آخرت کی ہولناکیوں سے کیسے ڈرایا؟

جواب: اللہ کے رسول ﷺ آخرت کی جواب دہی کا یہ احساس دلوں کے اندر راسخ کیا کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب (سورۃ الشعراء کی) یہ آیت اللہ تعالیٰ نے اتاری ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ ''اور اپنے نزدیک ناطے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریش کے لوگو! (یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ) تم لوگ اپنی اپنی جانوں کو (نیک اعمال کے بدل) مول لے لو (بچا لو) میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا (یعنی اس کی مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکوں گا) عبد مناف کے بیٹو! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ عباس عبدالمطلب کے بیٹے! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ صفیہ میری پھوپھی! اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ فاطمہ! بیٹی تو چاہے میرا مال مانگ لے لیکن اللہ کے سامنے تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا۔'' (بخاری:2753)

سوال 3: عقیدہ آخرت کی خرابی کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: اس عقیدہ کے انسانی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بگاڑ کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے عقیدۂ آخرت میں خرابی آ گئی تھی۔

(1) آخرت کے بارے میں عقیدہ خراب ہو تو دِل میں سختی آ جاتی ہے۔

(2) جب یہ ڈر نہ ہو کہ ایک دن میرے تمام اعمال کو سامنے لایا جائے گا، برے اعمال کا نتیجہ دیکھنا ہوگا تو انسان مزید گناہ کرتا ہے اور نیک کام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں وہ گناہ کرتا چلا جاتا ہے، غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے۔

﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے، وہ تمہارے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾

کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی'' (49)

سوال 1: بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ ... عَظِيْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ یہاں سے تفصیلاً ان کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔

(2) ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات دی جو تمہیں ذلت آمیز عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔

(3) آلِ فرعون سے مراد ہے فرعون کے خاندان کے لوگ ہیں۔ مصر کے حکمران طبقے کے علاوہ آلِ فرعون میں اس کے وہ سارے ساتھی شامل تھے جو اس کے جیسے نظریات رکھتے تھے اور اس کو درست سمجھتے تھے۔

(4) فرعون نے ایک ہولناک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ لپکی اور علاقہ مصر کے ان تمام شہروں میں جہاں جہاں قبطی آباد ہیں داخل ہو گئی اور ایک ایک قبطی کے گھر میں گھس گئی مگر یہودیوں کے گھر محفوظ رہے۔ بظاہر اس خواب سے

معلوم ہوتا تھا کہ کوئی یہودی فرعون کی سلطنت چھین کر اس کے زوال کا باعث ہوگا۔ جب فرعون نے ارا کین سلطنت سے یہ خواب بیان کیا تو کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہودیوں کو اس شخص کا انتظار ہے اور یہ انہی میں پیدا ہوگا جس کے ذریعہ انہیں حکومت ملے گی اور اقبال بلند ہوگا۔ غور وفکر کے بعد فرعون نے اپنے ممالک محروسہ میں یہ حکم جاری کر دیا کہ یہودیوں کے نومولود بیٹوں کو (ایک خاص مدت تک) قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو نہ چھیڑا جائے اور یہودیوں سے سخت اور ذلیل کام لیے جائیں۔ (السراج المنیر :39/1)

(5) ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ ''وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے'' وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تم سے کام لیتے تھے، تمہیں ایذائیں پہنچاتے تھے۔

(6) ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ ''وہ تمہارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے'' وہ تمہاری تعداد کو کم کرنے کے لیے تمہارے بیٹے ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو مذمت اور ذلت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ (زاد المسیر :65/1)

(7) ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ ''اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی'' یعنی تمہاری حالت یہ تھی کہ بیٹوں کے قتل سے تمہاری نسل ختم کی جارہی تھی، تمہاری عورتوں سے خدمت لے کر انہیں ذلیل کیا جارہا تھا، انہیں اظہار غلبہ کے لیے زندہ رکھا جاتا تھا اور ان سے مشقت لی جاتی تھی۔

(8) ﴿بَلَآءٌ﴾ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں اور آزمائش کبھی سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی آسودگی کے ساتھ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور ہم تمہیں اچھی اور بری حالت میں آزماتے ہیں اور ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (الانبیاء:35) (المصباح المنیر :200/1)

(9) جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے نجات عطا کی تو اس عظیم نعمت میں بھی تمہارے لیے آزمائش ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کا شکر ادا کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے احسان نے اطاعت اور شکر کو واجب کر دیا ہے۔

﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾

کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے'' (50)

سوال 1: بنی اسرائیل کی نجات اور قوم فرعون کے غرق ہونے کے واقعے کی وضاحت ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا ... تَنْظُرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا'' رب العزت نے اسی بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو۔ پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ، نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ اور نہ تم ڈرو گے۔'' (طٰہٰ:77)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا۔ اس وقت دائیں بائیں پر پیچ پہاڑی سلسلے تھے، پیچھے لشکر تھا اور سامنے سمندر۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ سمندر پر اپنا عصا ماریں۔ ﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ ''تو ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی کو سمندر پر مارو پس وہ پھٹ گیا تو ہر حصہ ایک عظیم پہاڑ جیسا ہو گیا۔'' (الشعراء:63) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارتے ہی سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پانی کے عین درمیان میں خشک راستہ بن گیا۔

(2) ﴿فَاَنْجَيْنٰكُمْ﴾ ''پھر ہم نے تمہیں نجات دی'' اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی۔ یعنی انہیں آل فرعون سے چھڑا لیا۔ بنی اسرائیل تو سمندر سے آرام سے گزر گئے۔ فرعون اور آل فرعون کو رب العزت نے اسی سمندر میں غرق کر دیا۔

(3) ﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے'' فرعون نے جب پیچھا کیا تو سمندر کے بیچ میں پہنچنے پر سمندر کو آپس میں ملا کر اسے اور اس کے لشکر کو ڈبو دیا گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾ ''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو ان کو سمندر سے ڈھانپ لیا اس چیز نے انہیں ڈھانپا۔'' (طٰہٰ:78)

(4) اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کو اپنے مقام سے پھٹتے ہوئے سمندر کے درمیان لے جا کر کھڑا کر دیا ہے اور یہ سوال کر کے چھوڑ دیا ہے کہ کیا تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعون کو ڈبو نہیں دیا گیا؟

(5) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا احساس دلایا ہے کہ جو لوگ رب کے احکامات کے سامنے بڑے بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے

لشکر (پانی) کے سامنے کیسے بے بس ہوجاتے ہیں!

سوال 2: جس دن فرعون غرق ہوا، اس دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کیسے شکر ادا کیا کرتے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہر سال محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہود محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آج ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں موسیٰ کا تم سے زیادہ حق دار ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔'' (بخاری:2004)

﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کی میعاد مقرر کی پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پکڑ لیا

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾

اور تم ظلم کرنے والے تھے'' (51)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے کیا ظلم کیا، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا ... ظٰلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کی میعاد مقرر کی پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پکڑ لیا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو چالیس روز کے لیے کوہ طور پر بلایا تھا تاکہ انہیں شریعت کے احکام (یعنی اپنی کتاب) عطا کریں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے تو ان کے پیچھے سے بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

(2) بنی اسرائیل کو سامری نے یہ کہا تھا، سورہ طٰہٰ میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ: ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ﴾ ''یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا جسے وہ بھول گیا تھا۔'' بنی اسرائیل نے قوم کے زیورات کے بوجھ سے دب جانے کی شکایت کی تھی۔ سامری نے کہا کہ سب مجھے دے دو۔ سب سونا چاندی اکٹھا کر لیا گیا، پگھلایا گیا، اسے بچھڑے کی شکل دی گئی جس میں سے آواز آتی تھی اور جب سامری نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے تو بنی اسرائیل اس کے گرد چکر کاٹنے لگے اور اس سے برکتیں مانگنے لگے۔

(3) بنی اسرائیل کے اندر گاؤ پرستی کی بیماری ہمسایہ قوموں سے آئی تھی۔ بنی اسرائیل کی ہمسایہ قوموں میں گائے کی پوجا کی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ مصر اور کنعان میں اس کا رواج عام تھا۔ بنی اسرائیل جب غلام بن کر گئے تو آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے حکمرانوں سے یہ گائے پرستی کی بیماری لے لی۔ اس وجہ سے جب سامری نے بچھڑے کی صورت بنائی تو انہیں کچھ بھی عجیب نہیں لگا۔

(4) ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''اور تم ظلم کرنے والے تھے'' تم ظلم کرنے والے یعنی شرک کرنے والے تھے۔ رب العزت نے فرمایا ﴿اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ ''یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔'' (البقرہ:54) (5) یعنی تم نے عبادت کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھا۔ (تفسیر قاسمی:125/1)

(6) تم پر حجت قائم ہوگئی تم جانتے تھے کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر گناہ کیا ہے۔

﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو'' (52)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کی پرستش کا جرم معاف کر دیا، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ ... تَشْكُرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کی پرستش جیسا گناہ اور جرم معاف کر دیا تھا۔ (2) اور اس توبہ پر یہ شرط رکھی تھی کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔'' (البقرہ:54)

(3) ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تا کہ تم شکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے اس لئے شرک سے درگزر کیا تھا تا کہ لوگ معافی ملنے پر شکر ادا کریں۔ (4) (i) امام فراء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احسان کی قدر شناسی اور اس کا زبان سے اقرار شکر کہلاتا ہے۔ (قرطبی:166/2)

(ii) اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کر کے اس کا اظہار کرنا شکر گزاری کے تقاضے ہوتے ہیں۔

﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرق کرنے والی چیز دی تا کہ تم ہدایت حاصل کرو'' (53)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان عطا کی، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا ... تَهْتَدُوْنَ﴾ کی

روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرق کرنے والی چیز دی'' کتاب سے مراد تورات ہے۔ (ابن ابی حاتم:109/1)

(2)﴿وَالْفُرْقَانَ﴾ ''اور فرق کرنے والی چیز'' (i) سیدنا مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: فرقان سے مراد کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ (جامع البیان:406/1) (ii) یہاں اس سے مراد دین کا علم اور فہم ہے جس کی وجہ سے انسان کو بھلائی اور برائی میں، حق اور باطل میں فرق کا پتہ چلتا ہے۔

(3)﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ''تاکہ تم ہدایت حاصل کرو'' تاکہ تم کتاب پر عمل کر کے گمراہی سے ہدایت پاؤ۔ (تفسیر قاسمی:126/1)

(4) تاکہ تم دین و دنیا کے تمام معاملات کے لیے حق کو پہچان جاؤ۔ (ایسر التفاسیر:34/1)

(5) اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے احکامات پر مشتمل ہوتی ہے جو اس کی طرف سے انسانوں کو ملتے ہیں اور جس امت کو یہ احکامات عطا کیے جاتے ہیں اس نے اس پیغام کو تمام دنیا تک پہنچانا ہوتا ہے۔

(6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان سمندر سے نجات دیے جانے کے بعد دی گئی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے پہلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے دلائل، ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' (القصص:43)

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم! یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ

پر ظلم کیا، لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو یہی تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

لیے بہتر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی، یقیناً وہی بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' (54)

سوال: بنی اسرائیل کے بچھڑے کو معبود بنانے کے جرم کی توبہ کس طرح قبول کی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ قَالَ

...الرَّحِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اس آیت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی توبہ کس طرح قبول فرمائی۔ رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم! یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا'' جب موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کی پرستش آنکھوں سے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم کرلیا گیا کہ اس کی بے پناہ محبت وعظمت ان کے دلوں میں رچ بس گئی ہے تو آپ نے انہیں سمجھایا۔ آپ کے کہنے سننے سے ہوش میں آئے، شرک پر نادم ہوئے اور گمراہی کا یقین آیا۔ اب لگے توبہ تلاش کرنے۔ (السراج المنیر: 41/1)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ﴾ ''لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو'' یعنی تم اپنے خالق سے توبہ کرو۔

(4) ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور اپنے آپ کو قتل کرو'' بنی اسرائیل کے ظلم کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔

(5) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ صفوں میں کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض نے بعض کو قتل کیا حتیٰ کہ انہیں کہا گیا رک جاؤ۔ ان میں سے مقتول کے لیے شہادت تھی اور زندہ کے لیے توبہ۔ (جامع البیان: 410/1)

(6) ابن کثیر اور فتح القدیر کی روایت کے مطابق 70 ہزار افراد قتل ہوئے۔

(7) ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ ''یہی تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک توبہ اور قتل معصیت پر اصرار سے بہتر ہے۔ (الاساس: 148/1)

(8) یعنی تمہارا اپنے لوگوں کو قتل کرنا تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بچھڑے کی پوجا پر قائم رہنے سے بہتر ہے۔

(9) ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی'' تم نے وہی کیا جو کہ تمہیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تو تمہاری توبہ قبول ہوئی اور تمہاری برائیوں سے درگزر کیا گیا۔ (تفسیر مراغی: 70/1)

(10) ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کے بعد ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ کے الفاظ سے یہ سبق ملتا ہے کہ: (i) اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے اسی کے بتائے ہوئے معافی کے طریقۂ کار کو قبول کرنا ضروری ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تب معاف کیا تھا جب انہوں نے شرک کرنے والوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ

لوگوں کو برائی سے نہ روکنے کی معافی یوں ہی نہیں مل سکتی۔اس کی سزا بعض اوقات دنیا میں بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔
(iii) جب تک برائی کے اثرات نہیں مٹائے جائیں گے معافی نہیں مل سکتی۔

(11) ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''یقیناوہی بے حدتوبہ قبول کرنے والا،نہایت رحم والا ہے'' (i) اللہ تعالیٰ التواب ہے۔بے شک وہ گناہ گاروں کوتوبہ کی توفیق دیتا ہےاوران سے توبہ قبول کرتا ہے۔
(ii) اللہ تعالیٰ اس کے لیے الرحیم ہے جواس کی طرف لوٹتا ہےاوراس سے رجوع کرتا ہے۔(تفسیر مراغی:70/1)

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

''اور جب تم نے کہا:''اے موسیٰ!ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کواعلانیہ دیکھ لیں''توتمہیں بجلی نے پکڑ

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾

لیااورتم دیکھ رہے تھے''(55)

سوال: یہود کے سرداروں نے اللہ تعالیٰ کواعلانیہ دیکھنے کا جومطالبہ کیا،اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ... تَنْظُرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''اور جب تم نے کہا:اے موسیٰ!ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کواعلانیہ دیکھ لیں''بنی اسرائیل کے 70 سرداروں کے سامنے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اورفرمان پیش کیا۔ان میں سے بعض لوگ بے یقینی اورشک کی وجہ سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہم تمہارے بیان پر کیسے یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے ہم کلام ہوا ہے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ اللہ تعالیٰ کو تم سے کلام کرتے نہ دیکھ لیں۔

(2) ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ ''توتمہیں بجلی نے پکڑلیا'' یہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کے سامنے تمہاری گستاخی کی انتہا تھی۔اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک کڑک نے انہیں آلیااوروہ بے جان ہوکرگر گئے۔

(3) انہیں ایک بے ہوشی نے آلیایاتووہ موت تھی یاعظیم بے ہوشی۔

(4) ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''اورتم دیکھ رہے تھے'' رب العزت نے احساس دلایا ہے کہ (i) تم اس واقعے کو دیکھ رہے تھے۔
(ii) تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔

(iii) ابتدا میں جن پر بجلی گری بعد والے اسے دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ سب کے سب مر گئے۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا تا کہ تم شکر کرو'' (56)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا جو احسان یاد دلایا ہے، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ ... تَشْكُرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا احسان یاد دلایا گیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ ''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سرداروں کی موت کے بعد یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اب قوم کو کیا منہ دکھاؤں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر انہیں دوبارہ زندگی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح زندہ ہو رہے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 113/1)

(3) ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تا کہ تم شکر کرو'' یعنی تم موت کے بعد دوبارہ زندگی ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (الوسیط: 14/1)

(4) بنی اسرائیل کو موت کے بعد زندگی عطا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ احسان شناس بنیں، اللہ تعالیٰ کے احسان کو محسوس کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بن جائیں۔

(5) اللہ تعالیٰ کو جو شکر مطلوب ہے وہ اس پر، اس کی کتابوں پر اور محمد ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ (تفسیر منیر: 182/1)

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا، کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے

رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

تمہیں رزق دیا ہے اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے'' (57)

سوال: صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کو کون سی نعمتیں دی گئیں، اس کی وضاحت ﴿وَظَلَّلْنَا ... يَظْلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا''بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے لیکن ان کے پاس سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جب کہ جزیرہ نمائے سینا میں دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔اس دور میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ رکھا گیا تا کہ انہیں ہلاک ہونے سے بچایا جاسکے اور ان کے کھانے کے لیے من وسلویٰ نازل کیا گیا۔ان کے لیے پانی کے بارہ چشموں کا انتظام بھی کیا گیا جس کا تذکرہ اگلی آیات میں کیا گیا ہے۔

(2)﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾''اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا''(i)﴿مَنَّ﴾ سے مراد اوس ہے جو درخت یا پتھر پر گرتی تھی اور شہد کی طرح میٹھی ہوتی تھی۔مَن سے مراد ترنجبین بھی لی جاتی ہے۔بعض کے نزدیک شہد یا میٹھا پانی ہے۔صحیح مسلم میں ہے:کھمبی مَن کی اس قسم میں سے ہے جو بنی اسرائیل اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء تھا۔(کتاب الاشربہ)(ii)سلویٰ بٹیر یا چڑیا کی طرح کا پرندہ تھا جسے یہ ذبح کر کے کھا لیتے تھے۔

(3)یہود کو من وسلویٰ کی غذائیں اس لیے دی گئیں تا کہ وہ معاشی جدوجہد سے فارغ رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ادا کرنے میں زیادہ مشغول رہیں۔وہ ضرورت کی چیز پر قناعت کریں اور لذتوں کی تلاش میں بھاگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کریں۔سب سے بڑا فضل جو بنی اسرائیل پر ہوا وہ فکر معاش سے بے نیازی تھی تا کہ وہ پورے انہماک کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول ہوسکیں۔ان پر من وسلویٰ کی نعمتیں نازل کی گئیں،انہیں عام تکالیف سے بھی بچایا گیا،جنگل کی دھوپ سے بچنے کے لیے بادلوں کا سایہ مہیا کیا گیا تا کہ انہیں کوئی شکایت باقی نہ رہے اور وہ پورے وقت،قوت اور استعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مشن کو پورا کریں لیکن وہ انعامات الٰہیہ سے صحیح صحیح استفادہ نہ کر سکے۔(سراج البیان:1/18)

(4)﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾''کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے''اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں وافر رزق دیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے کھائیں اور شکر ادا کریں۔

(5)اس کی عطا وافر اور احسان عظیم تھا جس نے صحراؤں میں وہ نوازا جو آسودہ حال شہروں کے باشندوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

(6)رب العزت نے فرمایا:﴿رَزَقْنٰكُمْ﴾''ہم نے تمہیں رزق دیا ہے''رزق رب العزت کی طرف سے ملتا ہے،اس بات کو ذہن میں رکھنے سے انسان کی طبیعت میں جھکاؤ آتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کھانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اصولوں کو قبول کرتا ہے۔اس کے برعکس جب انسان اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتا تو ایسی صورت میں ضابطے،اصول،طریقے سب اپنی مرضی کے بن جاتے ہیں۔

(7)پھر فرمایا:﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا﴾''اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا''بنی اسرائیل نے نافرمانیاں کر کے اللہ تعالیٰ پر ظلم نہیں کیا

تھا۔نافرمانوں کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کونقصان نہیں پہنچا سکتی۔

(8)﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ''بلکہ وہ اپنی جانوں پرظلم کرتے تھے''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکرادا کرنے کی بجائے نافرمانیاں کیں توان کے دل سخت ہوگئے اور گناہوں کی کثرت بھی جاری رہی۔یوں انہوں نے اپنے اوپرظلم کیا۔اس کا نقصان بھی انہوں نے خوداٹھایا۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

اور(اس وقت کو یاد کرو)جب ہم نے کہا:''اس بستی میں داخل ہوجاؤپس اس میں جہاں سے چاہوخوب کھاؤاوردروازے

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوجاؤاور کہو:بخش دے!ہم تمہاری خطاؤں کوتمہارے لیے بخش دیں گے

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

اور جلد ہی ہم نیکی کرنے والوں کوزیادہ دیں گے''(58)

سوال:بنی اسرائیل کو جہاد نہ کرنے اور بزدلی پر کیسے ملامت کی گئی،اس کی وضاحت﴿وَاِذْ قُلْنَا...وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ ''اور(اس وقت کو یاد کرو)جب ہم نے کہا:''اس بستی میں داخل ہو جاؤ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو جہاد نہ کرنے پراورنامردی کے اظہار پرملامت فرمارہا ہے۔جب یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصرآئے اورارض مقدس جانے کا حکم ملا کہ اپنے جدامجد کی میراث سنبھال لو،عمالیق کوجنہوں نے اس پر غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے ماربھگاؤاوران سے جہاد کرو کیوں کہ وہ کافر ہیں توانہوں نے نامردی دکھائی اور جہاد سے صاف انکار کردیا۔آخران کو اس جرم کی سزا ملی اور وادی تیہ میں مدتوں سرگرداں رہے۔جیسا کہ مائدہ میں ہے۔قریہ سے بیت المقدس مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ''اے میری قوم!اس پاک زمین میں داخل ہوجاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہےاوراپنی پیٹھوں پر نہ پھرجاؤورنہ تم خسارہ اٹھانے والے بن کرپلٹو گے۔''(المائدۃ:21) بنی اسرئیل سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ چالیس سال سرگرداں رہنے کے بعد وہاں سے نکل آئے تھے۔(مختصرابن کثیر:43/1)

(2) پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس پر جمعہ کی شام کو شاندار فتح نصیب فرمائی بلکہ سورج کو بھی فتح کی خاطر تھوڑی دیر ٹھہرائے رکھا۔ جب بیت المقدس فتح ہو گیا تو سورج غروب ہوا۔ فتح کے بعد حکم ہوا کہ اب تم اس شہر میں فتح کے شکریہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا حق تعالیٰ نے تمہیں شاندار فتح نصیب فرمائی اور تمہارا ملک تمہارے ہاتھوں میں دے دیا اور وادی تیہ سے صحیح سلامت نکال لیا۔ (مختصر ابن کثیر:43/1)

(3) اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر یہ انعام تھا کہ نافرمانیوں کے بعد بھی انہیں حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جائیں۔

(صفوۃ التفاسیر:52/1) اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے لیے باعث عزت بنایا، ان کا وطن اور مسکن قرار دیا۔

(4) ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا﴾ ''پس اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ'' اس بستی میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ انہیں بے روک ٹوک رزق ملے گا۔

(5) اس لیے اس خوش گوار رزق کو با فراغت کھائیں۔ (صفوۃ التفاسیر:52/1)

(6) ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ''اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ'' سجدے سے مراد جھکے ہوئے داخل ہونا ہے۔ یعنی وہ اس حالت میں بستی میں داخل ہوں کہ ان پر خشوع و خضوع طاری ہو۔

(7) اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ صحرا سے نجات ملنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں اور شکر ادا کریں۔ یعنی تکبر کی بجائے عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوئے اور اس سے استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔

(8) ﴿وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ ''اور کہو: بخش دے'' یہ کلمہ امید اور استغفار کا ہے جیسے مومن کہتا ہے استغفر اللہ۔ (واضح البیان:26)

(9) ﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ ''ہم تمہاری خطاؤں کو تمہارے لیے بخش دیں گے'' ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے یعنی اس سے پہلے جو نافرمانیاں تم کر چکے ہو انہیں معاف کر دیں گے۔

(10) یعنی اپنے رب سے مغفرت کا سوال کرنے پر کامیابی مل جائے گی۔

(11) یعنی ہم تمہارے گناہ مٹا دیں گے اور تمہاری برائیاں دور کر دیں گے۔ (صفوۃ التفاسیر:52/1)

(12) ﴿وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور جلد ہی ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے'' احسان کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر حکم کو حسن و خوبی سے انجام دیتے ہیں، نہ حکم بدلتے ہیں اور نہ کام میں نقص رہنے دیتے ہیں۔

(13) احسان کرنے والوں کو زیادہ دینے سے مراد ہے: (i) ان کے حق سے زیادہ دینا۔

(ii) ان کے مطالبات سے زیادہ دینا۔ (iii) دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی اجر دینا۔

﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

''پھر جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے اس بات کو جو ان کے لیے کہی گئی تھی اس کے ماسوا سے بدل ڈالا تو ہم نے ان لوگوں پر آسمان

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾

سے عذاب نازل کیا جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے'' (59)

سوال: بنی اسرائیل نے فتح کے بعد شکر کی بجائے کیسا رویہ اختیار کیا، اس کی وضاحت ﴿فَبَدَّلَ... يَفْسُقُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل نے فتح کے بعد شکر کی بجائے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہی ظالموں کا دستور ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''پھر جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے بدل ڈالا'' یعنی جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، ان لوگوں نے اس قول کو بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿فَبَدَّلُوْا﴾ ''ان سب نے بدل دیا'' نہیں فرمایا کیونکہ سب قول کو بدلنے والے نہیں تھے۔

(2) ﴿قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ ''اس بات کو جو ان کے لیے کہی گئی تھی اس کے ماسوا سے'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا تھا کہ شہر کے دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہوں اور ﴿حطة﴾ کہتے ہوئے (یعنی) "اے اللہ! ہمارے گناہ معاف کر دے۔" لیکن وہ الٹے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کلمہ ﴿حطة﴾ کو بھی بدل دیا اور کہا کہ ﴿حبة فی شعرة﴾ یعنی دل لگی کے طور پر کہنے لگے کہ "دانہ بال کے اندر ہونا چاہیے۔'' (بخاری: 4479) (3) بات کا بدلنا انسان کے تکبر اور سرکشی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس انسان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔

(4) ایک بڑا شہر ان کے قبضے میں دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ عاجزی سے اس میں داخل ہوں مگر وہ تفریحی کلمات بولنے لگے اور اس طرح انہوں نے ظلم کا رویہ اختیار کیا اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

(5) ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''تو ہم نے ان لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا جنہوں نے ظلم کیا'' جن لوگوں نے ان میں سے ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔

(6) یہود پر طاعون کا عذاب آیا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طاعون ایک

عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر یا اگلی امت پر بھیجا گیا۔" (مسلم:2218)

(7)﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ ''اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے'' یہود اخلاق وکردار کے اعتبار سے پستی کا شکار ہو گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے۔

سوال 2: یہود میں ڈھٹائی کا رویہ پیدا ہوا، اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟

جواب: (1) انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ نجات یافتہ گروہ ہیں۔

(2) ان کی تنبیہ کے لیے جو لوگ اٹھے، انہوں نے ان کو دھتکارا حتیٰ کہ قتل تک کر ڈالا۔

(3) پھر ان کی بے حسی اتنی بڑھی کہ کھلی کھلی نشانیاں بھی ان کے دلوں کو پگھلا نہ سکیں۔

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا

نکلے، بلاشبہ سب لوگوں نے اپنے پانی لینے کی جگہ کو جان لیا، اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور

تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾

زمین میں فساد کرنے والے بن کر دنگا نہ کرو'' (60)

سوال 1: بنی اسرائیل کے لیے صحرائے سینا میں بارہ چشمے جاری کیے گئے، اس کی وضاحت ﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى --- مُفْسِدِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک اور عظیم انعام یاد دلایا ہے کہ ﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا'' جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے قبول کر لی اور بارہ چشمے جاری کر دیے۔ یہ واقعہ صحرائے سینا کا ہے۔

(2) ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ ''تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر عصا مارو۔ (3) یہاں الحجر معرفہ آیا ہے۔ یا تو یہ کوئی مخصوص پتھر تھا جسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے یا اسم جنس کی

بنا پر معرفہ ہے۔ (تفسیر سعدی:116/1)

(4)﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ''تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارتے ہی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری کیے۔

(5) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر پانی تقسیم کر دیا تا کہ پانی لینے کے معاملے میں جھگڑا نہ ہو۔

(6)﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ ''بلاشبہ سب لوگوں نے اپنے پانی لینے کی جگہ کو جان لیا'' یعنی ہر قبیلے نے اپنی پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی تا کہ وہ پیتے وقت ایک دوسرے سے نہ الجھیں۔

(7)﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو'' یعنی اللہ تعالیٰ نے صحراؤں میں بغیر کسی کوشش کے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ پیو اور اس عظیم ذات کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے یہ انتظام فرمایا۔

(8)﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ''اور زمین میں فساد کرنے والے بن کر دندناتے نہ پھرو'' یعنی نہ تم سرکشی کرو اور نہ زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرو۔ (جامع البیان:883/1)

سوال 2: رزق حاصل کرنے کے بعد فسادی بننے سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر شکر ادا کر کے فسادی بننے سے بچا جا سکتا ہے۔

(2) رزق کو اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کر کے صدقہ کر کے فسادی بننے سے بچا جا سکتا ہے۔

(3) رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کر کے یعنی مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق خرچ کر کے فسادی بننے سے بچا جا سکتا ہے۔

سوال 3: رزق ملنے کے بعد انسان فساد کرنے والا کیسے بن جاتا ہے؟

جواب: (1) رزق ملنے کے بعد انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے۔

(2) رزق ملنے کے بعد انسان ناشکرا ہو جاتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

(3) رزق ملنے پر انسان مال کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے اور مال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔

(4) جہاں خرچ کرنے کے مواقع ہوں، وہاں بخیلی اختیار کرنے سے انسان فساد کرنے والا بن جاتا ہے۔

(5) جہاں خرچ کرنے سے لوگوں میں واہ واہ ہوتی ہو، وہاں خرچ کرنے سے انسان فساد کرنے والا بن جاتا ہے۔

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

''اور جب تم نے کہا: ''اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے لہٰذا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے اس

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

میں سے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے، اپنی سبزیوں میں سے، اور اپنی ترکاریاں اور اپنی گندم، اور اپنے مسور اور اپنے پیاز۔'' موسیٰ

الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ

نے کہا: ''کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے میں کم تر چیز طلب کرتے ہو''؟ کسی شہر میں اتر جاؤ تو یقیناً جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہارے لئے

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

ہوگا اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ

وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿

کفر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس وجہ سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے'' (61)

سوال 1: یہودیوں نے ناشکری کی اور من وسلویٰ کی بجائے ناقص کھانے کا مطالبہ کر دیا، اس واقعہ کی وضاحت ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ ... مَّا سَاَلْتُمْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ ''اور جب تم نے کہا: ''اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب تم نے اپنے رب کی نعمتوں سے اکتاتے ہوئے انہیں حقیر سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ میں نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا جو خوشگوار اور پاکیزہ غذا تھی اور بلا مشقت ملتی تھی مگر تم نے ناشکری کی، اس کھانے کی قدر نہ کی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اس کی نسبت ناقص کھانے سبزیوں، ترکاریوں وغیرہ کا مطالبہ کر دیا۔

(2) من وسلویٰ کھا کھا کے بنی اسرائیل اکتا گئے۔ جنگل کی زندگی سے طبیعت بے زار ہوگئی تو انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم ایک ہی طرح کی طرز معیشت پر قانع نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے ہمیں پھر گیہوں عنایت ہوں۔ ہم خود زراعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کھیتوں میں برکت دے۔ یہ شوق تنوع تھا۔ (سراج البیان: 20/1)

(3) ﴿لَنْ نَّصْبِرَ﴾ ان کے نعمت پر عدم شکر اور زوال کی دلیل ہے یعنی گویا وہ اپنا زوال طلب کر رہے تھے۔ (تفسیر منیر: 191/1)

(4) ﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا﴾

''لہٰذا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے اس میں سے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے، اپنی سبزیوں میں سے، اور

اپنی ترکاریاں اور اپنی گندم اور اپنے مسور اور اپنے پیاز'' بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنے رب سے دعا کرو ہمارے لیے زمین کی پیداوار نکالے جیسے سبزی، لہسن، مسور، ککڑی اور پیاز وغیرہ جو کہ معروف ہیں۔

(5) بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی غذائیں دی تھیں تاکہ وہ معاش کے لیے کی جانے والی کوششوں سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے میں مصروف ہو جائیں لیکن انہوں نے ضرورت پوری کرنے پر قناعت نہ کی۔ وہ لذتوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ یہ رویہ ان کی بے حس اور عیش پرست ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔

(6) ﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''کیا تم ایک کم تر چیز طلب کرتے ہو'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ کیا تم ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟

(7) ﴿بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ ''ایک بہتر چیز کے بدلے میں'' اس سے مراد من وسلویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا ہے کیا تم کھانے کی عمدہ اور نفع مند چیزوں کی بجائے ردی چیزوں کو ترجیح دیتے ہو؟ (واضح البیان :28)

(8) ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾ ''کسی شہر میں اتر جاؤ تو یقیناً جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہارے لئے ہوگا'' یعنی تمہاری مطلوبہ چیزیں جہاں بھی تم جاؤ ہر شہر میں با آسانی مل سکتی ہیں اس کے لیے خاص دعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔ مصر سے یہاں مراد ملک مصر نہیں بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔

(9) بنی اسرائیل کا یہ سوال سرکشی، بغاوت (اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ٹھکرانے) پر مبنی تھا اور اس کی انہیں کوئی ضرورت بھی نہ تھی، اس لیے انہیں اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم (المصباح المنیر :214/1)

سوال 2: بنی اسرائیل کی ناشکری کا جو نتیجہ سامنے آیا، اس کی وضاحت ﴿وَضُرِبَتْ ... یَعْتَدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل کی ناشکری کے نتیجے میں ذلت وخواری، پستی وبدحالی اُن پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گھر گئے۔

(2) ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ ''اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی'' قانون شرعی کے لحاظ سے ان پر ذلت ڈال دی گئی۔ اب ذلت ومحتاجی ان سے دور نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ذلیل کیا، ان کی ریاست چھن لی اور ان پر مسلمانوں کا جزیہ لگانا سب سے بھاری تھا۔ یہ خود بھی اپنے آپ کو ذلیل ومحتاج سمجھتے ہیں۔ نہ ان کے پاس حکومت وقوت ہے اور نہ تخت وتاج۔ ان پر اس قدر ذلت چھائی کہ مشرکوں نے بھی ان سے جزیہ لیا۔ (السراج المنیر :45/1)

(3)﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' غضب ان کی گردنوں کا طوق ہے کیونکہ انہوں نے حق کی پیروی سے انکار کیا تھا۔ ان کا سودا کتنا برا تھا!

(4)﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے'' یہودی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہرے تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تھا۔

(i) اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات میں سے جو بات اپنی خواہشات کے خلاف لگی اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔

(ii) ایک حکم کے بارے میں یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ڈھٹائی کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی کچھ پرواہ نہ کی۔ (iii) اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھنے کے باوجود اسے اپنی خواہش کے مطابق بدل دیا۔

(5)﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے'' بنی اسرائیل پیغمبروں کو اس لیے قتل کر ڈالتے تھے کیونکہ وہ من مانی کرنا چاہتے تھے اور اس لیے راستہ بتانے والوں کو ہی قتل کر ڈالتے تھے۔

(6)﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ قتل انبیاء کسی صورت میں بھی حق نہیں ہوتا۔ یہ اس فعل کے گھناؤنے پن کو واضح کرنے کے لیے فرمایا۔

(7) ابن کثیر نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو نبیوں کو قتل کر دیا۔ پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ (انوار البیان: 105,104/1)

(8) بنی اسرائیل نے سیدنا زکریا، سیدنا یوحنا، سیدنا یحییٰ، سیدنا یرمیاہ علیہم السلام وغیرہ کو قتل کیا تھا۔

(9) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اس شخص پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو قتل کرے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اس کو قتل کرے۔'' (مسند احمد: 3867)

(10)﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا﴾ ''یہ اس وجہ سے جو انہوں نے نافرمانی کی'' یعنی بنی اسرائیل کو عذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے ملا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، بچھڑے کی پوجا کی، سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا، واجبات کو ترک کیا، حرام کاموں کا ارتکاب کیا، اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ ڈالا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام نہیں کیا۔

(11)﴿وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ ''اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے'' (i) یہودی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زیادتیاں کرتے تھے۔

(ii) یہود بدعات ایجاد کرتے تھے یعنی دین میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول مقرر کیے ہیں، جن کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہے، ان کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے دین میں نئی باتیں ایجاد کر کے اپنی مرضی سے گناہ اور ثواب کے فیصلے کرتے تھے۔

(iii) یہود دین میں غلو کر کے حد سے نکل جاتے تھے۔

(12) گناہ اور معاصی ایک دوسرے کا سبب بنتے ہیں۔ پس غفلت سے گناہ صغیرہ جنم لیتے ہیں پھر ان گناہوں سے گناہ کبیرہ جنم لیتے ہیں پھر کبیرہ گناہوں سے مختلف قسم کی بدعات اور کفر کے رویئے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ہر آزمائش سے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:118/1)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـُٔوْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو کوئی اللہ تعالیٰ اور

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' (62)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات اور کامیابی کا اصول کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ... یَحْزَنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی مخصوص گروہ (مسلمان، یہودی، عیسائی، صابی وغیرہ) ہونے کی بناء پر درجہ نہیں رکھتا۔ نجات اور کامیابی کا ایک ہی پختہ اصول ہے: ایمان اور عمل صالح۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے کا اعتبار اس بناء پر ہے کہ کس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح اور نیکی و اطاعت کی راہ کو اختیار کیا تو انہیں بہت اچھا صلہ ملے گا اور قیامت تک یہی اصول کارفرما رہے گا۔ اسی اصول کے تحت جو شخص بھی رسول اکرم نبی ﷺ کی پیروی کرے گا تو اسے ابدی سعادت و کامرانی نصیب ہوگی۔ مستقبل میں انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ماضی کے بارے میں انہیں کوئی ملال ہوگا۔ (المصباح المنیر:216/1)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے'' اس سے مراد مسلمان ہیں جو ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر پورے شعور کے ساتھ سچے دل سے ایمان لائیں اور نبی ﷺ کی اتباع کریں۔

(4)﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ''اور جو یہودی ہوئے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کو یہودی کہتے ہیں۔

(5)﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ ''اور عیسائی'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی کہتے ہیں۔

(6)﴿وَالصّٰبِـِٕيْنَ﴾ ''اور صابی'' صابی کسی دین کے پیروکار نہیں، لامذہب لوگوں کو صابی کہتے ہیں۔ صحیح رائے یہ ہے کہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے۔

(7)﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا'' جو اپنے نبی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔

(8)﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور اس نے نیک کام کیے'' اور اپنی شریعت کے مطابق نیک عمل کیے۔

(9)﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے'' ان کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے۔

(تفسیر منیر:193/1)

(10)﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو غم اور خوف سے بے نیاز کر دیں گے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔'' (یونس:62)

(11) خوف اور غم میں وہ مبتلا ہوتا ہے جس کا کوئی رب نہیں ہوتا اور جس کا اللہ تعالیٰ سے کم اور دوسری چیزوں سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔

(12) تمام ادیان دین اسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر نبی آخر کی آمد سے پہلے لکھا تھا۔

(تفسیر قاسمی:142)

(13) (اس آیت کی تفسیر میں) صحیح مسلک یہ ہے کہ ان فرقوں کے مابین یہ محاکمہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی نسبت سے نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ان کے احوال کی خبر ہے۔ یہ قرآن مجید کا طریقہ ہے۔ جب سیاق آیات کے بارے میں بعض نفوس وہم کا شکار ہو جائیں تو لازمی طور پر وہ کوئی ایسی چیز ضرور پائیں گے جو ان کے وہم کو زائل کر دے۔ کیونکہ یہ کلام ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ان کو جانتی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر مذمت کے طور پر کیا ہے اور ان کے گناہوں اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے تو بسا اوقات دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس مذمت میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح کر دیا جو اس مذمت میں شامل نہیں۔ نیز چونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ وہم پیدا

ہوتا ہے کہ مذکورہ باتیں صرف بنی اسرائیل ہی سے متعلق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک عام حکم بیان کر دیا جو تمام طوائف کو شامل ہے تا کہ حق واضح اور وہم و اشکال دور ہو جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب میں ایسی چیزیں بیان کی ہیں جو عقلوں کو متحیر کر دیتی ہیں۔ (تفسیر سعدی:1/119)

سوال 2: کیا رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد بھی جو جس دین کو مانتا ہے اس پر ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اس کی نجات ہو جائے گی؟

جواب: (1) وحدت ادیان کے باطل فلسفے کا مرکز و محور یہ ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے اس کی نجات ہو جائے گی۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا ہے کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے، (شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔'' (صحیح مسلم:386)

(3) سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اپنی رضا کا (دل سے) اعلان کر دیا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔'' (مسلم:151)

(4) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اس بات کا قائل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی بندی (سیدہ مریم علیہا السلام) کے بیٹے اور کلمۃ اللہ ہیں جو اس نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا اور روح اللہ ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔'' (مسلم:140)

(5) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ''یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔'' (آل عمران:19) اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے

والوں میں سے ہوگا۔'' (آل عمران:85)

(6) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ایمان کی آخری شکل اسلام کی صورت میں متعین ہوگئی ہے۔لہٰذا اب اسلام قبول کئے بغیر کسی کو اس کے عمل کی جزا آخرت میں نہیں ملے گی۔البتہ دنیا میں اچھے کاموں کی جزا ضرور دے دی جاتی ہے کبھی رزق کی کشادگی کی شکل میں،کبھی کاموں میں آسانی یا اچھی شہرت کی شکل میں۔

(7) وحدت ادیان کا فلسفہ گمراہ کن ہے۔جو محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہے اور جو ان پر ایمان لایا وہ مومن ہوگیا۔اب وہ یہودی،عیسائی یا مجوسی نہیں رہا۔(تفسیر قاسمی:141/1)

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

''اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تم پر پہاڑ کو بلند کیا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو اس

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ جاؤ'' (63)

سوال 1: بنی اسرائیل سے جو میثاق لیا گیا تھا،اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا ... تَتَّقُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے بنی اسرائیل کو وہ میثاق یاد دلایا ہے جو ان سے لیا گیا تھا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے رسولوں کی پیروی کریں گے۔فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ﴾ ''اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا'' وہ وقت یاد کرو جب طور کو تمہارے اوپر معلق کر کے تم سے پختہ عہد لیا تھا تا کہ وہ مضبوطی سے عہد پر قائم رہیں۔

(2) ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ ''اور ہم نے تم پر پہاڑ کو بلند کیا'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: طور وہ پہاڑ ہے جس کے اوپر تورات نازل ہوئی تھی اور بنی اسرائیل اس کے نیچے تھے۔(جامع البیان:464/1)

(3) فرشتوں نے اس پہاڑ کو اوپر اٹھایا تھا۔(ابن ابی حاتم:129/1)

(4) رب العزت نے ان سے عہد لیا: ﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ ''جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو'' حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یعنی تورات کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔(ابن ابی حاتم:130/1)

(5) یعنی تورات کو محنت،کوشش اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر و استقامت کے ساتھ پکڑے رکھو۔(تفسیر سعدی:120/1)

(6) ﴿وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ ''اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو'' (i) ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یعنی جو کچھ تورات میں ہے اسے سیکھو۔(جامع البیان:466/1) (ii) اس کتاب کی تلاوت کرو۔(iii) اس پر عمل کر کے یاد رکھو۔(تفسیر منیر:196/1)

(iv)اس کتاب کو یاد رکھو اسے بھلاؤ نہیں، اس میں غور وفکر کرو۔ بے شک ذکر دل سے کرو یا اس پر عمل کرو۔ (تفسیر ابی سعود:210/1)

(v)جو کچھ تورات میں حلال وحرام ہوا سے یاد رکھو اور اس پر عمل کرو اور کہا گیا: جو کچھ اس میں ثواب وعذاب ہے اسے یاد رکھو۔ (تفسیر الوسیط:151/1)

(vi)جو کچھ کتاب میں ہے اسے یاد رکھو اور اس کی تعلیم دو۔ نہ اسے بھولو اور نہ اس سے غافل ہو۔ (تفسیر قاسمی:148/1)

(7)﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تا کہ تم بچ جاؤ'' تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کی ناراضگی سے بچو اور ایسے کاموں کو چھوڑ دو جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

(8)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''اور جب ہم نے پہاڑ کو ہلا کر ان کے اوپر اُٹھا دیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر واقعتا گرنے والا ہے۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت سے پکڑو اور جو بھی اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم بچ جاؤ۔'' (الاعراف:171)

سوال2: یہود سے عہد لیتے ہوئے وادی طور میں دہشت ناک صورت حال پیدا کی گئی۔ اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے طور کی وادی میں کوہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا۔ اس طرح وادی طور میں دہشت ناک صورت حال پیدا کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل اس قوم کے افراد تھے جنہوں نے نیکی کی بات کو کم ہی قبول کیا تھا۔ اپنے بھائی بندوں کو قتل کر دینا، انبیاء علیہم السلام کو مار ڈالنا، زیادتیاں کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنا اپنا شیوہ بنائے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر بنا دیا۔ ان کے دلوں کے اندر اتنی شدید سختی موجود تھی جس کے ساتھ ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی معاہدہ نبھا سکتے۔ جب کبھی دل سخت ہو جاتے ہیں تو اس کا علاج اسی طرح کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کیا ہوا طریقہ کار ہے۔

سوال3: ہر وہ شخص جو ایمان لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ایک عہد (معاہدہ) کرتا ہے۔ اس معاہدے کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: (1)ایمان لانا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرنا ہے کہ میرا جینا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

(2)اس معاہدہ میں ایک طرف عاجز بندہ ہے اور دوسری طرف وہ ذات جس کے ہاتھ میں آسمان وزمین کی طاقتیں ہیں۔

(3)اگر انسان اس معاہدے کو پورا کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں ہیں۔

(4)اگر انسان اس معاہدے سے پھر جائے تو اس کے لیے شدید خطرہ ہے کہ اس کا مالک اسے جہنم میں ڈال دے جہاں وہ

اس طرح جلتا رہے کہ بچ نکلنے کے لیے پھر کبھی کوئی راستہ نہ ملے۔

سوال4: ایمانی عہد کے وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ایک خاص کیفیت سے گزارا گیا تھا۔ بندۂ مومن سے اب کیسی کیفیت مطلوب ہے؟

جواب: ایمانی عہد پر ایک مومن سے وہی کیفیت مطلوب ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر گزری تھی۔ ہر شخص کو جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھتا ہے، اس عہد کی سنگینی سے اسی طرح کانپنا چاہیے کہ اگر اس نے عہد کی خلاف ورزی کی تو آسمان وزمین اس پر گر پڑیں گے۔

سوال5: کون اپنا معاہدہ ایمانی پورا کر سکتا ہے؟

جواب: (1) جو اپنا عقیدہ درست رکھے۔ (2) جو اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھے۔

(3) جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ، مستحب اور مسنون کاموں کا خیال رکھے۔

﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ

''پھر اس کے بعد تم اس سے پھر گئے تو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے'' (64)

سوال1: بنی اسرائیل نے عہد کے بعد جو رویہ اختیار کیا، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ ... مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل نے اپنا عہد توڑ ڈالا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ''پھر تم اس سے پھر گئے'' اس کے بعد تم نے اعراض کیا اور اس سے پیٹھ پھیری۔ (صفوۃ التفاسیر: 56/1)

(2) ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''اس کے بعد'' اس پختہ معاہدے کے بعد۔ (تفسیر ابی سعود: 210/1)

(3) اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھنے کے عہد سے بنی اسرائیل پھر گئے تھے۔

(4) یہ معاہدے سے پھر جانا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بنا۔

(5) ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ''تو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی''

(i) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن مجید ہے۔ (ابن ابی حاتم: 131/1)

(ii) سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اسلام اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور قرآن اس کی رحمت ہے۔ (المحرر الوجیز: 159/1)

(6) ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے'' اگر حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تم پر رحم نہ فرماتا، تمہاری طرف متوجہ نہ ہوتا اور نبی ورسول تمہارے پاس نہ بھیجتا تو تم اپنی اس بدعہدی کی وجہ سے دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار ہوتے اور بڑا بھاری خسارہ اٹھاتے۔ (السراج المنیر: 47/1)

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ یعنی دنیا اور آخرت میں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (ابن ابی حاتم: 132/1)

اس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ یقیناً خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، سن لو! یہی کھلا خسارہ ہے۔'' (الزمر: 15)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنا دراصل اپنے آپ کو انسانی سطح سے گرا کر حیوانی سطح پر لے آنا ہے۔

(2) جب انسان اللہ تعالیٰ کے دین کا پابند نہیں رہتا تو اس کے پاس دوسرا کوئی دین ہی نہیں ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنے سے انسانی ہمدردی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان انسانوں کے حق مارتے ہیں، انسانوں کے خون پسینے کی کمائی چوستے ہیں، قتل وغارت گری ایسی سوسائٹی میں عام ہو جاتی ہے، چوری ڈاکے عام ہو جاتے ہیں، زنا کاری عام ہو جاتی ہے اور پوری زمین فساد سے بھر جاتی ہے۔

سوال 3: قرآن حکیم سے منہ پھیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب: (1) لوگ قرآن حکیم کو اپنے لیے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ (2) وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کا انہیں کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔ (3) وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کو پڑھ لینے سے ہماری زندگی کے اندر کوئی ایسا معاملہ ہونے والا نہیں جس سے ہمیں کوئی فائدہ نصیب ہو جائے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہونے والا۔

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

''اور بلاشبہ تم جان چکے ہو کہ تم میں سے جو لوگ ہفتے کے دن میں حد سے گزر گئے تو ہم نے انہیں کہا کہ تم

قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ﴾

ذلیل ہونے والے بندر بن جاؤ'' (65)

سوال 1: سبت کا قانون توڑنے پر بنی اسرائیل کو جو سزا ملی، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ... خَاسِئِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل نے سبت کا قانون توڑا تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اُن کو بندر بنا دیا۔ جب انسان جانوروں کی طرح سوچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کو جانور بنا دیتا ہے۔

(2) ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ﴾ ''اور بلاشبہ تم جان چکے ہو'' یعنی اے یہود! تم خوب اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ان بستی والوں پر کیسا توہین آمیز عذاب آیا تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس عہد کو توڑا جو ان سے ہفتے کے دن کی تعظیم کے بارے میں لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا۔

(3) ﴿الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ ''تم میں سے جو لوگ ہفتے کے دن میں حد سے گزر گئے'' سبت کا قانون یہ تھا کہ ہفتے کا دن عبادت کے لیے خاص ہوگا۔ اس دن دنیا کا کوئی کام نہ خود کریں گے، نہ اپنے ملازموں سے کروائیں گے۔ جو کوئی اس قانون کو توڑے گا وہ واجب القتل ہے۔ بنی اسرائیل نے ہفتے کے دن عبادت کرنے کی بجائے تجارت کی اور اس دن کی حرمت کو پامال کیا۔

(4) بنی اسرائیل نے حد سے تجاوز کیا۔ شکار کو ان کے لئے حرام کیا گیا تھا تو انہوں نے شکار کیا۔ (ایسر التفاسیر: 41/1)

(5) ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ﴾ ''تو ہم نے انہیں کہا کہ تم ذلیل ہونے والے بندر بن جاؤ'' بنی اسرائیل سے یہ کہا گیا تھا کہ ہفتے کے دن کی حرمت برقرار رکھو۔ اس روز مچھلیوں کا شکار نہ کرو۔ ہفتے کے دن مچھلیوں کے شکار کی یہ تدبیر ان کے ذہن میں آئی کہ گڑھے کھود کر ان میں جال اور کانٹے ڈال دیے جائیں۔ ہفتے کے دن مچھلیاں جالوں میں پھنس جائیں گی اور اتوار کو پکڑ لی جائیں گی۔ انہوں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ بنی اسرائیل کی حیلہ سازی کے اس گناہ عظیم نے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب واجب کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حقیر اور ذلیل بندر بنا دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا، رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۱۶۳) وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۱۶۴) فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۱۶۵)﴾ ''اور آپ ان سے اس بستی کے بارے میں پوچھیں جو سمندر کے کنارے تھی، جب وہ سبت (ہفتے کے دن) کے بارے میں حد سے تجاوز کرتے تھے، جب کہ ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں سر اٹھائے ان کے پاس آجاتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا وہ ان کے پاس نہیں آتی تھیں، ہم نے ایسے ہی ان کی آزمائش کی اس وجہ سے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو عذاب دینے والا ہے، سخت عذاب؟'' انہوں نے کہا: ''تمہارے رب کے حضور معذرت کے لیے اور شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں۔'' پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکا کرتے تھے۔ اور ان کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔'' (الاعراف:163-165)

سوال 2: شریعت کے حامل گروہ کی گمراہی کی کیا صورت ہوتی ہے؟

جواب: شریعت کے حامل گروہ کی گمراہی کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ عملاً اس کے خلاف چلے اور تاویلوں کے ذریعے یہ ظاہر کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ جیسے یہود کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سبت کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص رکھیں گے اور کوئی دنیوی کام نہیں کریں گے مگر انہوں نے اس دن کاروبار کیا اور تاویلوں سے یہ ثابت کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہیں۔

سوال 3: ایمان لانے کے بعد بے حسی کی بیماری کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر۔ (2) آخرت کو بھلانے سے۔ (3) زیادہ سوال کرنے سے۔ (4) تاویلیں گھڑنے سے۔ (5) حجتیں پیش کرنے سے۔ (6) بحثیں کرنے سے۔ دین کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھنے سے اور دین کا کام نہ کرنے سے دل سخت ہو جاتے ہیں اور دل سخت ہو جائیں تو عام انسانی باتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی باتوں میں بھی انسان سرکشی پر مبنی رویہ اختیار کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا تصور دل کو نہیں پگھلاتا، اندر تڑپ پیدا نہیں کرتا، روح کے اندر ارتعاش پیدا کرنے کا سبب نہیں بنتا۔

﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

''تو ہم نے اس کو اس دور کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا'' (66)

سوال: جن لوگوں نے سبت کے قانون کی خلاف ورزی کی اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا۔ اس واقعہ کو کن لوگوں کے

لیے عبرت اور نصیحت بنا دیا گیا، اس کی وضاحت ﴿فَجَعَلْنٰهَا ... لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سبت کے الٰہی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے بندر بنائے جانے کے واقعہ کو سب کے لئے عبرت بنا دیا تا کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں مگر نصیحت صرف متقیوں کے لئے ہے کیونکہ وہی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ واقعات عام لوگوں کے لئے عبرت بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنتے ہیں۔

(2) ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا﴾ ''تو ہم نے اس کو اس دور کے لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس زمانے کی قوموں کے لیے جنہیں یہ خبر پہنچی عبرت بنا دیا۔

(3) ﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ ''اور بعد میں آنے والوں کے لئے'' اور ان قوموں کے لئے بھی اسے عبرت بنا دیا جو بعد میں آئیں۔

(4) (i) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے بندر بن جانے والوں کو جنہوں نے دیکھا، ان کے لئے یہ واقعہ آنکھوں دیکھی گواہی تھا۔ اس زمانے کے باقی لوگوں اور بعد میں آنے والوں نے اگرچہ دیکھا نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا کہ نافرمانی کرنے پر شکلیں مسخ ہو سکتی ہیں۔ (ii) انسان کے وجود پر اصل اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، انسان جو چاہے نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے کیے کی سزا ملے گی۔ (iii) اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے ان پر حجت قائم کر دی تا کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں۔ (5) ﴿وَمَوْعِظَةً﴾ کا مادہ و۔ ع۔ ظ ہے۔ وعظ ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جو دل کو پگھلا دے۔

(6) ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے'' اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لئے اس واقعہ میں بڑی نصیحت ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی شریعت سے منہ موڑتا ہے تو اپنے آپ کو جانوروں کی سطح پر لے آتا ہے۔ متقی انسان کے لیے اس میں نصیحت ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی اُسے ذلت میں نہ مبتلا کر دے جس میں یہودی نافرمانیوں کی وجہ سے مبتلا ہوئے تھے۔ (7) امام ابو عبداللہ ابن بطہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان امور کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا کہ معمولی حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے لگ جاؤ۔'' (رواہ الغلیل: 1535)

(8) واقعہ میں انسانوں کے لیے عبرت بھی ہوتی ہے نصیحت بھی۔ واقعات سے عبرت وہی لے سکتا ہے جو واقعات کو صحیح رُخ سے جان سکے اور واقعات سے نصیحت وہ لے سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف نظریں لگا دے اور اللہ تعالیٰ سے خوف رکھے۔

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو''۔ انہوں نے کہا:

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾

''کیاتم ہمارامذاق بناتے ہو''؟ موسیٰ نے کہا: ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہوجاؤں'' (67)

سوال : اس آیت میں بنی اسرائیل کو جو واقعہ یاد دلایا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ قَالَ ...مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو'' اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ واقعات یاد دلاتے ہیں جو ان کے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پیش آئے تھے۔ یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

(2) گائے ذبح کرنے کا حکم ایک قتل کے فیصلے کے لئے دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں ایک بے اولاد مال دار آدمی تھا جس کا وارث اس کا بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی کے دروازے پر ڈال دی۔ صبح لوگ قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے۔ بات سیدنا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا تو وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا۔ (فتح القدیر)

(3) بنی اسرائیل گائے کی پوجا کرتے تھے، اس لیے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ ان کے ذہن سے اس تقدس کو توڑا جائے۔

(4) تم نے گائے ذبح کرنے سے بچنے کے لئے کتنے عذر تراشے۔ تم پر واجب تھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی پیروی کرتے۔

(5) گائے ذبح کرنے کے حکم کے جواب میں بنی اسرائیل نے کہا: ﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ ''انہوں نے کہا: کیا تم ہمارا مذاق بناتے ہو'' اس جواب سے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ نبی کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتے تھے، وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتے تھے اور وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی نفسیات رکھتے تھے۔

(6) ﴿قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ موسیٰ نے کہا: ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہوجاؤں'' یعنی اپنے آپ کو اپنی خواہش اور مرضی کے نہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں جو مجھے ہر برائی سے بچا سکتا ہے کیونکہ جاہل ہی ایسی بات کیا کرتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہی لوگوں کا تمسخر اڑایا کرتا ہے۔ عقل مند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اپنے جیسے کسی آدمی کا مذاق اڑانا عقل و دین کا سب سے بڑا عیب ہے اگرچہ اسے اس آدمی پر فضیلت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ فضیلت تو تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ (تفسیر سعدی: 123/1)

(7)﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں سبق بھی ہے کہ آپ کو بھی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

''انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو''؟ موسیٰ نے کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا

وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ﴾

ہے کہ یقیناوہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان جوان عمر کی ہو لہٰذا تم کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے'' (68)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کے حکم کے جواب میں بنی اسرائیل نے جو رویہ اختیار کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوا ... مَا هِيَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ ''انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو'' بنی اسرائیل نے دین کے سادہ حکم کو بوجھل بنا دیا اور حکم کی تعمیل کی بجائے کھوج کرید کا طریقہ اختیار کیا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ کیا ہے یعنی اس گائے کی عمر کیا ہے۔

(2) یہودیوں کی سرکشی اور سوالات کی بھرمار کی خبر دی جا رہی ہے جب انہوں نے خود اپنے اوپر تنگی کی تو اللہ پاک نے بھی ان پر تنگی ڈال دی۔ اگر حکم پاتے ہی کسی بھی گائے کو ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا مگر انہوں نے کھوج کرید شروع کر دی اور سوالات کرتے ہی رہے۔ ادھر سے بھی سختی بڑھتی ہی رہی۔ (السراج المنیر: 49/1)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ اِنَّهٗ ... تُؤْمَرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ﴾

''موسیٰ نے کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناوہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان جوان عمر کی ہو لہٰذا تم کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہے جو بڑی نہیں اور نہ ہی زیادہ چھوٹی ہے، متوسط عمر کی ہے لہٰذا تشدد اور تکلف کو چھوڑو اور وہ کام کرو جسے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(2) مذہب کی اصل روح تسلیم و رضا ہے جرح و نقد نہیں۔ ایک دفعہ ایک نظام عمل کو مان لینے کے بعد صرف عمل کے لئے گنجائش

رہ جاتی ہے پس تم سے بھی یہی مطالبہ ہے۔(سراج البیان:1/23)(3)حکم آنے پر ایک مومن کو فوراً اس پر عمل کرنا چاہیے۔

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ﴾

''انہوں نے کہا:''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو''؟موسیٰ نے کہا:''بے شک

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناوہ زرد رنگ کی گائے ہو،اس کا رنگ چمکنے والا ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو''(69)

سوال1:بنی اسرائیل نے گائے کے بارے میں مزید تفصیل پوچھی تو انہیں کیا جواب دیا گیا،اس کی وضاحت ﴿قَالُوا ... النّٰظِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا﴾''انہوں نے کہا:ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو''بنی اسرائیل نے ایک بار پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے اور مزید تفصیل واضح کرنے کے لیے کہا کہ گائے کا رنگ کیسا ہو۔

(2)﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا﴾''موسیٰ نے کہا:بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناوہ زرد رنگ کی گائے ہو،اس کا رنگ چمکنے والا ہو''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا گائے گہرے زرد رنگ کی ہو،اس کا چمکتا رنگ ہو۔

(3)﴿تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ﴾''کہ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو''اپنے حسن کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ اچھی لگتی ہو۔

(4)بنی اسرائیل کی طرف سے بار بار تفصیلات معلوم کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح سے اس حکم کی پیروی سے نکلنا چاہتے تھے۔یہ دراصل صرف حکم سے فرار نہیں،خود رب سے فرار ہے۔

سوال2:انسان جب کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تو کیسا رویہ اختیار کرتا ہے؟

جواب:(1)جب انسان نے کوئی کام نہیں کرنا ہوتا تو ایک کے بعد ایک اعتراض کرتا ہے۔

(2)جب انسان کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تو اس کے لئے بعض اوقات بہت سوال کرتا ہے۔

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ

''انہوں نے کہا:''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ وہ کیسی ہو؟بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ﴾

ہے اور یقیناً اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور مقصد تک پہنچنے والے ہوں گے" (70)

سوال 1: کیا بنی اسرائیل کو گائے کے بارے میں واقعی شبہ تھا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوا ... لَمُهْتَدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا﴾ "انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے" بنی اسرائیل کو شبہ نہیں تھا بلکہ بالکل واضح طور پر پتہ تھا کہ گائے کو ذبح کرنا ہے لیکن چاہتے تھے کہ کوئی سوال ہمیں گائے کو ذبح کرنے سے بچا ہی دے۔

(2) ﴿وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ﴾ "اور یقیناً اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور مقصد تک پہنچنے والے ہوں گے" یعنی گائے کو ذبح کرنے کی ہدایت پا لیں گے۔ (تفسیر قاسمی: 154/1)

سوال 2: کیا بہت زیادہ سوال کرنے سے انسان ہدایت پا سکتا ہے؟

جواب: (1) بہت زیادہ سوال کرنے سے انسان ہدایت نہیں پا سکتا۔

(2) زیادہ سوال کرنے سے انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس میں بے حسی آ جاتی ہے۔

﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا

"موسیٰ نے جواب دیا: "یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ نہ جوتی ہوئی ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو،

شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

صحیح سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو" انہوں نے کہا: "اب تم حق لائے ہو" پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے" (71)

سوال: بنی اسرائیل کو گائے کے بارے میں جو ہدایات دی گئیں، ان کی وضاحت ﴿قَالَ ... يَفْعَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ﴾ "موسیٰ نے جواب دیا: "یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے جواب دیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ﴾ "وہ گائے ایسی ہو کہ نہ جوتی ہوئی ہو" گائے کام کرنے والی نہ ہو۔

(2)﴿تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ ''کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو'' یعنی وہ کھتی باڑی کے کام کر کے کمزور اور مطیع نہ ہو اور نہ کھیتیوں کو پانی پلاتی ہو۔

(3)﴿مُسَلَّمَةٌ﴾ ''صحیح سالم ہو'' ہر عیب سے اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ہو۔ اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا ہو۔

(4)﴿لَّا شِيَةَ فِيْهَا﴾ ''اور اس میں کوئی داغ نہ ہو'' اس میں کسی دوسرے رنگ کا نشان نہ ہو۔

(5)﴿قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اب تم حق لائے ہو'' یعنی گائے کے بارے میں آپ نے صحیح بات بتائی ہے حالانکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار ہی بات واضح کر دی تھی۔ وہ کوئی گائے بھی لے آتے اور ذبح کرتے تو حکم پورا ہو جاتا مگر پہلے انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔

(6)﴿فَذَبَحُوْهَا﴾ ''پھر انہوں نے اسے ذبح کیا'' انہوں نے مطلوبہ گائے ذبح کر دی۔

(7)﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے'' وہ تکلف اور تشدد کی وجہ سے گائے ذبح کرتے نظر نہیں آتے تھے۔(8) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے، یعنی انہوں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ اسے ذبح نہ کریں۔ (ابن ابی حاتم: 143/1)

(9)﴿فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے'' اس سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور ڈھٹائی کو بے نقاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گائے ذبح کرنے کے حکم سے ان کے اندر کی گائے کی محبت کو ضرب لگائی جس سے ان کی ڈھٹائی اور سرکشی کٹ حجتیوں میں اتر آئی اور یوں ان کی اصلیت بے نقاب ہو گئی تھی۔

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا، پھر ایک دوسرے سے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾

اور اللہ تعالیٰ اس کو نکالنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے'' (72)

سوال 1: سورۃ البقرۃ کی اس آیت ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ ... فِيْهَا﴾ میں کس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

جواب: (1)﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر ایک دوسرے سے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے'' یہ واقعہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا۔ قاتل یا مقتول کون تھے؟ قرآن مجید اس معاملے میں خاموش ہے۔ واقعات عبرت اور نصیحت کے لئے ہوتے ہیں اور ہمارا کام عبرت پکڑنا ہے۔

(2) بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ کے معنی ہیں کہ تم نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔
(بخاری، قبل الحدیث:3407)

(3) اللہ تعالیٰ نے قتل کی حقیقت کھولنے کے لیے حکم دیا کہ گائے کا ایک حصہ مقتول کو مارا جائے۔ جب ایسا کیا گیا تو مردہ زندہ ہوا، اُس نے اصل قاتل کے بارے میں بتایا اور پھر مر گیا۔

(4) اللہ تعالیٰ نے حقیقت کھول دی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر کر دیا کہ قاتل کون ہے؟ (5) مقتول کو دوبارہ زندہ کرنے کے واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت کھول دی کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ سے کیا واضح کیا گیا ہے؟

جواب: (1) ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو نکالنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے'' اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ جیسے رات میں کیا گیا قتل تم نے چھپایا تھا تو اسے کھول دیا گیا ایسے ہی نیکی ہو یا بدی، چھپ کر کرو تب بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے انسان کے چھپے ہوئے کو ظاہر کرنے سے یہ سبق دیا ہے کہ: (i) برائی کھل جائے تو بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے لہٰذا برائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علم کو ضرور ذہن میں رکھو۔ تم چھپ کر کوئی برائی کرو تو تب بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ یہ زندگی کا اصول اور عقیدہ ہے۔ یہی عقیدہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ (ii) ہر جگہ، ہر وقت اچھے کام کرو تا کہ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو شرمندگی نہ ہو۔

سوال 3: ''اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے'' انسانی دل پر اس یقین کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: یہ بات دل کو خوف میں مبتلا کرتی ہے۔ انسان اپنی برائیوں کو چھپانا چاہتا ہے کہ میری عزت پر حرف آئے گا، میرا تأثر خراب ہو جائے گا لہٰذا اللہ رب العزت نے یہ بتایا ہے کہ اس کے سامنے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم نے تنہائی میں چھپ کر بھی جرائم کئے تو اللہ تعالیٰ کھول دے گا۔ اس احساس کے تحت اگر ایک انسان تنہائی میں بھی اپنے اوپر رب کو نگران سمجھتا ہے تو پھر اپنی برائی کے پیچھے پڑتا ہے پھر اس کی اصلاح ہوتی ہے۔

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

''چنانچہ ہم نے حکم دیا کہ اس لاش کو اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو، اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو'' (73)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے قتل کے معاملے کو واضح کرنے کے لیے کیا حکم دیا تھا، اس کی وضاحت ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾ ''چنانچہ ہم نے حکم دیا کہ اس لاش کو اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو'' اللہ تعالیٰ نے قتل کے معاملے کو واضح کرنے کے لیے حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو اور اس کا ایک عضو مقتول کو لگاؤ۔

(2) یہ عضو جسم کے کس حصے کا تھا اگر اس کے بتانے میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور بتا دیتے۔

(3) جس طرح کی گائے کا بالآخر مطالبہ کیا گیا وہ بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے پاس مل گئی۔ بنی اسرائیل نے اسے سونے کے ساتھ تول کر خریدا۔

(4) پھر اس کے جسم کے ٹکڑے کو مقتول کے ساتھ لگایا تو وہ فوراً زندہ ہو گیا۔ اس کے زخموں سے خون جاری تھا۔ اس سے پوچھا گیا کس نے قتل کیا؟ اس نے قاتل کا نام بتایا اور پھر مر گیا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زندگی بعد الموت کا کیا نمونہ دکھایا، اس کی وضاحت ﴿كَذٰلِكَ ... تَعْقِلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ ''اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے'' اسرائیلیوں نے اپنی آنکھوں سے مردے کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کا مشاہدہ کروا کر زندگی بعد الموت کا نمونہ بھی دکھا دیا اور باہمی جھگڑا بھی چکا دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 51,50/1)

(2) اللہ تعالیٰ نے مردہ گائے کے ٹکڑے سے مقتول کو زندہ کروایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔

(3) ﴿وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے'' اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں مثلاً

(i) جس زندہ گائے کی عظمت کے تم قائل ہو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہے مردہ گائے کے ٹکڑے سے مردہ کو زندگی بخش دے۔ (ii) اسی طرح قیامت اور موت کے معاملات انسان کے لئے راز رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ تم راز کو نہیں پا سکتے لہٰذا بغیر راز کو جانے یقین کر لو کہ موت اور قیامت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

(iii) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کے دلائل دکھاتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو، تدبر کرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح

قدرت رکھنے والا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:59/1)

(4)﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''تا کہ تم سمجھو'' تا کہ تم عقل سے کام لو اور ان کاموں سے رک جاؤ جو تمہارے لیے ضرر رساں ہیں۔

(5) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حیاۃ بعد الموت (موت کے بعد کی زندگی) ایسا موضوع ہے جس پر غور وفکر کرنے کی اور اس کو سوچتے رہنے کی بہت ضرورت ہے۔

سوال 3: رب العزت نے سورۃ البقرہ میں زندگی بعد الموت کے مزید کون سے واقعات بیان فرمائے ہیں؟

جواب:(1)﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ ''کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: مر جاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً لوگوں پر بڑے فضل والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔'' (البقرۃ:243)

(2)﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۵۹) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۶۰)﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے؟'' اس نے کہا: ''میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ تم سو سال تک رہے، سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتا پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ

تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اس نے کہا: ''کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔'' اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (البقرۃ:259،260)

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح یا سختی میں اس سے بڑھ کر ہو گئے اور بے شک پتھروں میں سے

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ

یقیناً کچھ وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان میں سے یقیناً وہ بھی ہے جو پھٹ جاتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

اور بے شک ان میں سے ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' (74)

سوال 1: بنی اسرائیل کی سنگ دلی کی وضاحت ﴿ثُمَّ ... تَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) بنی اسرائیل کی سنگ دلی کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے'' اللہ تعالیٰ نے جیسے بنی اسرائیل کو انعامات سے نوازا، مردوں کو زندہ کرنے جیسی اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا تو ان لوگوں کے دل نرم پڑنے چاہیے تھے مگر وہ سخت ہو گئے گویا یہ پتھروں جیسے ہیں۔

(2) دل کی سختی سے مراد ہے: (i) دل پر کسی ہدایت یا نشانی کا اثر نہ ہونا۔ (ii) دل کا اچھی بات کے لیے بند ہو جانا۔ (iii) دل کا نہ پگھلنا۔ (iv) حق قبول کرنے کے لئے دل کا بند ہو جانا۔

(3) پھر تمہارے دل سخت ہو گئے کہ ان پر نصیحت اثر نہیں کرتی ہے۔

(4) ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ﴾ ''تو وہ پتھروں کی طرح ہیں'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کے بارے میں واضح فرمایا کہ وہ پتھر کی مانند ہیں جو لوہے سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ لوہا پگھل جاتا ہے جب کہ پتھر کبھی نہیں پگھلتا۔

(5) ﴿اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ''یا سختی میں اس سے بڑھ کر ہو گئے'' یعنی پتھروں سے بھی زیادہ سخت یعنی دلوں کی سختی پتھروں

سے کسی بھی طور کم نہیں۔

(6)﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ ''اور بے شک پتھروں میں سے یقینا کچھ وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان میں سے یقیناوہ بھی ہے جو پھٹ جاتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور بے شک ان میں سے ہے جو یقینا اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتا ہے'' یعنی طویل مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے دل اس قدر سخت ہو گئے کہ آیات ومعجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انہوں نے نصیحت وموعظت کو قبول نہ کیا۔ یہ دل سختی میں ان پتھروں کی طرح ہیں جن کا کوئی علاج نہیں بلکہ یہ تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ پتھروں سے تو چشمے اور نہریں بہہ پڑتی ہیں۔ بعض پتھروں سے پانی نکل آتا ہے گو وہ جاری نہ بھی ہو اور بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر کر نیچے آجاتے ہیں۔ ان میں اپنے حسبِ حال ادراک ہے۔ (المصباح المنیر :227/1)

(7) رب العزت نے فرمایا:﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو یقینا آپ اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتے اور یہ مثالیں ہیں ہم انہیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (الحشر:21)

(8)(i) مسلسل گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔(ii) جب اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس نہ رہے اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی ہو۔(iii) جب قیامت کے دن اور حساب کتاب کا احساس نہ رہے۔(iv) جب اپنی غلطی کا احساس نہ ہو اور انسان اپنی غلطیوں کو دوسروں میں دیکھے اور ایک دوسرے پر الزام تراشے تو دل سخت ہو جاتے ہیں۔ رب العزت نے دل کی سختی کے بارے میں فرمایا:﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ ''چنانچہ ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔'' (المائدہ:13)

(9) جب ایک انسان سچائی کی طرف جانے کے بجائے اپنا رُخ بدل دیتا ہے، آہستہ آہستہ انسان کے دل سے اللہ کی یاد نکلتی جاتی ہے کیونکہ مقصد تبدیل ہو جاتا ہے پھر اور طرف دل مصروف ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ دل سخت ہو جاتا ہے پھر آخرت کی جواب دہی کا احساس نہیں رہتا۔

(10)﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' یعنی وہ تمہارے

چھوٹے بڑے تمام اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۸)﴾ ''تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:8,7)

(11) انسان جب غور وفکر کے نتیجے میں اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا ہوا نہیں تو انسان اپنے اعمال کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔

(12) اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا کوئی عمل چھپا ہوا نہیں ہے۔ جو تم سے چھپا ہے اسے اللہ تعالیٰ کھول سکتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ زمین میں چھپے ہوئے بیج کو کونپل کے نکلنے سے کھول دیتا ہے ایسے ہی گناہ اپنے اثرات سے کھل جاتے ہیں۔

(13) انسان کو جب غور وفکر کے نتیجے میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ہر چیز اپنے انجام کو پہنچتی ہے تو اسے برے اعمال کے بارے میں فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ یہ مجھے انجام تک پہنچا کر رہیں گے۔ یوں انسان اللہ تعالیٰ کے غافل نہ ہونے کے علم سے اپنی غفلت دور کرلیتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے دل کی سختی کو پتھر کی سختی سے زیادہ شدید کیوں قرار دیا؟

جواب:

پتھر کی سختی	دل کی سختی
(1) پتھروں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔	(1) انسان کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نہیں نکلتے۔
(2) پتھروں سے پانی نکل آتا ہے۔	(2) انسان کے دل سے خیر (نیکی) کا کوئی جذبہ باہر نہیں نکلتا، مال نہیں نکلتا، نیکی کا کوئی کام نہیں ہوتا۔
(3) پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرز اٹھتے ہیں۔	(3) دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں لرزتا، اس کی اطاعت نہیں کرتا اور نماز میں خشوع وخضوع نہیں ہوتا۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں سے مومنوں کے دل پر کیا اثرات مرتب ہونے چاہئیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں سے مومنوں کے دل پگھلنے چاہئیں۔ (2) دلوں کے اندر تڑپ پیدا ہونی چاہیے۔ (3) روح کے اندر ارتعاش پیدا ہونا چاہیے۔ رب العزت نے اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔'' (الحدید:16)

سوال 4: دل کی سختی کیسے دور کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زیادہ ہنسا نہ کرو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔'' (ابن ماجہ:4193)

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔'' (مسند احمد:2/263)

(3) سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے دل پر (کبھی کبھی) کچھ غفلت آجاتی ہے، اسی وجہ سے میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔'' (مسلم:6858)

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ

''تو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ یقیناً ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

پھر اس کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ لیتے ہیں اور وہ جانتے ہیں'' (75)

سوال 1: عہد نبوی کے یہودیوں کے ایمان لانے کی امید نہیں رکھی جا سکتی، اس کی وضاحت ﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ... يَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو یہود کے حلیف تھے اور ان کے درمیان رضاعت اور ہمسائیگی تھی۔ وہ چاہتے تھے کاش یہودی اسلام لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (البحر المحیط:1/271)

(2) یہودی اہلِ کتاب تھے اور رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے آپ ﷺ کے انتظار میں تھے۔ یہودیوں کی باتیں سن سن کر بہت سے لوگوں کے دل میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ ابھرا تھا۔ اس لئے امید تھی کہ وہ آگے بڑھ کر ساتھ دیں گے اور

آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

(3)﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ﴾ ''تو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مومنو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود کا یہ گمراہ فرقہ تمہاری اطاعت وفرماں برداری کو اختیار کر لے گا؟ ان کے آباؤ اجداد نے بھی بڑی بڑی نشانیوں اور معجزات کا مشاہدہ کیا تھا لیکن پھر بھی ان کے دل سخت ہو گئے۔

(المصباح المنیر :229/1)

(4) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ واضح کیا ہے کہ (i) تم اُن سے طمع رکھتے ہو جو صدیوں سے بگڑے ہوئے لوگ ہیں۔ تمہاری دعوت ٹکرا کر واپس آ جائے گی۔ (ii) تم اُن سے طمع رکھتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر لرزنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (iii) تم اُن سے طمع رکھتے ہو جنہوں نے اپنے دین کو اپنی خواہشات کے مطابق بدل ڈالا ہے۔

(iv) تم اُن سے طمع رکھتے ہو جب کہ یہ اپنی مرضی کے دین سے نجات کی اُمیدیں باندھے بیٹھے ہیں۔

(5) اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں ایمان والوں کی امیدوں کو ختم کر دیا کہ تم ان کے ایمان کی طمع نہ رکھو ان کا طرزِ عمل تو ایسا ہے کہ ان سے ایمان کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

(6)﴿وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ﴾ ''حالانکہ یقیناً ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے پھر اس کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ لیتے ہیں'' یہود کلام اللہ سن کر، خوب سمجھ کر جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتے تھے۔ یوں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کلام اس لیے سنتے تھے کہ اسے بدل ڈالیں۔

(7) تحریف کہتے ہیں کتاب اللہ کے احکامات کو بدل ڈالنا، چاہے اس کے الفاظ بدلے جائیں، معانی بدل دیئے جائیں یا اس کی تفسیر بدل دی جائے۔

(8) یہود کی طرف سے تحریف یہ کی جاتی تھی کہ حرام کو حلال، حلال کو حرام، حق کو باطل اور باطل کو حق بتایا جاتا تھا۔﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ''چنانچہ ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جو نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کے ایک حصے کو وہ بھلا بیٹھے ہیں ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا، اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہیں گے، چنانچہ آپ ان کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (المائدہ:13)

(9)﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور وہ جانتے ہیں'' یہودی تورات کو سننے سمجھنے کے باوجود اسے بدل ڈالتے تھے۔

(10) اللہ تعالیٰ نے ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ سے توجہ دلائی ہے کہ وہ یہ حرکت سوچ سمجھ کر، جانتے بوجھتے ارادے سے کرتے تھے اور وہ یہ جانتے ہوئے کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف ہے۔ اس سے ان کی چالبازی، منافقت اور فریب کاری کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتے اور تحریف کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے جو اپنی کتاب کو جسے وہ باعث شرف سمجھتے ہیں اور اسے بدل ڈالتے ہیں کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ایمان لے آئیں؟

سوال 2: کیا آج بھی کتاب اللہ میں تحریف ہوتی ہے؟

جواب: کتاب اللہ میں تحریف اس لئے کی جاتی ہے کہ خواہشات پوری کی جاسکیں۔ آج مسلمانوں میں بھی ایسے افراد ہیں جو کلام اللہ اس لیے سنتے اور پڑھتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی مرضی سے بدل ڈالیں۔ قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری رب العالمین نے لی ہے۔ الفاظ میں تبدیلی کرنا تو ممکن نہیں لیکن الفاظ کے معانی اور مفہوم بدلنے کا کام آج بھی جاری ہے۔ دین کے بنیادی تصورات کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر شرک کا مفہوم، نبی ﷺ کی حیثیت، آخرت کی کامیابی کا عقیدہ، پردے کے احکامات، حلال وحرام کے احکامات، سود کے احکامات وغیرہ۔

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب بعض ان کا بعض کی طرف تنہا ہوتا ہے تو کہتے

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ

ہیں کہ کیا تم انہیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ تمہارے رب کے پاس تم سے جھگڑا کریں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

تو کیا تم سمجھتے نہیں؟'' (76)

سوال 1: یہود رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے، اس کی وضاحت ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ... تَعْقِلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے'' محمد بن اسحاق نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں

تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے یعنی اس بات پر کہ تمہارے صاحب محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مگر وہ خاص تمہارے لیے ہیں (یعنی ہمارے نہیں)۔ (تفسیر طبری:1/523،524)

(2) یعنی جب وہ ایمان والوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو محض زبان سے ہی اظہار کرتے ہیں جب کہ ایمان ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔

(3) ﴿وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا﴾ ''اور جب بعض ان کا بعض کی طرف تنہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ'' یعنی جب وہ اکیلے میں یہودیوں سے ملتے ہیں جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

(4) ﴿اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ ''کیا تم انہیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ وہ ان کے ساتھ تمہارے رب کے پاس تم سے جھگڑا کریں'' اور جب وہ آپس میں بیٹھتے تو کہتے کیا تم ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو؟ یہ چیز ان کے لیے تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔ اہل ایمان اپنے رب کے ہاں تمہارے خلاف دلیل دیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے کہ عربوں سے اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہو، ان باتوں سے وہ تم لوگوں پر غالب آجائیں گے اور قیامت کے دن تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ آخر ہم اللہ تعالیٰ کے رسول کی تلاش میں اس علاقے میں آئے۔ تم اس رسول کے لیے دعائیں کرتے تھے کہ وہ آئے تو تم عربوں کے ساتھ جنگ کرو گے اور تورات میں تم سے نبی امی کی پیروی کا عہد لیا گیا ہے۔ اب وہ رسول مسلمانوں سے کہتا ہے کہ میں وہی نبی ہوں جس کی خبر تورات میں ہے اور یہود جس کا انتظار کر رہے تھے۔ اب اگر یہ باتیں تم انہیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تو وہ اپنے رب کے حضور جھگڑا کریں گے۔ تم اس نبی کی رسالت کا انکار کر دو اور ان کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دو۔

(5)(i) یہود کتمانِ حق یعنی حق چھپانے کے مجرم تھے۔ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بارے میں جو خوشخبریاں موجود تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ (ii) یہود اُن احکامات کو چھپاتے تھے جن میں نبی ﷺ کا ساتھ دینے کا حکم تھا۔

(6) ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''تو کیا تم سمجھتے نہیں'' کیا تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں کہ تم انہیں وہ بات بتا رہے ہو جو تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔

سوال 2: یہود ایمان والوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیوں کرتے تھے؟

جواب: مدینہ میں نبی ﷺ کی آمد کے بعد آپ ﷺ کو ریاست کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہودی اس ریاست کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ بنا کر رکھنے پر مجبور تھے کیونکہ اسی صورت میں ان کے مفادات محفوظ رہ سکتے تھے، اسی

مفاد پرستی کی وجہ سے وہ ایمان والوں کے سامنے اپنے آپ کو ایمان والا ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

﴿اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾

''کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں''(77)

سوال 1:﴿اَوَلَا ۔۔۔ يُعْلِنُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے بنی اسرائیل کی کس بیماری کی نشاندہی فرمائی ہے؟

جواب:(1)﴿اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾''کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے بنی اسرائیل کے عقیدے کی خرابی کی وضاحت فرمائی ہے۔

(2) ہر چند کہ وہ اپنے ان عقائد کو چھپاتے ہیں جو ان کے مابین معروف ہیں اور وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد کو چھپایا ہوا ہے تاکہ یہ چیز اہل ایمان کے لیے ان کے خلاف حجت نہ بنے تاہم وہ اس بارے میں غلطی پر ہیں اور بہت بڑی جہالت میں مبتلا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے گا۔ (تفسیر سعدی:127/1)

(3) اُنہیں اس بات کا شعور نہیں کہ نبوت کی پہچان صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآنِ حکیم کے توسط سے خود کھول دیا ہے۔ لہٰذا اب اگر وہ چھپائیں یا کھولیں حجت تو قائم ہوگئی۔

﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ

''اور ان میں کچھ ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کا علم ہی نہیں رکھتے سوائے چند آرزوؤں کے اور اس کے سوا کچھ نہیں

اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾

کہ وہ گمان کرتے ہیں''(78)

النّصف

سوال: اہل کتاب کے ان پڑھ لوگوں کے حالات کی وضاحت ﴿وَمِنْهُمْ ۔۔۔ يَظُنُّوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) اس آیت میں اہل کتاب کے اَن پڑھ لوگوں کا حال واضح کیا گیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ﴾''اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں'' اور ان اہل کتاب میں سے ان پڑھ لوگ بھی ہیں جو علم والوں میں شامل نہیں۔

(2)﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾''جو کتاب کا علم ہی نہیں رکھتے سوائے چند آرزوؤں کے''﴿اَمَانِيَّ﴾ سے

مرادمنہ کی جھوٹی باتیں ہیں۔(تفسیر طبری:529/1)یعنی وہ کتاب کا نہ علم رکھتے ہیں، نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نہ اس کے پیغام کو پہنچاتے ہیں، تلاوت کے سوا ان کا کتاب میں کوئی حصہ نہیں، ان کے پاس اپنے سے پہلے لوگوں کی بھی خبر نہیں۔

(3)﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ ''اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں'' یعنی ان کے پاس گمان اور اہل علم کی تقلید کے سوا کچھ نہیں۔

(4) قرآن مجید نے ان کی آرزوؤں کا حوالہ دیا ہے۔﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ ''اور انہوں نے کہا'' جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن۔'' (البقرہ:80)﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (البقرہ:111) اور:﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔'' (البقرہ:94) اور:﴿قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ''اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔'' (المائدہ:18)

(5)﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ ''نہ تمہاری تمناؤں پر (مدار) ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔'' (النساء:123)

(6) یہود نے بزرگوں کے نام سے ایسے قصے اور باتیں منسوب کی ہوئی تھیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جہنم کی آگ سے نجات پانے اور جنت میں داخلے کے لیے معمولی معمولی چیزیں بھی کافی ہیں۔ یہ سستے نسخے ان کو بہت پسند تھے کیونکہ ان کی وجہ سے غیر ذمہ دارانہ رویئے کو بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور یہودی عالم انہیں جو کہانیاں سناتے تھے وہ ان میں بہت مقبول تھیں۔

(7) آج بھی مسلمانوں کے اندر ایسے ان پڑھ افراد کی کثرت ہے جو دنیا کے علوم رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم نہیں رکھتے۔

(8) اگر آج ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ پڑھیں تو ہمارا شمار امیوں میں ہوگا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ جانیں تو یہ ہماری بھول ہے کہ ہمارا ایمان مکمل ہوگا۔

سوال2: انسان وہم وگمان پر زندگی کی بنیاد کیوں رکھتا ہے؟

جواب:(1) انسان جب اپنی ذات، کائنات اور اپنے خالق کے بارے میں وحی کے دیئے ہوئے علم سے جواب نہیں لیتا تو علم کی روشنی کے بغیر وہم وگمان کے اندھیروں میں چلا جاتا ہے۔ یوں اپنی زندگی کی بنیاد وہم وگمان پر رکھ لیتا ہے۔

(2) انسان جب وحی الٰہی سے زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھتا تو محض دل کی خواہشات اور اچانک پیدا ہونے والے خیالات یا معاشرے کے توہمات پر زندگی کے مقصد کو متعین کر لیتا ہے اور یوں ایک قیمتی زندگی کو وہم وگمان دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔

(3) انسان جب وحی الٰہی سے اپنی کوششوں کے انجام کو نہیں سمجھتا تو وہم وگمان کی بنیاد پر اپنے انجام کا تعین خود کر لیتا ہے یوں خود ساختہ نجات کے تصورات سے اپنی زندگی کو آگ لگانے کی تیاری کر لیتا ہے اور وہم وگمان کی بنیاد پر بالآخر موت کے بعد جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

سوال3: گمان پر زندگی کی بنیاد رکھنے کے کیا نقصانات ہیں؟

جواب:(1) گمان سچائی کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا﴾ ''یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں دیتا۔'' (یونس:36)

(2) گمان پر زندگی کی بنیاد رکھنے سے زندگی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

''تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ

تاکہ اس کے بدلے میں وہ تھوڑی سی قیمت وصول کریں پس ان کے لئے تباہی ہے اس چیز کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے

وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ﴾

اور ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں'' (79)

سوال: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے والوں کو جو تنبیہ کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿فَوَیْلٌ ۔۔۔ یَكْسِبُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) ﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ﴾ ''تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے

کتاب لکھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت تنبیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں کہ ہلاکت اور عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو تورات میں تحریف کرتے ہیں اور تحریف شدہ آیات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر:63/1)

(2) وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے کچھ دنیاوی فائدے حاصل کرلیں مثلاً مال، عزت، اقتدار، مقبولیت عامہ وغیرہ۔

(3) ﴿ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' وہ اپنے پیروکاروں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز جو تمہارے پاس ہے تورات کی نصوص میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ اس کے ساتھ کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر:63/1)

(4) اللہ تعالیٰ نے یہود کے ظلم کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اس طرح ایک جانب ان کا سچا دین چھپا لیتے ہیں اور دوسری جانب وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(5) یہ کتمان حق اور باطل کا اظہار ہے، وہ علم رکھنے کے باوجود ایسا کرتے ہیں۔

(6) ﴿لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''تا کہ اس کے بدلے میں وہ تھوڑی سی قیمت وصول کریں'' کہ وہ اس تحریف کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں۔ (7) کتاب اللہ کے مقابلے میں قیمت ہے جو پوری زمین کی دولت ہو تب بھی قلیل ہے۔

(8) (i) یہودی عالم اپنے علم سے دنیا کماتے تھے۔ وہ عوام کو مفت جنت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ اس سے ان کے اوپر نذرانوں کی بارش کردی جاتی تھی اور یوں لوگ مفت جنت کے بدلے ان علماء کو مفت دنیا فراہم کردیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں فرمایا کہ ان کی یہ کمائی ان کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔

(ii) یہودی عالم کتاب کی پیروی کرنے کے حکم کو تبدیل کرکے ایسے مشورے دیا کرتے تھے جس کے ذریعے لوگ اپنا جرم چھپا سکیں یا جس کی وجہ سے لوگ اپنی معذرت پیش کرسکیں یا اپنے گناہوں پر پردہ ڈال سکیں اور مطمئن ہوجائیں کہ یہ سب دین کے مطابق ہے۔ وہ اس پر لوگوں سے بھاری جرمانے وصول کرتے تھے تا کہ انہیں دین دار ثابت کیا جاسکے۔ کتاب کے بدلے میں لوگ مال، شہرت اور اقتدار حاصل کرتے ہیں۔

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ اس کی تکذیب، بلکہ کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لائے۔'' (بخاری:7542)

(10) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ''تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جب کہ تمہاری کتاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ تازہ بھی ہے اور محفوظ بھی اور تمہیں اس نے بتا بھی دیا ہے کہ اہل کتاب نے اپنا دین بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تبدیلی کر دی اور اسے اپنے ہاتھ سے از خود بنا کر لکھا اور کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا مال کما لیں۔ تمہارے پاس جو علم ہے وہ تمہیں ان سے پوچھنے سے منع کرتا ہے۔ واللہ! میں تو نہیں دیکھتا کہ اہل کتاب میں سے کوئی تم سے اس کے بارے میں پوچھتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔'' (بخاری:7363)

(11) ﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''پس ان کے لئے تباہی ہے اس چیز کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں'' اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھ رہے ہیں اور جو کچھ وہ کما رہے ہیں، اس کے بدلے اُن کے لئے ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے۔ ویل عذاب کی شدت اور حسرت کو کہا جاتا ہے۔

(12) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان یہود علماء کی مذمت کی ہے جو تورات کی آیات کو بدل دیتے تھے لیکن دین اسلام کے آنے کے بعد ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو بدعتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قرآن وسنت میں تحریف کرتے ہیں۔ (تیسیر الرحمن:48/1)

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

''اور انہوں نے کہا: ''جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن''۔ کہہ دو: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

لے رکھا ہے تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' (80)

سوال 1: یہود کا آخرت کے بارے میں کیا عقیدہ تھا، اس کی وضاحت ﴿وَقَالُوْا ... تَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ ''اور انہوں نے کہا: ''جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن'' یہود کا آخرت کے بارے میں عقیدہ یہ تھا کہ آگ ہمیں تھوڑے دن ہی چھوئے گی پھر ہمیں آگ سے نکال لیا جائے گا۔ اس عقیدے کی وجہ یہ تھی کہ یہودی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا لاڈلا سمجھتے تھے۔

(2) یہودی کہتے تھے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن دوزخ میں رہیں گے۔ اس لحاظ سے جہنم جانے کی کل مدت سات دن بنتی ہے۔

(3)ان میں سے کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی ہے اس لئے چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔

(4)آخرت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہونے کی وجہ سے بچ جائیں گے،انسان کو دنیا میں اپنی فکر کرنے سے، جواب دہی کے احساس سے اور نیک اعمال سے روک دیتا ہے۔

(5)اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:﴿قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ﴾ ''کہہ دو کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرے گا'' یعنی اے رسول ان سے کہہ دو کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لے رکھا ہے؟ ایسا ہے تو وہ وعدہ شکنی ہرگز نہ کرے گا۔

(6)﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''یا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' کیا تم ایسی بات کہتے ہو جس کی حقیقت سے خود ہی ناواقف ہو؟ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی بات لگانا سب سے بڑا حرام اور سب سے بڑی برائی ہے۔کیا رسولوں پر ایمان لاکر ان کی اطاعت نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے؟

سوال2: یہودی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے باوجود کیوں مطمئن تھے؟

جواب:(1)یہود کا عقیدہ خراب تھا اس لئے وہ نافرمانیاں کر کے مطمئن رہتے تھے۔

(2)یہود کے اندر عقیدے کی خرابی کی وجہ سے سرکشی آ گئی تھی۔وہ سمجھتے تھے کہ نافرمانیاں کرنے سے ہمارا کچھ بگڑنے والا نہیں اور کوئی ہمیں پکڑنے والا نہیں اس لئے وہ نافرمانیوں پر مطمئن رہتے تھے۔

(3)یہود نبیوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری نافرمانیوں پر ہمیں نہیں پکڑا جائے گا۔

سوال3: جو لوگ اس خوش گمانی میں مبتلا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے حقوق محفوظ ہو چکے ہیں، سچی دعوت پر ان کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟

جواب: ایسے لوگ سچی دعوت کو گوارا نہیں کر سکتے کیونکہ(1) سچی دعوت ان کو اپنی میٹھی نیند اور میٹھے خواب خراب کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(2) سچی دعوت زندگی کے حقائق کو واضح طور پر سامنے لے آتی ہے جس کو وہ لوگ سمجھنا نہیں چاہتے لہٰذا وہ ایسی دعوت پر تنقید کرتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کے مخالف بن جاتے ہیں اور اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہود کے دعوت حق پر ایمان نہ لانے کے کون سے اسباب بیان کیے ہیں؟

جواب: (1) علماء کے ایمان نہ لانے کے اسباب: (i) اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر، سمجھ کر جان بوجھ کر بدل ڈالتے ہیں۔ (ii) دورخے (منافق) ہیں۔ (iii) حق کو چھپاتے ہیں۔ (iv) اپنے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (v) کتاب پر معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔

(2) عوام کے ایمان نہ لانے کے اسباب: (i) کتاب کے بارے میں بے بنیاد امیدیں رکھتے ہیں۔ (ii) کتاب کے بجائے وہم وگمان پر چلتے ہیں۔ (iii) کتاب کا علم نہیں رکھتے۔

(3) مشترکہ سبب: یہ یقین کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی یعنی عقیدے کی خرابی کہ آخرت کا گھر ہمارے لیے ہے۔

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

''کیوں نہیں! جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیرے میں لے لیا تو وہ لوگ آگ والے ہیں، وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' (81)

سوال 1: جہنم جانے کا اُصول کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿بَلٰى... خٰلِدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جہنم جانے کا اصول یہ ہے کہ جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی لیکن اس کے ساتھ کچھ نیک عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ اعمال بے حیثیت رہیں گے اور انسان ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

(2) نجات تمہاری تمناؤں پر نہیں بلکہ نیک عملوں پر ہے۔ جو شخص مر گیا اور اس کے پاس کوئی نیکی نہیں، بدیاں ہی بدیاں ہیں وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (١٢٣) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ ''نہ تمہاری تمناؤں پر (مدار) ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔ اور جو بھی نیک اعمال میں سے کوئی عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔'' (النساء:124,123) (السراج المنیر:55/1)

(3) ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ''کیوں نہیں! جس نے برائی کمائی'' سعدی نے کہا: ﴿سَيِّئَةً﴾ وہ گناہ ہیں جن پر عذاب کا وعدہ ہے۔ (جامع البیان:464/1) (4) یہاں اس سے مراد شرک ہے۔

(5) ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ﴿وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ﴾ ''اور اس کے گناہ نے اسے گھیرے میں لے لیا'' یعنی وہ اپنے گناہوں کے ساتھ مر گیا۔ (جامع البیان: 461/1) اس کا مطلب یہ ہے کہ برائیوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

(6) یعنی جس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا ہو اور یہ گناہ شرک ہے اس لیے کہ مومن موحد کا گناہ اسے ہر چہار جانب سے احاطہ نہیں کر پاتا۔

(7) ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''تو وہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' شرک ایسا گناہ ہے جو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا سبب بنے گا جب کہ اہل توحید جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے صرف کافر و مشرک ہی رہیں گے۔ گناہ گار موحدین جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ (تیسیر الرحمن: 465/1)

سوال 2: انسان برائیوں کے چکر میں کیسے پھنستا ہے؟

جواب: جب انسان کے پاس اپنی زندگی کا، اپنے خالق کا، اپنے انجام کا شعور نہیں ہوتا تو وہ وہم اور گمان پر زندگی کی بنیاد رکھتا ہے اور یوں برائیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ انسان اپنی سوچ سے گھرتا ہے۔ پہلی بار برائی کرنا مشکل ہوتا ہے مگر شیطان برائی کو دل پسند بنا کر دکھاتا ہے۔ اندر ہی اندر سوچیں خراب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر شیطان اگلی برائی کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ یوں برائیوں کی تزئین سے انسان کے لیے برائیاں کرنا آسان ہو جاتی ہیں۔ ایک برائی کرنے سے دوسری برائیوں کے راستے کھل جاتے ہیں جیسے ایک جھوٹ سے کئی جھوٹ کے راستے کھلتے ہیں۔ یوں انسان برائیوں کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ انسان جب برے کام کرتا ہے تو اس کی دوستی بھی برے لوگوں سے ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان برائی سے نکلنا چاہتا ہے تو دوست نکلنے نہیں دیتے۔ یوں انسان خطا کاری کے چکر میں پھنس جاتا ہے اور اس کی برائیاں اسے گھیر لیتی ہیں۔

سوال 3: وہ کون سی چیزیں ہیں جو انسان کو خطاؤں کے چکر میں پھنسا دیتی ہیں؟

جواب: (1) انسان کی سوچ، اُس کا خیال۔ (2) شبہ والی چیزوں میں پڑنا۔ (3) لایعنی اور بے مقصد کاموں میں مشغول ہونا۔ (4) زبان کی حفاظت نہ کرنا۔

سوال 4: انسان خطاؤں کے اس چکر سے کیسے نکل سکتا ہے؟

جواب: (1) انسان خطاؤں کے اس چکر سے تب نکل سکتا ہے جب وہ برائی سے کراہت محسوس کرے۔

(2) جب وہ برائی کے نقصان کو شعوری طور پر محسوس کرنے لگے اور یہ تب محسوس کرے گا جب وہ ہر موقع پر سوچے گا اور یہ

تبھی ممکن ہے کہ انسان زندگی کے مقصد کو سمجھے، اپنے آنے اور دنیا سے جانے کی حقیقت کو سمجھے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا علم حاصل کرے۔(3) اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور توبہ کرے۔ (4) آئندہ کبھی نہ کرنے کا عہد کرے۔(5) یہ سب کچھ تبھی ممکن ہوگا جب صحبت بدل جائے گی۔

سوال 5: کیا چھوٹے گناہ بھی جمع ہو کر ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں؟

جواب: (1) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹے اور حقیر گناہوں سے بھی بچو کیونکہ یہ بھی جمع ہو کر آدمی کی ہلاکت و بربادی کا باعث بن جاتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے مثال دے کر فرمایا: ''جیسے کچھ لوگ جنگل میں جمع ہوں اور جب کھانا پکانے کا وقت آجائے تو ایک ایک آدمی ایک ایک لکڑی لے آئے حتیٰ کہ اس سے لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے، وہ اسے آگ لگا دیں اور انہوں نے جو کچھ اس میں ڈالا ہے اسے پکا لیں۔'' (مسند احمد: 1/402، 403)

(2) سیدنا ابو بختری نبی ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ہلاک نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں۔'' (ابوداؤد: 4347) یا اللہ! ہمیں خطاؤں سے بچا لے، ہماری مغفرت فرما دے۔ (آمین)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' (82)

سوال: کون لوگ جنتی ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَالَّذِيْنَ ... خٰلِدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' اہل کتاب سے خطاب ہے کہ جو تمہارے کفر کے مقابلے میں ایمان لائے اور تمہاری نافرمانیوں کے مقابلے میں فرماں برداری کرے وہی جنتی ہے۔ (السراج المنیر: 1/55) (2) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے'' جو لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے۔(3) ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور نیک عمل کیے'' کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور محمد ﷺ کی اتباع میں نہ ہو۔

(4) سلف و صالحین کا اجماع ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اس لیے جن آیتوں میں ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر ہوا ہے وہاں عام کے بعد خاص کا ذکر مقصود ہے۔ اور مقصود عمل صالح کے لیے مزید رغبت دلانا ہے۔ کوئی بھی عمل اسی وقت عمل صالح ہو

گا جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں پہلی شرط یہ ہے کہ اس عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ (تیسیر الرحمن:50/1)

(5) ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ ''وہی لوگ جنت والے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے جنت اُن لوگوں کے لئے بنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کو، اُس کے احکامات کو دل سے مان لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

(6) ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' آخرت کی جزا دائمی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو ایک آواز دینے والا ان کے درمیان کھڑا ہو کر پکارے گا کہ اے جہنم والو! اب تمہیں موت نہیں آئے گی اور اے جنت والو! تمہیں بھی موت نہیں آئے گی بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا۔'' (بخاری:6544)

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین اور

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے احسان کرو گے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾

اور زکوٰۃ ادا کرو پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے ماسوا سب اس عہد سے پھر گئے اور تم منہ موڑنے والے تھے'' (83)

سوال: میثاق بنی اسرائیل کی وضاحت ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا ... مُّعْرِضُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا'' اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ احکام یاد دلا رہا ہے جن کا اس نے انہیں نہ صرف حکم دیا تھا بلکہ ان سے پختہ عہد بھی لیا تھا کہ وہ انہیں بجا لائیں گے لیکن یہ ان سب باتوں سے پھر گئے تھے اور قصداً و ارادتاً جانتے بوجھتے ہوئے انہوں نے ان سے اعراض کیا تھا۔ (المصباح المنیر:236/1)

(2) یہ احکام ان اصول دین میں سے ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہر شریعت میں دیا، کیونکہ یہ احکام ہر زمان و مکان میں مصالحہ عامہ پر مشتمل ہیں۔ دین میں ان کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتی۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان اصولوں پر عمل کرنے کا حکم اس فرمان میں دیا ہے۔﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ اور (ان کے ساتھ) جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، فخر کرنے والا ہو۔'' (النساء:36)

(4) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ تم سے ہم نے اس وقت عہد لیا تھا جب تم اپنے آباء کی پشت میں ذرے کی طرح تھے۔ (البحر المحیط:455/1)

(5) بنی اسرائیل کو جب بھی کوئی حکم دیا جاتا تھا وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کی پابندی کروانے کے لیے ان سے پختہ قسمیں اور معاہدے لیے کیونکہ اس کے بغیر وہ حکم کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(6) سارے جہانوں کا بادشاہ، جس نے زندگی عطا کی، جو موت سے ہمکنار کرے گا اس کا حکم ہے:﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا منع ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس بنیاد کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

(7) یہ پہلا حکم، پہلا واجب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید اور اس کی اطاعت کرنا اور شرک نہ کرنا۔ (الاساس:1059/2)

(8) نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟'' بولے: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں'' پھر فرمایا: ''جانتے ہو، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ جب بندے اس کی توحید پر قائم ہوں، شرک سے بے زار ہوں تو ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے۔'' (بخاری:7373)

(9) رب العزت نے ارشاد فرمایا:﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔'' (النحل:36)

(10) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اسے اپنی توحید سکھانے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ بندوں کو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیں:﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ تم میری ہی عبادت کرو۔'' (الانبیاء:25)

(11)﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین سے احسان کرو گے'' اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے اسی لیے رب العزت نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اُٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔'' (لقمان:14)

(12) رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا'' پوچھا گیا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کی فرماں برداری کرنا'' پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' (مسلم:252) (13) والدین کے ساتھ حسن سلوک میں قولی اور فعلی ہر رویہ شامل ہے جسے حسن سلوک کہا جا سکتا ہے۔

(14) حسن سلوک کی دو اضداد ہیں برا سلوک کرنا بڑا جرم ہے اور عدم احسان یعنی حسن سلوک نہ کرنا، دونوں سے روکا گیا ہے۔ (تفسیر سعدی:131/1)

(15) والدین کے ساتھ حسن سلوک میں ان کے ساتھ حسن معاشرت، ان کے لیے تواضع، ان کے حکم کی اطاعت، ان کی موت کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ (تفسیر منیر:230/1)

(16)﴿وَّذِي الْقُرْبٰى﴾ ''اور رشتے داروں سے'' رشتہ دار خواہ دور کے ہوں یا قریب کے ان کے ساتھ قول و فعل کے ذریعے سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کا عہد لیا گیا اور اپنے قول و فعل کے ساتھ ان کے ساتھ قطع رحمی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(17) رب العزت کا فرمان ہے:﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ ''نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔'' (الرحمن:60)

(18) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔'' (بخاری:5986)

(19) رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ ''اور رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا۔'' (بنی اسرائیل:26)

(20)﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ ''اور یتیموں سے'' یتیم وہ ہے جو کم سنی میں باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جائے۔

(21) یتیم کے ساتھ احسان حسن تربیت ہے اور اس کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ کتاب و سنت میں ان کے

ساتھ نرمی، ان کی کفالت کی ترغیب اور ان کے مال کی حفاظت کے بارے میں کثیر وصیتیں ہیں۔ (تفسیر منیر:231/1)

(22) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے'' اور آپ ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔ (بخاری:6005)

(23) ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ ''اور مسکینوں سے'' اللہ تعالیٰ نے مساکین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ مسکین وہ محتاج اور تنگ دست ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اپنے بیوی بچوں کا خرچ اٹھالے۔

(24) نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔'' (بخاری:6006)

(25) یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک انسان کے لیے امتحان بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کمزور اور محروم افراد کے ساتھ حسن سلوک کے لیے کوئی اضافی محرک نہیں ہے جب کہ طاقت ور کا قوی ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ کمزور آدمی کے ساتھ صرف وہ انسان حسن سلوک کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایسا کر رہا ہو۔

(26) ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ ''اور لوگوں سے اچھی بات کہو'' اللہ تعالیٰ نے اچھی بات کہنے کا حکم دیا ہے یعنی جو لا الٰہ الا اللہ نہ کہے اسے اس کی ترغیب دلانا حتیٰ کہ وہ اسی طرح کہے جیسے اسے کہلوایا جائے یہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ (جامع البیان:533/1)

(27) قول حسن میں لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا آتا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگوں سے بھلی بات کرو یعنی انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ (جامع البیان:472/1)

(28) حسن عام اسم ہے جو خیر کے معانی کا جامع ہے۔ اس میں کلام میں نرمی، ادب جمیل، خلق کریم وغیرہ آجاتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر:65/1)

(29) سیدنا طلحہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام تفسیر وحدیث عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کے پاس فاسد عقیدے والے لوگ بھی جمع رہتے ہیں۔ مگر میرے مزاج میں تیزی ہے، میرے پاس ایسے لوگ آتے ہیں تو میں ان کو سخت باتیں کہہ دیتا ہوں، سیدنا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ اس میں تو یہودی و نصرانی بھی داخل ہیں، مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ کیوں نہ داخل ہوگا۔ (قرطبی)

(30) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو چاہے نیکی یہی

ہو کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملو۔'' (صحیح مسلم:6690)

(31) قول حسن میں لوگوں کو علم سکھانا، ان میں سلام پھیلانا، خندہ پیشانی اور بشاشت کا اظہار کرنا اور دیگر تمام اچھی باتیں آ جاتی ہیں۔

(32) قول حسن کے ضمن میں لوگوں سے برا کلام کرنے اور بری گفتگو کی ممانعت بھی آ جاتی ہے حتیٰ کہ رب العزت نے کافروں سے بھی برا کلام کرنے سے روکا ہے ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ''اور تم اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر انتہائی احسن انداز میں۔'' (العنکبوت:46)

(33) ﴿وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرو'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے نماز قائم کرنے کا عہد لیا تھا۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد وقت کی پابندی، وضو کی تکمیل، ارکان کے اعتدال، ترتیل قرأت، خشوع وخضوع اور توجہ قائم کر کے دل لگا کر نماز پڑھنا ہے۔

(34) نماز دین کا ستون، تقویٰ کا راستہ، اللہ تعالیٰ سے تعلق کا جوڑنا، فضیلت کا راستہ اور رذائل سے دوری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے سلطان کے مطابق اخلاص اور کامل خشوع کی شرط ہے۔ (تفسیر منیر:232/1)

(35) ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ ''اور زکوٰۃ ادا کرو'' بنی اسرائیل کے دور میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا۔

(36) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ فرض ٹھہرائی تھی اور یہ محمد ﷺ سے پہلے ان کا طریقہ تھا۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ قربانی تھی جسے آسمانی آگ آ کر کھا لیتی تھی اور یہ قبولیت کی نشانی تھی اور جس کو آگ نہیں کھاتی تھی وہ عدم قبولیت کی دلیل تھی۔ (جامع البیان:554/1)

(37) اللہ تعالیٰ کے عہد ومیثاق کے بعد کیا ہونا چاہیے تھا اور کیا ہوا؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر قبول کرتے کہ ان باتوں کا حکم دے کر اس نے اپنا فضل کیا مگر ہوا کیا؟ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ''پھر تم سب اس عہد سے پھر گئے'' تم نے پیٹھ پھیر لی کہ تمہیں ان احکامات سے نہ رغبت تھی نہ ان کی طرف لوٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

(38) ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ﴾ ''تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے ماسوا سب'' چند لوگ ان میں سے ایسے بھی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور انہیں ثبات عطا فرمایا۔

(39) ﴿وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ''اور تم منہ موڑنے والے تھے'' بنی اسرائیل نے قصداً اور عمداً اعراض کیا حالانکہ وہ جانتے تھے اور انہیں یاد تھا۔ (الاساس:176/1)

(40) شریعت کے بنیادی احکامات جہالت کی زندگی کو چھوڑنے کے لیے ہوتے ہیں، انسان کی خواہشات نفس سے ٹکراتے ہیں اور انسان کی دنیادارانہ سیاست پر پابندی لگاتے ہیں اس لیے اکثر لوگ انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

''اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾

پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود اس پر گواہی دیتے ہو'' (84)

سوال: میثاق بنی اسرائیل کی شقوں کی وضاحت ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا... تَشْهَدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ﴾ ''اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا'' اس آیت اور آگے آنے والی آیات میں ان یہودیوں سے خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو میثاق بنی اسرائیل کی شقیں یاد دلائی ہیں۔

(2) ﴿لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے'' میثاق بنی اسرائیل کی دو شقوں کا بیان ہے کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو گھروں سے نہیں نکالو گے۔

(3) یہودی جاہلی تعصّبات کی وجہ سے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مدینہ کے انصار کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ مشرک تھے۔ دور جاہلیت میں ان کے درمیان جنگ وجدال جاری رہتا تھا۔ یہودیوں کے تین قبائل بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ مدینہ میں آکر آباد ہو گئے اور انہوں نے ان میں سے ہر قبیلہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر رکھا تھا۔ بنونضیر، بنوقینقاع قبیلہ خزرج کے دوست تھے اور بنوقریظہ اوس قبیلے کے دوست تھے۔ جب کبھی اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہوتی تو ہر انصار قبیلہ کا دوست یہودی قبیلہ اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا تھا اور اپنے دوست انصاری قبیلے کے ساتھ مل کر اس کے دشمن انصاری قبیلے کے خلاف اس کی مدد کرتا جس کی مدد دوسرا یہودی قبیلہ کر رہا ہوتا تھا۔ اس طرح یہودی قبیلے ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے، جلاوطن کرتے، ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے تھے پھر جب جنگ بندی ہوتی تو جنگ کے فریقین ایک دوسرے کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑواتے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے قیدی چھڑوا رہے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے کسی حکم کو مان لیتے اور کسی کو چھوڑ دیتے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور نہ اپنے آپ کو نکالو گے'' اس لیے کہ ایک قوم کے افراد ایک ہی جان کی مانند ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے، تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے ایسا کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (بخاری: 6011)

(5) ﴿ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ ''پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود اس پر گواہی دیتے ہو'' ہر معاہدے میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ایک فریق معاہدہ لیتا ہے اور دوسرا معاہدہ کرتا ہے۔ اس پر قول وقرار بھی ہوتا ہے اور گواہیاں بھی۔ جب اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تو انہوں نے اس کا اقرار کیا اور اس پر خود گواہ بنے۔

﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ

''پھر تم تو وہ لوگ ہو کہ اپنے آپ کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو،

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ

گناہ اور زیادتی میں اُن کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ

حالانکہ انہیں نکالنا تم پر حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے کا کفر کرتے ہو؟

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تو جو تم میں سے ایسا کرتا ہے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے ماسوا اس کی اور کیا جزا ہو سکتی ہے؟ اور قیامت کے دن

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

وہ سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے'' (85)

سوال: یہود کا میثاق بنی اسرائیل کے بعد کیسا طرز عمل تھا، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ ... تَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ﴾ ''پھر تم تو وہ

لوگ ہو کہ اپنے آپ کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو' اللہ تعالیٰ نے یہود مدینہ کو مخاطب کیا کہ تم پر تو یہ فرض کیا گیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنوں کو گھروں سے نکالو گے اور تم ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو، ایک دوسرے کو گھروں سے نکالتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے دونوں احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کیسا ایمان اور کیسا طرز عمل ہے؟

(2)﴿تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ''گناہ اور زیادتی میں ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو' رب العزت نے یہود کے طرز عمل کو واضح کیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ کتنے مخلص ہیں۔ گناہ اور ظلم کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ مدد کبھی قتل کی صورت میں، کبھی گھر بار اور کاروبار لوٹنے کی صورت میں سامنے آتی تھی۔

(3)﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ﴾ ''اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ انہیں نکالنا تم پر حرام کیا گیا تھا' رب العزت نے فرمایا کہ جب قتل و غارت گری، لوٹ مار کے بعد جنگ ختم ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے کے جو لوگ جنگی قیدی بناتے ہو ان کو فدیہ دے کر آزاد کرواتے ہو حالانکہ ان کو گھروں سے نکالنا تم پر حرام تھا۔

(4) بنی اسرائیل اوس اور خزرج کی باہمی لڑائیوں میں اپنے حلیف قبیلے کا ساتھ دیتے اور جو قبیلہ غالب آتا، وہ دوسروں کو نقصان پہنچاتا حتیٰ کہ اپنے بھائی بندوں کو قید کر لیتا اور جب کوئی قید ہو کر آ جاتا تو فدیہ دے کر اُسے چھڑوایا جاتا تھا اور اس فدیے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دلیل پکڑی جاتی تھی۔

(5)﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ ''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے کا کفر کرتے ہو' یہود کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے تھے یعنی کچھ احکامات پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مثلاً قتل، ایک دوسرے کو گھروں سے نکالنا اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا ان کی شریعت میں حرام تھا۔ ان کاموں کا انہوں نے کھلے عام ارتکاب کیا اور فدیہ دے کر چھڑوا لینے کے حکم پر عمل کیا حالانکہ اگر وہ پہلے احکامات کو مانتے تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

(6) ایمان اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کیا جائے اور جس سے اس نے رکنے کا حکم دیا ہو اس سے رکا جائے۔

(7) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہود کے اسی خبث باطن کی وجہ سے کہ تورات کا جو حکم اپنی خواہش کے مطابق پایا بیان کیا

اور جسے چاہا چھپا دیا، تورات اور اس میں موجود احکام اور رسول اللہ ﷺ کی صفات، آپ ﷺ کی بعثت اور ہجرت سے متعلق خبروں کے بارے میں ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ (تیسیر الرحمن:52/1)

(8)﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ ''تو جو تم میں سے ایسا کرتا ہے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے ماسوا اس کی اور کیا جزا ہو سکتی ہے؟ اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے'' اللہ تعالیٰ نے شریعت کے کسی حکم پر ایمان لانے اور کسی سے کفر کرنے کی یہودیوں کو سزا دی، انہیں رسوا کیا گیا، ان میں سے کسی کو قتل کیا گیا، کسی کو غلام بنایا گیا، کسی کو جلاوطن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غلبہ عطا فرمایا جو ان کے لیے دنیا میں رسوائی تھی۔ وہ اپنی نو آبادیوں سے محروم ہوئے، ان کے نخلستان چھن گئے، بستیاں نذر آتش کر دی گئیں اور قیامت کے دن کا عذاب دنیا کے عذاب سے بڑھ کر ہوگا۔

(9) آج مسلمانوں کی دنیا میں ذلت اور رسوائی کا سبب بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ احکامات کو مان لینا اور کچھ پر عمل کرنا چھوڑ دینا ہے۔

(10) اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ دین قابل قبول ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کی جائے۔

(11)﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو'' کہہ کر انسان کو بیدار کیا گیا ہے کہ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہیں۔ اس لئے ان کی جواب دہی اور انجام سے نہیں بچ سکتے۔

(12) انسان کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کا کام کسی کے مشاہدے میں ہے تو وہ اپنے کام کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محتاط اور اس کے شعور کو بیدار کیا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے، سو نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾

اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائیں گے'' (86)

سوال: یہود نے آخرت بیچ کر دنیا کیسے خریدی اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے، اس کی وضاحت ﴿اُولٰٓئِكَ ... يُنْصَرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے

دنیا کی زندگی خرید لی ہے'' یہود نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی تھی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ترک کر کے اپنی خواہشات کا دین اپنایا تھا۔یہی آخرت کو بیچنا اور دنیا کو خریدنا ہے۔

(2) انہوں نے دنیا کے قلیل کو آخرت کے کثیر پر ترجیح دی۔(الدر المنثور: 167/1)

(3) آخرت کے بدلے دنیا خریدنے سے مراد ہے کہ (i) انسان دنیا کے فائدوں کی خاطر آخرت کو داؤ پر لگا دے۔

(ii) انسان آخرت کے لیے نہیں، دنیا کے لیے اپنا سب کچھ لگا دے۔

(4) ﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ''سو نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائیں گے'' جو لوگ آخرت کی بجائے دنیا کا فائدہ چاہتے ہیں، اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی۔

(5) ان پر عذاب کی شدت ہمیشہ رہے گی، کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا، کبھی ہٹایا نہیں جائے گا اور ہمیشہ ان پر مسلط رہے گا۔ وہ ایک گھڑی بھی عذاب کے بغیر نہ گزاریں گے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

''اور بلاشبہ ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد ہم نے پے در پے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

روشن نشانیاں دیں اور روحِ پاک سے اُس کی مدد کی، تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول اس چیز کے ساتھ آیا جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے،

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾

تم نے تکبر کیا چنانچہ کسی گروہ کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا'' (87)

سوال 1: یہود کی سرکشی، تکبر اور انبیاء کی مخالفت پر مبنی رویے کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ... تَقْتُلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اس مقام پر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فرما رہا ہے کہ انہوں نے سرکشی، عناد، تکبر اور انبیاء کی مخالفت کی روش کو اختیار کیا اور یہ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے تھے۔(المصباح المنیر: 241/1)

(2) ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی'' اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے انعامات

کا ذکر فرمارہا ہے۔(3) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب مقدس تورات عطا کی۔(تفسیر قاسمی:186/1)

(4) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اس میں یہودیوں نے تحریف کر ڈالی، اس کی غلط تفسیر بیان کی اور اس کے احکام کی مخالفت کی۔(السراج المنیر:59/1)

(5) ﴿وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے پے در پے بہت سے رسول بھیجے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے پے در پے رسول بھیجے جو تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا﴾ ''پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔''(المومنون:44)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاسی راہ نمائی بھی کیا کرتے تھے، جب بھی ان کا کوئی نبی ہلاک ہو جاتا تو دوسرے ان کی جگہ آموجود ہوتے۔''(بخاری:3455)

(7) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ کے نام قرآن حکیم میں آئے ہیں، ان میں سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا ذوالکفل علیہ السلام، سیدنا الیاس علیہ السلام، سیدنا الیسع علیہ السلام، سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا زکریا علیہ السلام، سیدنا یونس علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا یحییٰ علیہ السلام وغیرہ شامل ہیں۔

(8) ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ''اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو روشن نشانیاں دیں'' اللہ تعالیٰ نے پے در پے پیغمبر بھیجے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا اور انہیں واضح نشانیاں عطا کیں۔

(9) عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا: ﴿اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''بلاشبہ میں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں کہ میں یقیناً تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت جیسی چیز بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو بلاشبہ اس میں یقیناً تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔''(آل عمران:49)

(10) ﴿وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ''اور روحِ پاک سے اُس کی مدد کی'' روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔القدس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو درست قرار دیا ہے۔روح القدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔(فتح البیان، ابن کثیر)

(11) یہ تمام معجزات اس بات کی دلیل تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جس شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ سچی شریعت ہے مگر بنی اسرائیل نے ان کی شدید تکذیب کی اور تورات سے کچھ مختلف احکام لانے کی وجہ سے ان سے شدید عناد اور حسد کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ ''اور تصدیق کرنے والا ہوں اس کے لیے جو مجھ سے پہلے تورات میں سے ہے اور تا کہ میں بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں، اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔'' (آل عمران:50) (المصباح المنیر :242/1)

(12) ﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ ''تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول اس چیز کے ساتھ آیا جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا'' اگر تم محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو عناد اور انکار تمہاری طبیعت کا خاصہ ہے۔ (تفسیر مراغی:94/1) (i) جو ان کے دل نہیں چاہتے تھے وہ ایمان تھا۔ (ii) جو دل چاہتا تھا وہ شہوات تھیں۔ (المحرر الوجیز:177/1)

(13) ﴿اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آیا اس پر ایمان لانے اور اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا۔ (ابی سعود:236/1) (14) تورات پر ایمان رکھنے کے باوجود یہود کے لیے انبیاء علیہم السلام کی نصیحت ناقابل برداشت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات کے نام پر جس زندگی کو وہ اختیار کیے ہوئے تھے وہ خود پرستی اور دنیا پرستی کی زندگی تھی جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا لیبل لگا دیا تھا۔ جب انبیاء علیہم السلام نے انہیں حق کی نصیحت کی تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو ہماری مذہبی حیثیت کی نفی ہے۔ اس لیے وہ نبیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے ان کو ختم کرنے کے درپے ہو گئے۔

(15) ﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ﴾ ''چنانچہ کسی گروہ کو تم نے جھٹلایا'' جن پیغمبروں کو یہود نے جھٹلایا وہ محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (الوسیط:121/1)

(16) ﴿وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ''اور کسی کو قتل کر دیا'' جن کو یہود نے قتل کیا وہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام اور سیدنا زکریا علیہ السلام وغیرہ ہیں۔

(17) یہود نے نبی ﷺ کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کی یہودن، بکری کا گوشت زہر آلودہ کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دست میں سے اٹھایا اور کھانا شروع کیا اور چند صحابہ نے بھی کھانا شروع کیا، جب کچھ کھا لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھانے پر سے ہاتھ اٹھا لو'' اور یہودن کو بلانے کو آدمی بھیجا، جب وہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''تو نے اس کے گوشت میں زہر ملایا ہے؟''

اس نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بکری کے اس ہاتھ نے خبر دی جو میرے ہاتھ میں ہے'' اس نے اقرار کیا اور کہا کہ میں نے یہ فعل اس وجہ سے کیا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ کو کچھ نہیں ہوگا اور اگر نہیں ہیں تو ہم آرام سے ہو جائیں گے اور جس جس نے گوشت کھایا تھا وہ وفات پا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس زہر کو نکالنے کے لئے شانے سے خون نکلوایا۔ (تفسیر مظہری:129/1)

(18) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے: ''خیبر میں (زہر آلود) لقمہ جو میں نے اپنے منہ میں رکھ لیا تھا، اس کی تکلیف آج بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری شہ رگ اس زہر کی تکلیف سے کٹ جائے گی۔'' (بخاری:4428)

سوال 2: یہود کا تورات کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟

جواب: (1) یہود تورات کی اپنے پاس موجودگی کو اپنے لیے عظمت اور کامیابی کی علامت سمجھتے تھے مگر اس سے راہ نمائی لینا انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ (2) مسلمان بھی قرآن حکیم کی اپنے پاس موجودگی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں مگر انہوں نے اسے راہ نما کتاب کے مقام سے ہٹا دیا ہے۔

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت کی لہٰذا کم ہی ہے

مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾

جس پر وہ ایمان لاتے ہیں'' (88)

سوال: یہود کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں، ان کے اس قول کی وضاحت ﴿وَقَالُوْا ... يُؤْمِنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں'' یہود نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں یعنی ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

(2) اس سے مراد یہ ہے کہ اب دل میں کوئی نئی بات داخل نہیں ہو سکتی۔ اب تک جو سوچ اور جو عمل ہے اسی پر قائم رہیں گے۔

(3) یہود یہ سمجھتے تھے کہ ان کا عقیدہ پختہ ہے۔ اس لئے کوئی ہمیں کچھ بھی کہے ہم پر اس کی بات کا اثر نہیں ہوگا حالانکہ جس

عقیدے کی غلطی ثابت ہو چکی تھی، اب اس پر جم جانا جاہلانہ تعصب تھا۔ انسان اگر تعصب کو عقیدے کی پختگی کا نام دے تو یہ خوبی نہیں ہے۔

(4) یہ اسرائیلی مفکر کہتے ہیں کہ ہماری مقدس کتابیں اور ان سے حاصل شدہ علم ہمارے دلوں کا محافظ ہے۔ اس نے غلاف کی طرح ہمارے دلوں کو لپیٹ رکھا ہے اور وہ کوئی غیر ضروری چیز اس میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ یعنی یہ خود اپنی زبان سے تسلیم کر رہے ہیں کہ اپنی مسخ شدہ کتابوں میں سے اپنے مطلب کی باتیں انہوں نے یاد کر لی ہیں جو ان کے دلوں پر مہر کی طرح ثبت ہو گئی ہیں۔ اب سب دروازے اصلاح اور راستی کے ان پر ان کی اپنی بدبختی کے باعث بند ہو گئے ہیں اور یہ کم ہی ایمان لائیں گے۔ (تعارف الفرقان:1/125,126)

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ یہود نے کہا، ہمارے دل علم کے مخزن ہیں یہ پہلے سے ہی علم و معرفت سے بھرے ہوئے ہیں، اب ان میں علم محمد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی:2/25)

(6) ﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت کی لہٰذا کم ہی ہے جس پر وہ ایمان لاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کی اور کہا کہ ایسی بات نہیں کہ ان کے دل قبول حق کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر لعنت بھیج دی ہے اور ان پر مہر لگا دی ہے اسی لئے ان کا حال یہ ہے کہ تورات کے بہت ہی تھوڑے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔ (تیسیر الرحمن:1/53)

(7) عبدالرزاق اور ابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے کم ہی ایمان لائیں گے۔ (الدر المنثور:1/169)

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

''اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے پاس ایک کتاب آ گئی جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُن کے پاس ہے، حالانکہ وہ

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ

اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے پھر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اُس کے ساتھ

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

کفر کیا، کفر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے'' (89)

سوال: یہود جس نبی کی بعثت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اس کے مبعوث ہونے کے بعد انہوں نے کیا کیا، اس کی

وضاحت ﴿وَلَمَّا ... الْكٰفِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہود رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے پہلے ان کے منتظر تھے اور ان کی بعثت کی دعائیں کرتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو حسد کی وجہ سے ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ انہیں یقین تھا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے پاس ایک کتاب آ گئی'' یہود کے پاس آنے والی اس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی یعنی قرآن حکیم۔

(3) ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ''جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُن کے پاس ہے'' یعنی توحید اور اصول دین کی موافقت کرتا ہے۔ (تفسیر مراغی: 95/1)

(4) قرآن مجید کے احکامات اور پچھلی آسمانی کتابوں کے احکامات ایک ہی چشمے سے ہیں، اس لئے یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

(5) ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''حالانکہ وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے'' دور جاہلیت میں جب کبھی ان کے اور مشرکوں کے درمیان جنگ ہوتی تو وہ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اس نبی کے ذریعے ہماری مدد فرما اور وہ مشرکین کو ڈرایا کرتے تھے کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ اس نبی کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ (تفسیر سعدی: 135/1)

(6) نزول قرآن سے پہلے یہودی ایک ''سرخ وسپید'' نبی کے منتظر تھے جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت ہو، بحری ممالک جس کی راہ تکیں، جو فاران کی چوٹیوں پر سے چمکے، دس ہزار قدوسی جس کے ساتھ ہوں مگر جب وہ گوراچٹا نبی صحرائے عرب کی جھلس دینے والی فضا میں ظہور پذیر ہوا، جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت تھی، جس کی فتوحات سمندروں تک پہنچیں تو انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ مخالفین سے ہمیشہ یہ کہتے کہ جب ہمارا موعود نبی آئے گا تو ہم غالب ہو جائیں گے اور ہماری موجودہ پستی بلندی سے بدل جائے گی۔ (سراج البیان: 30/1)

(7) ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ ''پھر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اُس کے ساتھ کفر کیا'' یہود نے محمد ﷺ کو پہچان لیا تھا لیکن ایمان نہ لائے۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ میں یہودیوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ اے قوم یہود، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ

کوئی معبود نہیں، تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور دین حق لے کر آئے ہیں۔ (بخاری:3911)

(8) سہل سے روایت ہے جو خُثَیمہ کے غلام تھے کہ میں یتیمی کی حالت میں اپنے چچا کی پرورش میں تھا (یہ لوگ عیسائی تھے)۔ ایک روز میں نے انجیل اٹھائی اور پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے میں ایک صفحے پر پہنچا جو گوند سے اگلے صفحے کے ساتھ چپکا دیا گیا تھا، میں نے اس صفحے کو دوسرے سے الگ کر کے کھول ڈالا۔ اس صفحے پر نبی ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی تھیں۔ اس وقت میرے چچا آ گئے۔ جب انہوں نے مجھے انجیل کا وہ صفحہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو مجھے مارا اور کہنے لگے: ''یہ کیا حرکت ہے! تم نے یہ ورق کھول کر کیوں پڑھا؟'' میں نے کہا: ''اس میں تو نبی احمد ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''اب وہ نبی ظاہر ہونے والا نہیں ہے۔'' (سیرت حلبیہ:32/1)

(9) نعمان سبائی یمن کے یہودی عالموں میں سے تھے، وہ کہتے ہیں: جب میں نے نبی ﷺ کے ظہور کا چرچا سنا تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بہت سی باتوں کے بارے میں سوالات کیے (جن کے جوابات سن کر مجھے آپ ﷺ کی سچائی کا یقین ہو گیا) آخر اس کے بعد میں نے عرض کیا: ''میرے والد جب (تورات کا) ایک سفر یعنی باب ختم کیا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ تم اس باب کو یہودیوں کے سامنے اس وقت تک مت پڑھنا جب تک کہ تم یہ نہ سن لو کہ ایک نبی یثرب میں ظاہر ہو گیا ہے۔ جب تم یہ خبر سن لو تو پھر اس کو کھول سکتے ہو۔'' چنانچہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے آپ ﷺ کے متعلق سنا تو میں نے وہ سفر کھولا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں آپ ﷺ کی وہ تمام صفتیں لکھی ہوئی تھیں جو میں اس وقت آپ ﷺ میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس میں یہ سب تفصیلات تھیں کہ آپ ﷺ کن چیزوں کو حلال قرار دیں گے اور کن چیزوں کو حرام قرار دیں گے۔ اس کے بعد اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ ﷺ سب سے بہترین نبی ہیں اور آپ ﷺ کی امت سب امتوں سے بہترین امت ہے۔ یہ کہ آپ ﷺ کا نام احمد ہے اور آپ ﷺ کی امت حماد ہو گی یعنی تنہائی میں اور کھلے عام ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے والی ہو گی۔ ان کی نذر و نیاز خود ان کی جانیں ہوں گی یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے وہ لوگ جہاد میں اپنی جانوں کی سوغات پیش کریں گے۔ یہ کہ ان کی کتاب یعنی قرآن پاک ان کے سینوں میں محفوظ ہو گا یعنی اپنی کتاب کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ وہ جب بھی کسی لڑائی میں شریک ہوں گے تو جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہوں گے جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ان پر سایہ کیے رکھیں گے جیسے پرندہ اپنے بچوں پر چھایا رہتا ہے۔'' (پھر سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) مجھ سے میرے باپ نے کہا تھا کہ جب بھی تم اس نبی کے متعلق خبر سنو تو فوراً ان کے پاس حاضر ہونا، ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا۔'' یہ واقعہ سن کر آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ ﷺ

کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس واقعہ کو سنیں۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''اے نعمان رضی اللہ عنہ! ہمیں وہ واقعہ پھر سناؤ۔'' چنانچہ نعمان رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ شروع سے آخر تک سنایا۔ جب نعمان رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا رہے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی۔ (واقعہ سن لینے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔'' (سیرت حلبیہ: 38,37/1)

(10) ابن اسحاق کہتے ہیں: مخیریق کا حال مجھ کو اس طرح پہنچا کہ مخیریق یہودیوں میں ایک عالم اور نہایت مال دار شخص تھے اور اپنی کتابوں کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی صفات سے خوب واقف تھے۔ جب احد کی جنگ کا موقع ہوا تو وہ ہفتہ کا دن تھا اور مخیریق نے یہودیوں سے کہا کہ اے گروہ یہود! تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی مدد کرنی تم پر لازمی ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ مخریق نے کہا: ہفتہ سے تمہارے واسطے کچھ نقصان نہیں ہے اور پھر انہوں نے اپنے ہتھیار لیے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہو کر کفار کو خوب قتل کیا اور آخر خود بھی شہید ہوئے اور چلتے وقت یہودیوں سے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں قتل ہو گیا تو میرا سب مال محمد ﷺ کا ہے، وہ جو چاہیں اس کو کریں۔ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مخیریق بہترین یہود میں سے تھے اور نبی ﷺ نے مخیریق کے مال کو اپنے تصرف میں کر لیا اور مدینہ میں آپ ﷺ کے عام اخراجات اسی سے ہوتے تھے۔ (ابن ہشام: 347/1)

(11) ابن اسحاق کہتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود اوس اور خزرج کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ ﷺ کے واسطے سے دعائے فتح کیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے کفر کیا اور انکار کر گئے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ پہلے تو تم ہم پر محمد ﷺ کے واسطے سے دعائے فتح کیا کرتے تھے اور ہم کو خبر دیتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی صفات بیان کرتے تھے، اب ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے ہو؟ سلام بن مشکم یہودی نے جو بنی نضیر میں سے تھا، ان کو جواب دیا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے ہم ان کو پہچانیں اور نہ محمد ﷺ وہ نبی ہیں جس کا ہم تم سے ذکر کرتے تھے۔ (ابن ہشام: 373/1)

(12) یہود کے جاہلی تعصّبات اپنے گروہ سے باہر کے ایک نبی کا اعتراف کرنے میں رکاوٹ بن گئے۔

(13) یہود کی سرکشی اور حسد اس اعتراف کے راستے کی رکاوٹ بن گئے۔ ان کو حسد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضل نبوت ان کی بجائے کسی اور کو کیوں دے دیا۔

(14)﴿فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''کفر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے'' یہود جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو یہود میں سے ہر کافر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کیونکہ انہوں نے اسلام کی دعوت کا انکار کیا۔ (تفسیر منیر:1/ 244,243)

(15) اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کفر اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں کے گرد جہل اور تکبر کی فولادی دیوار اٹھالی ہے، اپنے دلوں پر انکار کی مہریں لگالی ہیں اور یہ اپنے اس رویے کے باعث ملعون ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی برکتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم اور عذاب کے سزاوار۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ان پر۔ (تعارف الفرقان:1/126)

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ

''بری ہے وہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ وہ انکار کر دیں اس کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس ضد کی وجہ سے

يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ پھر وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾

اور کافروں کے لیے توہین آمیز عذاب ہے'' (90)

سوال: یہودی غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے، اس کی وضاحت ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا...مُّهِيْنٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا﴾ ''بری ہے وہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ وہ انکار کر دیں اس کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس ضد کی وجہ سے'' یہود نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کی بجائے تکذیب کی، ایمان لانے کی بجائے کفر کیا، فرماں برداری کی بجائے نافرمانی کی اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق کر لیا۔ انہوں نے اپنی کامیابی، اپنی سعادت، فلاح اور نجات کو اس ضد اور حسد کی بناء پر قربان کر دیا کہ یہ نبی ﷺ ہماری نسل سے کیوں نہیں آیا۔ یہ سودا برا ہے جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اپنی ہمیشہ کی کامیابی قربان کر کے یہود نے صرف حسد اور ضد حاصل کی۔

(2)﴿اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل اپنے بندوں میں سے

جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد نبوت اور رسالت ہے۔ (المحرر الوجیز:179/1)

(3) انہیں حسد اس بات پر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل یعنی رسالت اور نبوت جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں حسد نہ کرو۔'' (بخاری:6064)

(5) ﴿فَبَآءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ ''پھر وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے'' قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: پہلا غضب اس پر کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا اور دوسرا غضب اس پر کہ انہوں نے محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کیا۔ (الدر المنثور:171/1)

(6) ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور کافروں کے لیے توہین آمیز عذاب ہے'' کفر کا سب سے بڑا سبب حسد اور بغض تھا جو غرور سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں غرور کی یہ سزا دی گئی کہ دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ان پر ذلت والے عذاب مسلط کر دیے گئے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ ''یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جلد ہی وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' (غافر:60) (السراج المنیر:61/1)

(7) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''متکبر (گھمنڈ کرنے والے) لوگوں کو قیامت کے دن میدان حشر میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کے مانند لوگوں کی صورتوں میں لایا جائے گا، انہیں ہر جگہ ذلت ڈھانپے رہے گی، پھر وہ جہنم کے ایک ایسے قید خانے کی طرف ہنکائے جائیں گے جس کا نام ﴿بولس﴾ ہے۔ اس میں انہیں بھڑکتی ہوئی آگ ابالے گی، وہ اس میں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ پئیں گے جسے ﴿طينة الخبال﴾ کہتے ہیں، یعنی سڑی ہوئی بدبودار کیچڑ۔'' (ترمذی:2492)

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اُس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم

وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

پر نازل کیا گیا اور جو اس کے علاوہ ہے اُس کا وہ کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور جو اُن کے پاس ہے اُس کی تصدیق کرنے والا ہے۔

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

کہہ دو کہ اگر تم ایمان لانے والے تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے؟'' (91)

سوال: رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے بغیر تورات اور انجیل پر ایمان مکمل نہیں، اس کی وضاحت ﴿وَاِذَا قِيْلَ

...مُّؤْمِنِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے'' جب اہل کتاب سے رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کو کہا جاتا تو وہ کہتے کہ تورات اور انجیل پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں۔ان کتابوں پر بھی ان کا ایمان نہیں کیونکہ انہیں میں آپ کی تصدیق مندرج ہے اور آپ کی کتاب بھی ان کی کتاب کی سچائی کو بتاتی ہے۔لہٰذا آپ پر ایمان لانا عین تورات اور انجیل پر ایمان لانا ہے کیونکہ آپ پر ایمان لائے بغیر تورات وانجیل پر ایمان نامکمل ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ تورات اور انجیل پر ایمان لانا کافی ہے،فریب ہے کافی تو تب ہوتا جب آپ پر بھی ایمان لے آتے۔آپ کے انکار سے ان کتابوں کا انکار بھی لازم آرہا ہے۔
(السراج المنیر :61/1)

(2)﴿قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ ''تو کہتے ہیں کہ ہم اُس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو اس کے علاوہ ہے اس کا وہ کفر کرتے ہیں'' یہود تورات کے سوا سب کتابوں کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان پر واجب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر ایمان لائیں۔

(3)رب العزت نے یہود کے قرآن کا انکار کرنے کا ردّ دو پہلوؤں سے کیا ہے۔فرمایا:(i)﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ ''حالانکہ وہ حق ہے'' یہ قرآن اپنے احکامات،اپنی خبروں میں حق پر مشتمل ہے،حق ہی پر نازل کیا گیا اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔قرآن حکیم کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کا اور اس حق کا انکار ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔(ii)﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ''اور جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے'' قرآن مجید کا ان تمام کتابوں کی تصدیق کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر نازل کی گئیں اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔

(4)قرآن حکیم کا انکار دراصل ساری کتابوں کا انکار ہے۔

(5)یہود اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے درمیان تفریق کرتے تھے۔کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کرنا عین کفر ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (۱۵۰) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۱۵۱)﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اس کے درمیان ہی میں کوئی راستہ بنالیں۔یہی لوگ حقیقی

کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء:151,150)

(6)﴿قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''کہہ دو کہ اگر تم ایمان لانے والے تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے'' رب العزت نے یہود سے سوال کیا ہے کہ اگر تم تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے تھے تو ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے؟

(7) یہود نے سیدنا زکریا علیہ السلام اور سیدنا یحییٰ علیہ السلام وغیرہ کو قتل کیا۔ (تحمیاہ 9:26)

(8) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا تورات پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی درست نہیں۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

''اور بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پکڑ لیا

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾

حالانکہ تم ظلم کرنے والے تھے'' (92)

سوال 1: یہود سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھی نافرمانی کرتے تھے، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ ... ظٰلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہود تورات اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھی نافرمانی کی۔ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کیا اور ایک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

(2)﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آئے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر اور اپنے رسول ہونے پر روشن نشانیاں لائے تھے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام واضح معجزات لائے۔ بینات سے مراد وہ نشانیاں اور دلائل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی اور رسول ہونے کے ثبوت میں پیش کئے تھے۔ جیسے طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، سمندر میں راستہ، پتھر سے چشموں کا جاری ہونا اور من وسلویٰ وغیرہ۔ (تیسیر الرحمن:55/1)

(4)﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پکڑ لیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چالیس روزہ قیام طور کے زمانے میں جب ان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا دباؤ نہ رہا تو انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

(5)﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''حالانکہ تم ظلم کرنے والے تھے'' بنی اسرائیل نے شرک کر کے ظلم کیا تھا۔

(6) کیا اب بھی کہہ سکتے ہو کہ تمہارا تورات اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے؟ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو تمہاری بدکرداریاں تو تمہیں ظالم، بے ایمان اور احسان فراموش کہہ کر پکار رہی ہیں۔ (السراج المنیر :62/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر بنی اسرائیل کے ظلم کا اُنہیں احساس کیوں دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے ظلم کا احساس اس لئے دلایا ہے کہ یہود پر ثابت کیا جائے کہ اُن کا تورات پر ایمان کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے یہود کو اُن کے ظلم کا احساس دلا کر کوشش کی ہے کہ وہ اس نبی اور کتاب پر ایمان لے آئیں۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ کو اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے قوت کے

اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۛ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ

ساتھ پکڑو اور سنو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی اور اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں میں بچھڑے کی محبت

بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

پلا دی گئی۔ کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو تو بُری چیز ہے جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے'' (93)

سوال 1: طور کو اٹھانے اور عہد لینے کے بعد بھی یہود نے نافرمانی کی، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا ... مُّؤْمِنِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا﴾

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ کو اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے قوت کے ساتھ پکڑو اور سنو'' اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں، عہد و میثاق کی خلاف ورزیاں اور سرکشیاں شمار کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے ان پر کوہ طور کو لا کھڑا کیا تھا جس کی وجہ سے وقتی طور پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کر لیا، پھر اس کی مخالفت شروع کر دی اسی وجہ سے انہوں نے کہا تھا: ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔'' (المصباح المنیر :249/1)

(2) یہود نے وقتی طور پر جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ورنہ وہ ہمیشہ نافرمانی پر قائم رہے۔

(3) یہ کفر، دشمنی اور ضد کی انتہا ہے کہ زبان سے تو یہ اقرار کیا جائے کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت ہو کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے۔

(4) ﴿وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ﴾ ''اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی'' یہود کے دل بچھڑے کی محبت اور اس کی عبادت کے رنگ میں رنگے گئے اور ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں میں گویا بچھڑے کی محبت رچ بس گئی۔ (تفسیر سعدی:1/138)

(5) ﴿وَاُشْرِبُوْا﴾ کا مطلب ہے ''پلائی گئی'' فتح القدیر میں ہے کہ پانی انسان کے رگ وریشے میں خوب دوڑتا ہے جب کہ کھانا ویسے نہیں دوڑتا۔

(6) ﴿قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ ''کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو تو بری چیز ہے جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارا ایمان کتنا برا ہے جو تمہیں بچھڑے کی عبادت کا حکم دیتا ہے۔ تم نے انبیاء کو قتل کیا۔ تم نے تورات کے احکامات کو تب قبول کیا جب پہاڑ کو تمہارے سر پر کھڑا کر دیا گیا۔ تم نے رسولوں سے سرکشی کی، ان کا انکار کیا، ان کو قتل کیا، یہ کیسا ایمان ہے اور یہ کیسا دین ہے۔

سوال 2: ایسا کیوں ہوتا ہے کہ انسان حق بات سننے اور سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرنا چاہتا؟

جواب: (1) انسان جب توجہ سے نہیں سنتا بلکہ کبھی کبھار casually سنتا ہے تو سننا اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

(2) انسان جب حق بات کو اللہ تعالیٰ کی بات سمجھنے کی بجائے اپنے سامنے والے انسان کی بات سمجھتا ہے تو وہ تعصب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس تعصب کے ساتھ حق پر عمل نہیں ہو سکتا۔

(3) انسان حق کو سنتا ہے لیکن اس کو دنیا کی مصلحتیں حق سے زیادہ بڑی محسوس ہوتی ہیں۔ اپنی مصلحت پرستی کی وجہ سے وہ حق پر عمل نہیں کر سکتا۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا

''کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے تو اگر تم

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾

سچے ہو تو موت کی تمنا کرو'' (94)

سوال 1: یہود کو مباہلہ کی دعوت دی گئی، اس کی وضاحت ﴿قُلْ ... صٰدِقِیْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دو'' آپ ان سے کہہ دو۔ یعنی دعوت مباہلہ دیتے ہوئے۔

(2) ﴿اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ ''اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے'' اگر آخرت کا گھر یعنی جنت تمہارے لیے ہے یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی اور نصرانی ہوں اور یہ کہ تمہیں آگ چند دن کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔

(3) ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ ''تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو'' موت کی تمنا کرو کیونکہ تمہارا خیال تو یہ ہے کہ اس کے بعد تو تم جنت میں چلے جاؤ گے جو خالص تمہارے لیے ہے۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا: ''کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو'' یعنی یہ دعا کرو کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں سے جو فریق جھوٹا ہو تو اس پر موت طاری ہو جائے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی دعا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 177/1)

(5) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہودی موت کی آرزو کر لیتے تو فی الواقع مر جاتے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 177/1)

﴿وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾

''اور وہ ہرگز اس کی تمنا کبھی نہیں کریں گے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے'' (95)

سوال: یہودی موت کی تمنا کیوں نہیں کر سکتے، اس کی وضاحت ﴿وَلَنْ ... بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ ''اور وہ ہرگز اس کی تمنا کبھی نہیں کریں گے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' (i) یہودی جانتے ہیں کہ موت ان کے کفر اور معاصی جیسے برے اعمال کی جزا کا راستہ ہے اس لیے کبھی اس کی تمنا نہیں کر سکتے۔

(ii) یہودی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی میں انتہا کو پہنچ گئے ہیں وہ موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے۔

(iii) یہودی موت کی تمنا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے نہیں ہیں۔

(iv) وہ زندگی کے حریص ہیں حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں۔

(2) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (6) وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (7) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (8)﴾ ''آپ کہہ دیجئے اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یقیناً تم دوسرے لوگوں کے ماسوا اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم واقعی سچے ہو۔ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ آپ کہہ دیں بلاشبہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو تو یقیناً وہ تم سے ملنے والی ہے، پھر تم اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔'' (الجمعہ:6-8)

(3) یہود کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوت مباہلہ دے دی تو گھبرا کر کہنے لگے: اگر تم نے اس نبی سے مباہلہ کر لیا تو اللہ کی قسم کوئی زندہ نہ بچے گا۔ آخر کار مباہلہ کے لیے تیار نہیں ہوئے اور جزیے کی ذلت قبول کر لی۔ آپ نے جزیہ وصول کرنے کے لیے ان کے ساتھ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ (السراج المنیر :1/63،64)

(4) ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کو، ان کے برے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ

''اور آپ انہیں لوگوں میں سب سے زیادہ زندگی پر حریص پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا۔ ان کا ہر ایک یہ چاہتا

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ

ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے حالانکہ وہ اُسے عذاب سے بچانے والی نہیں یہ کہ اسے لمبی عمر دی جائے اور

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں'' (96)

ع 11 10 11

سوال 1: یہود زندگی کے لیے انتہائی حریص ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ ... يَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ''اور آپ انہیں لوگوں میں

سب سے زیادہ زندگی پر حریص پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا'' یہود زندگی کے حریص ہیں کیونکہ وہ دنیا کی زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں اپنا بدترین حشر معلوم ہے۔

(2) دنیا سے محبت کی نشانیاں یہ ہیں: (i) لمبی امیدیں باندھنا۔ (ii) زندگی کی حرص خواہ وہ کسی طرح کی زندگی ہو، عزت کی زندگی ہو یا ذلت کی۔ (iii) مال کی محبت۔ (iv) آخرت سے بے پرواہی، بے خوفی۔

(3) یہود مشرکوں سے بھی بڑھ کر حریص ہیں کیونکہ مشرک زندگی کی حقیقتوں کو اہل کتاب کی طرح نہیں جانتے۔ اس وجہ سے وہ آخرت پر اور اللہ تعالیٰ کے آگے حاضری پر یقین نہیں رکھتے۔

(4) یہودی آخرت کو مانتے ہیں لیکن دنیا کی حرص رکھتے ہیں کیونکہ اپنے اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے انہیں آخرت کی ذلت وخواری نظر آتی ہے۔

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزوں میں جوان رہتا ہے: عمر کی حرص میں اور مال کی حرص میں۔'' (ترمذی:2339)

(6) ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ''ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے'' زندگی کی حرص کے لیے یہ بلیغ ترین پیرایہ ہے۔

(7) مجاہد ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ''ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ گناہوں نے ان میں طویل عمر کی خواہش پیدا کی ہے۔ (ابن ابی حاتم:179/1)

(8) ﴿وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ﴾ ''حالانکہ وہ اُسے عذاب سے بچانے والی نہیں یہ کہ اسے لمبی عمر دی جائے'' اللہ تعالیٰ نے زندگی کی حرص کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ عمر مل بھی جائے تو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

(9) انہوں نے ایسی آرزو کی ہے جو محال ہے، اگر یہ عمر عطا بھی کر دی جائے تو ان کے کام نہیں آسکتی نہ عذاب کو دور کر سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی:140/1)

(10) ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو اعمال سے بے خبر ہے، نہ اعمال کے پیچھے کام کرنے والے ارادوں سے بے خبر ہے۔

(11) اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے کہ ان کی نیتیں کیسے بنتی ہیں اور کام کیسے ہوتے ہیں۔

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ یہ یقین انسان کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب: (1) ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں'' یہ یقین کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے،

انسان کی زندگی بدل دیتا ہے۔

(2) انسان اپنے عمل کے پیچھے چھپے ہوئے ارادے کے بارے میں بھی خبردار ہوجاتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے چھپ نہیں سکے گا۔

(3) انسان اپنے ہر عمل پر رب کی نظروں کو شعوری طور پر محسوس کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کی حرص جو دلوں کے اندر بسی ہوئی تھی اس سے یہ شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

(4) حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ انسان کی اتنی نافرمانیوں پر بھی اسے اپنی آگ کا شعور دیتے ہیں۔ یہی شعور انسان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ یہی شعور انسان کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

''آپ کہہ دیں جو جبریل کا دشمن ہے اُس نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو اپنے سے قبل

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

کی تصدیق کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہے'' (97)

سوال: یہود جبرائیل علیہ السلام کو دشمن سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب دیا ہے، اس کی وضاحت ﴿قُلْ... لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ ''آپ کہہ دیں جو جبریل کا دشمن ہے'' یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ جبریل علیہ السلام ان کے دشمن ہیں اور میکائیل ان کے دوست ہیں۔ یہ آیت یہودیوں کے اسی عقیدے کی تردید میں نازل ہوئی ہے کہ جبریل علیہ السلام ان کے دشمن ہیں۔

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے بڑے عالم تھے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (مدینہ) تشریف لانے کی خبر سنی تو وہ اپنے باغ میں پھل توڑ رہے تھے۔ وہ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے ایسی تین چیزوں کے متعلق پوچھتا ہوں جنہیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بتلایئے! قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کی دعوت کے لیے سب سے پہلے کیا چیز پیش کی جائے گی؟

بچہ کب اپنے باپ کی صورت میں ہوگا اور کب اپنی ماں کی صورت پر؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ابھی جبریل علیہ السلام نے آ کر ان کے متعلق بتایا ہے۔'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے: جبریل علیہ السلام نے؟ فرمایا: ''ہاں'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ اور ان کے سوالات کے جواب میں فرمایا: ''قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہوگی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر لائے گی۔ اہل جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہوگا اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ ماں کی شکل کا ہوتا ہے۔'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول اٹھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' (صحیح بخاری:4480)

(3) بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وجہ سے بار بار سزائیں دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ عذاب کی آمد سے قبل پیغمبروں کی زبان سے پیشگی اطلاع دی جاتی تھی اور یہ خبر سیدنا جبریل علیہ السلام لے کر آتے تھے اور پیغمبر پھر اپنی قوم کو خبردار کرتے تھے۔ اس خبر کے پہنچانے کا مقصد تو یہ تھا کہ یہود اپنی اصلاح کر لیں لیکن وہ خبر لانے والے ہی کو اپنا دشمن سمجھ لیتے تھے۔

(4) ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ ''آپ کہہ دیں جو جبریل کا دشمن ہے اس نے تو آپ کے دل پر اس (قرآن) کو نازل کیا ہے'' رب العزت نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ ان یہودیوں سے کہہ دیجیے جن کا یہ گمان ہے کہ ان کو آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اس چیز نے روکا ہے کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر وحی لے کر آتے ہیں، اگر کوئی اور فرشتہ آتا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے، یہ گمان درست نہیں کیونکہ تمہارا ایمان نہ لانا تمہارے حسد، ضد اور تکبر کی وجہ سے ہے۔ ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ جبریل علیہ السلام ہی وہ فرشتہ ہیں جنہوں نے پہلے انبیاء پر وحی نازل کی اور انہوں نے ہی آپ ﷺ کے دل پر قرآن نازل کیا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (۱۹۳) عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (۱۹۴)﴾ ''اسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔'' (الشعراء:194,193)

(5) ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے'' اللہ تعالیٰ کے علم، اس کے ارادے، اس کی دی ہوئی آسانی اور اس کی سہولت سے جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ جبریل علیہ السلام پیغام لانے والے ہیں، بھیجنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ (فتح القدیر:150/1)

(6) ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''جو اپنے سے قبل کی تصدیق کرنے والا ہے'' جبریل علیہ السلام جو قرآن لے کر نازل

ہوئے ہیں وہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

(7) قرآن مجید تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر نازل کی گئی ہیں۔ قرآن مجید ان کی تعلیمات کی بھی اصولی طور پر تصدیق کرتا ہے۔ قرآن مجید صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان کتابوں میں شامل کر دی گئیں۔ قرآن مجید پچھلی کتابوں کے لیے سچائی کا گواہ بن کر نازل ہوا ہے۔

(8) ﴿وَهُدًى﴾ ''اور ہدایت ہے'' قرآن مجید نفع مند علم اور اعمال صالح کا راستہ دکھانے والا ہے۔ یہ ہر قسم کی گمراہیوں سے بچانے کے لیے مکمل ہدایت کا راستہ ہے۔

(9) قرآن مجید زندگی کے ہر پہلو، موقع اور ہر شعبے کے لئے راہ نمائی ہے خواہ وہ ذاتی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے متعلق۔ اہل ایمان چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کے بارے میں سنجیدہ ہوتے ہیں، وہ سچے دل سے اس کو قبول کرتے ہیں، لہٰذا ان کے لئے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہدایت بن جاتی ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ قرآن ان کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔'' (حم السجدہ:44)

(10) ﴿وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ایمان والوں کے لیے خوش خبری ہے'' جو لوگ قرآن مجید پر ایمان لے آئیں یہ ان کے لیے دنیاوی اور اخروی بھلائیوں کی بشارت ہے۔ (11) قرآن مجید ایمان والوں کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے۔ (الوسیط:179/1)

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾

''جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے'' (98)

سوال: اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں سے دشمنی کرنے والوں کو جو تنبیہ کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿مَنْ كَانَ ... عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں سے اور جبریل اور میکائیل سے دشمنی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ دشمن ہو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(2) ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ﴾ ''جو کوئی اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے'' اللہ تعالیٰ سے عداوت سے مراد اس کے احکامات کی مخالفت اور اس کی اطاعت نہ کرنا اور اس نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کا انکار کرنا ہے۔ (تفسیر مراغی:100/1)

(3) ﴿وَمَلٰٓئِكَتِهٖ﴾ ''اور اس کے فرشتوں کا'' اور اس کے فرشتوں کا دشمن یعنی جو کچھ لوگوں کے لیے پیغامات فرشتے لے

کرآئے ان پرعمل کرنے سے کراہت کی وجہ سے دشمنی ہے۔

(4)﴿وَرُسُلِهٖ﴾ ''اوراس کے رسولوں کا'' اوراس کے رسولوں کی دشمنی جیسا کہ ان کی رسالت پر دلائل ہونے کے باوجود انہوں نے بعض نبیوں کو قتل کر دیا مثلاً سیدنا زکریا ویحییٰ علیہما السلام وغیرہ کو۔

(5)اس آیت میں ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ کا لفظ تمام رسولوں کے لیے ہے خواہ ان کا تعلق فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب فرماتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔'' (الحج:75)(المصباح المنیر :1/256)

(6)﴿وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ﴾ ''اور جبریل اور میکائیل کا'' جبریل علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ آیات بینات اور عذاب لے کر آتے تو کہا گیا جو ان کا دشمن ہے وہ میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ان دونوں کی محبت کی طرف بلانے والا داعی ایک ہے۔ (تفسیر مراغی:1/100)

(7)﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے'' جبریل علیہ السلام سے دشمنی رکھنا دراصل اللہ تعالیٰ اوراس کی آیات کا انکار ہے۔

(8)یہ دشمنی اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اوراس کے فرشتوں سے ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔'' (بخاری:6502)

(9)یہودیوں کی جبریل علیہ السلام کے ساتھ دشمنی اس وجہ سے ہے کہ وہ رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر نازل ہوتے رہے ہیں۔ ان کا کفر درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے جس نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا اوراس وحی یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اوراس کے رسول کے ساتھ ہے جس کی طرف وحی بھیجی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ وہ کافروں کا، حق کے دشمنوں کا اور انکار کرنے والوں کا دشمن ہے۔

(10)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے دشمنی رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو، پھر وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے تم بھی اس سے دشمنی رکھو، وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔'' (یعنی زمین میں بھی جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے یا فرشتے ہیں وہ اس کے دشمن رہتے ہیں) (مسلم:2637)

(11)اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی بندے سے دشمنی ہوتی ہے تو وہ اس کے گناہوں پر عذاب دیتا ہے، اس سے درگزر نہیں کرتا اور اس کی مغفرت نہیں فرماتا۔

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾

''اور بلاشبہ یقیناہم نے آپ پر واضح آیات نازل کی ہیں اور اس کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا''(99)

سوال1: رسول اللہ ﷺ پر نازل کی جانے والی آیات میں ان کی نبوت کی دلیل کیسے ہے، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ۔۔۔اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناہم نے آپ پر واضح آیات نازل کی ہیں''﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ سے مراد صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی آیات ہیں۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد ﷺ! ہم نے آپ کی طرف ایسی واضح آیات نازل کی ہیں جو آپ کی نبوت کی دلیل ہیں۔ان آیات سے مراد کتاب اللہ کے وہ محتویات ہیں جن میں علوم یہود کے مخفی پہلوؤں، ان کے پوشیدہ رازوں، بنی اسرائیل کے پہلے لوگوں کی خبروں اور ان کی آسمانی کتابوں کی ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جنہیں ان کے احبار وعلماء کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔نیز ان کے اگلے اور پچھلے لوگوں نے احکام تورات میں جو تحریف اور تبدیلی کی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی کتاب مقدس میں طشت از بام کر دیا ہے جسے اس نے نبی آخر الزماں محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔یہ تمام باتیں ایک ایسے منصف مزاج انسان کے لیے بلاشک وشبہ واضح اور روشن آیات ہیں جسے حسد وسرکشی نے تباہ وبرباد نہ کر دیا ہو کیونکہ ہر صحیح الفطرت انسان مجبور ہے کہ وہ ان آیات بینات کی تصدیق کرے جنہیں محمد ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے، حالانکہ آپ نے کسی بشر سے کوئی علم نہیں سیکھا اور نہ ان آیات میں سے کسی کو کسی دوسرے انسان ہی سے لیا ہے۔(تفسیر طبری:1/618)

(2)آیات کا واضح ہونا ایک معجزہ ہے جن کو ایک ذہین ترین فرد بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور ایک غبی انسان بھی۔

(3)﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ کے نزول پر مطالبہ یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔

(4)یہ واضح آیات اس کے لیے ہدایت بنیں گی جو اس کا طلب گار ہوگا۔

(5)﴿وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور اس کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا'' جو اللہ تعالیٰ کی آیات بینات کا انکار کرتا ہے اس پر حجت قائم ہوتی ہے۔

(6)یہ آیات اپنے دلائل کی وضاحت کے اعتبار سے ایسا بلند مقام رکھتی ہیں کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا ماسوائے فاسق

کے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حامل کسی گروہ کا بگاڑ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

جواب: آخرت کی نجات کا انحصار نیک کاموں کی بجائے 'بے عملی' میں تلاش کرنے ہی سے بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے۔ مثلاً:

(1) اللہ تعالیٰ کا کلام عمل کی پکار ہے مگر جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس کے افراد مقدس کلام لکھ لینے یا زبان سے بول دینے کو ہر قسم کی برکتوں کا نسخہ سمجھ لیتے ہیں۔

(2) زبان سے محض چند الفاظ ادا کر لینے سے جنت حاصل کرنے والے دنیا کو بھی کلام کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

(3) بزرگوں سے عقیدت رکھنے ہی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھنے والے بزرگوں کی روحوں سے تعلق قائم کر کے دنیا کے مسائل حل کرنے لگتے ہیں۔ (4) وظیفوں پر یقین رکھنے والے لفظوں کی ادائیگی سے ہی امت کو کامیابی کی راہ دکھانا چاہتے ہیں۔

﴿اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

''کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے'' (100)

سوال 1: عہد شکنی یہود کی پرانی عادت ہے، اس کی وضاحت ﴿اَوَكُلَّمَا ... يُؤْمِنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ ''کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا ذکر فرمایا ہے کہ جب بھی انہوں نے کوئی معاہدہ کیا اسے توڑ ڈالا۔ (2) یہود کو ان کی بدعہدیاں یاد دلائی جا رہی ہیں۔ جب کبھی انہوں نے عہد کیا، وفا نہیں کیا۔

(3) بنی اسرائیل سے رب نے عہد لیا تھا کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور توجہ سے سنو۔

(4) بنی اسرائیل نے کتاب کو پس پشت ڈالا اور کتاب میں تحریف بھی کر دی یوں اس عہد کو علی الاعلان توڑ ڈالا۔

(5) ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے'' یہود کی بدعہدی کا سبب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۵۵) اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (۵۶)﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے آپ نے عہد باندھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ

نہیں ڈرتے۔" (الانفال:56,55)

سوال 2: اس آیت میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

جواب: کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا معاہدہ جو کل بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، آج وہ ہمارے لئے بھی ہے لیکن آج ہماری سوسائٹی میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو اس کتاب کو پڑھنا اور سمجھنا اپنے لئے ضروری خیال نہیں کرتے اور کتاب کی کسی ذمہ داری کو ضروری خیال نہیں کرتے مثلاً اس کو سمجھنا، سکھانا، اس پر عمل کرنا اور اسے آگے پہنچانا۔

سوال 3: کتاب کے معاہدے کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) کتاب کے معاہدے کو ایسے پورا کیا جا سکتا ہے کہ انسان کتاب پر سچے دل سے ایمان لے آئے یعنی ایمان کی حقیقت کو سمجھ جائے۔ پھر اپنے قلب کے اندر اس کی ضرورت و اہمیت کو اتار لے۔

(2) انسان پختہ ارادہ کرے کیونکہ شعوری معاہدے کے بغیر کلام اللہ سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہتا۔

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

"اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اُس چیز کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو اُن کے پاس ہے تو اُن لوگوں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں" (101)

سوال: یہودیوں نے کتاب اللہ کی قدر نہیں کی، اس کی وضاحت ﴿وَلَمَّا ... يَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ "اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اُس چیز کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو اُن کے پاس ہے" اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ پہلی کتابوں کے بعد جب نبی ﷺ اُس حق کے ساتھ کتاب لے کر آئے جو ان کی کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کی قدر نہ کی۔

(2) ﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ "تو اُن لوگوں میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں" بنی اسرائیل کی کتابوں میں نبی کی بشارت موجود تھی وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لا کر دراصل اپنی کتاب کے حکم کو چھوڑ

رہے ہیں اور بے رغبتی کے ساتھ اسے دور پھینک رہے ہیں۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ تورات میں محمد ﷺ کی تصدیق اور اتباع کے بارے میں کچھ آیا ہے۔ (الدر المنثور: 1/181)

(3) سدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جب محمد ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے تورات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور آصف (بن برخیا) کی کتاب اور ہاروت اور ماروت کے جادو کو اختیار کر لیا جو کہ قرآن کے مخالف تھا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''گویا وہ جانتے ہی نہیں۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم: 1/184)

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

''اور وہ اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ

کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا، حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا

سکھاتے تھے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم یقیناً آزمائش ہیں چنانچہ تو کفر نہ کر پھر بھی وہ اُن دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے تھے حالانکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر اس میں سے کسی ایک کو بھی ہرگز ضرر پہنچانے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

والے نہیں تھے اور وہ ایسا علم سیکھتے تھے جو اُنہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا

مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور یقیناً بُرا ہے جس کے بدلے اُنہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کاش وہ جانتے ہوتے!'' (102)

سوال 1: یہود کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے کیسے لگ گئے، اس کی وضاحت ﴿وَاتَّبَعُوْا ... السِّحْرَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ ''اور وہ اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین

سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے'' بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا تو جادو کے پیچھے لگ گئے۔رب العزت نے اسی دور کا ذکر کیا ہے کہ وہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی جس میں انہوں نے جادو ایجاد کیا۔

(2) اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جو کوئی کسی نفع مند چیز کو ترک کرنا چاہتا ہو حالانکہ اسے اس کا فائدہ نصیب ہوسکتا ہو لیکن وہ فائدہ نہ اٹھائے تو اسے ایسے کام میں مصروف کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔اسی طرح یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ سے،اس کے فرشتوں سے،اس کے رسولوں سے،اس کی کتابوں سے،اللہ والوں سے دشمنی رکھی تو اللہ تعالیٰ نے مکافات عمل کے طور پر انہیں جادو سیکھنے،سکھانے اور جادو کرنے میں مشغول کر دیا۔

(3) یہود اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین پڑھتے تھے۔شیاطین ایسا کلام پڑھتے ہیں جس سے دوسروں پر برے اثرات ڈالے جاسکتے ہیں یعنی جادو۔

(4) یہاں یہود کی ایک گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور شیطانوں سے جادو سیکھنا شروع کر دیا۔(تیسیر الرحمن:59/1)

(5)﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا'' شیاطین نے یہودیوں کو جادو سکھانے کے لیے یہ دھوکہ دیا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت اسی جادو کے زور پر چلتی تھی اور وہ اسی جادو پر عامل تھے۔اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا یعنی انہوں نے قطعاً جادو نہیں سیکھا۔اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو جادو سے منزہ قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ کفر کرے کیونکہ جادو تو کفر ہے۔

(6)﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾''لیکن شیاطین نے کفر کیا'' شیاطین نے کفر کا ارتکاب کیا۔وہ جادو سیکھتے تھے اور سکھاتے تھے۔

(7)﴿يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾''کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے'' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔وہ جادو کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور ان کی حرص یہ تھی کہ لوگوں کو سرکش بنائیں۔اس وجہ سے وہ جادو سکھاتے تھے۔

سوال 2: جادو کیا ہے؟

جواب:(1) شریعت میں جادو ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا سبب چھپا ہوا ہو،اثرات تو نظر آئیں لیکن اثر ڈالنے والا نظر نہ آئے۔(2) جادو کے لیے عربی زبان میں سحر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔علماء اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: اللیث کہتے ہیں:''سحر وہ عمل ہے جس میں پہلے شیطان کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اس سے مدد لی جاتی ہے۔'' (تاج العروس:502/6)

(3)الازہری کہتے ہیں:''سحر دراصل کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کا نام ہے۔''(تہذیب اللغۃ:290/4)

(الموسوعۃ الفقہیۃ:259/24)

(4)شمر،ابن ابی عائشہ سے بیان کرتے ہیں:''عربوں نے جادو کا نام سحر اس لیے رکھا ہے کہ یہ تندرستی کو بیماری سے اور بغض کو محبت سے بدل دیتا ہے۔''(تاج العروس:503/6والموسوعۃ الفقہیۃ:259/24)(لسان العرب:348/4)

(5)امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''سحر کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے،دھوکا اور بے حقیقت تخیلات پر بولا جاتا ہے۔''(مفردات القرآن:461/1)

(6)ابن فارس سحر کے متعلق کہتے ہیں:''جیسا کہ ایک قوم کا خیال یہ ہے کہ سحر باطل کو حق کی شکل میں پیش کرتا ہے۔''

(مقاییس اللغۃ:507)

سوال3:جادو کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب:(1)جادو کبیرہ گناہ ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سات مہلک گناہوں سے بچو''صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ کون سے ہیں؟رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا،جادو کرنا،ناحق کسی کی جان لینا جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے،سود کھانا،یتیم کا مال کھانا،جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن غافل مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔''(صحیح بخاری:6857)

(2)سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے:شراب پینے والا،قطع رحمی کرنے والا،(اللہ کے حکم کے بغیر)جادو(کی تاثیر)پر یقین رکھنے والا۔''(مسند احمد:399/4ومسند ابی یعلیٰ:7248)

(3)جادوگر اور کاہن کے پاس جانے والا اس شریعت کا انکار کرتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔(ابن ماجہ:639)

(4)اسلام نے جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر اس لئے قرار دیا ہے کہ ہر وقت کا نفع اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا چاہیے اور ہر وقت کے نقصان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس کائنات میں ہر کام اس کی مشیت سے ہوگا۔

(5)سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بدفالی کرے،یا اس کے لیے بدفالی کی جائے،یا جو کہانت کرے یا اس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا اس کے لیے جادو کیا جائے اور جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس نے اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا۔''

(صحیح الترغیب والترہیب،البانی:3041)

(6) جادوگر واجب القتل ہے۔ امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی شخص جب اس بات کا اعتراف کرلے کہ اس نے ایسے کلام کے ساتھ جادو کیا ہے، جس میں کفر پایا جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ اسی طرح اگر دلیل سے بات ثابت ہو جائے کہ اس نے واقعتاً کفریہ کلام کے ساتھ جادو کا عمل کیا ہے تو اسے قتل کر دینا ضروری ہوگا۔ اگر اس نے ایسے کلام کے ساتھ جادو کیا ہو جس میں کفر نہیں پایا جاتا تو اسے قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں اگر جادوگر نے جادو کے عمل سے جان بوجھ کر دوسرے شخص کو ایسا نقصان پہنچایا جس سے قصاص واجب ہو جاتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے اور اگر نقصان سے قصاص لازم نہیں آتا تو اس سے دیت وصول کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی: 48/2)

(7) بجالہ فرماتے ہیں کہ میں احنف بن قیس کے چچا جز بن معاویہ کا کاتب تھا۔ اسی دوران میں ہمارے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان پہنچا، جسے انہوں نے اپنی وفات سے ایک سال قبل لکھا تھا کہ ہر جادوگر کو قتل کر دو، لہٰذا ہم نے ایک ہی دن میں تین جادوگروں کو قتل کیا۔ (ابوداؤد: 3043)

(8) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس لونڈی کے قتل کا حکم دیا تھا جس نے ان پر جادو کیا تھا، لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا۔ (موطا: 1672)

(9) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابہ رضی اللہ عنہم (عمر، حفصہ اور جندب) سے ثابت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 144/1)

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جادو سکھانے کے لئے کس وجہ سے متعین کیا تھا، اس کی وضاحت ﴿وَمَآ ... تَكْفُرْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ ''اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا'' یہودیوں نے اس جادو کی پیروی کی جو عراق کے شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا۔ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے نازل کیا تھا۔

(2) یہ فرشتے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

(3) ہر شخص اسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے اسے رغبت ہوتی ہے۔ انہیں جادو سے رغبت تھی کلام سے نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جادو کا راستہ آسان کر دیا۔

(4) ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ ''حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں سکھاتے

تھے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم یقینا آزمائش ہیں چنانچہ تو کفر نہ کر'' ہاروت ماروت انسانوں سے خیر خواہی کرتے تھے۔ وہ اس وقت تک کوئی چیز نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ واضح نہ کر دیتے کہ ہم آزمائش ہیں اور آپ کفر نہ کرو یعنی وہ جادو سیکھنے سے روکتے تھے۔ انہیں جادو کی حقیقت سے آگاہ کرتے تھے کہ جادو حق نہیں کفر ہے۔

(5) شیاطین کا جادو سکھانا گمراہ کرنے کے لیے تھا اور فرشتوں کا جادو سکھانا آزمائش کے لیے تھا۔

(6) یہودی اس جادو کے پیچھے لگے جس کے لیے شیاطین نے انہیں قائل کیا تھا اور فرشتوں نے انہیں سکھایا تھا۔

(7) جب وہ جادو سیکھنے لگے تو انہوں نے وہ سارے علوم چھوڑ دیئے جو انبیاء لے کر آئے تھے اور شیاطین کی طرف راغب ہو گئے۔

(8) اس آیت سے جادو سیکھنے کے کفر ہونے پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث کو بھی استشہاد میں پیش کیا گیا ہے جسے حافظ ابوبکر بزار نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ (تاریخ بغداد: 8/60، حدیث: 4134) اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے اور بھی بہت سے شواہد ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: 8/136، مسند ابو یعلی: 5408) (المصباح المنیر: 1/263، 264)

سوال 5: یہود جادو کے ذریعے کیا سیکھتے تھے، اس کی وضاحت ﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ... وَزَوْجِهٖ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ ''وہ اُن دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے تھے'' یہود جادو کے ذریعے سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈالنا سیکھتے تھے۔ وہ ایسا عمل سیکھتے جو دلوں میں نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکا دیتا۔

(2) رب العزت نے شوہر اور بیوی کے درمیان محبت ڈالی ہے کیونکہ اسی پر معاشرے کے بنیادی یونٹ کا انحصار ہوتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی، بلاشبہ اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔'' (الروم: 21)

(3) یہود کی شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنے کی کوششیں ان کے اخلاقی زوال کی نشاندہی کرتی ہیں کیونکہ ازدواجی تعلق کی درستگی انسانی تمدن کی جڑ ہے اور وہ شخص بدترین ہے جو اس تعلق کو کاٹنے کی کوششیں کرے۔

(4)میاں بیوی میں جدائی ڈالنا شیطانی کام ہے۔

(5)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو عالم میں فساد کرنے بھیجتا ہے۔سو اس سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو بڑا فساد ڈالے۔کوئی شیطان ان میں سے آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا (یعنی فلاں سے چوری کرائی،فلاں کو شراب پلوائی) تو شیطان کہتا ہے:تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔پھر کوئی آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ جدائی کرادی اس میں اور اس کی جورو (بیوی) میں تو اس کو اپنے پاس کر لیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا ہے۔''اعمش نے کہا:اس کو چمٹا لیتا ہے۔(مسلم:2813)

سوال6:اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر چیز سے بڑھ کر ہے،اس کی وضاحت ﴿وَمَا هُمْ ۔۔۔بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾''حالانکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر اس میں سے کسی ایک کو بھی ہرگز ضرر پہنچانے والے نہیں تھے''جادو سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نقصان پہنچ جاتا ہے اور اس کی قضاء وارادے کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔وہ جس پر چاہے،جادوگروں کو مسلط کردے اور جسے چاہے ان سے بچالے۔(السراج المنیر:68/1)

(2)جادو اللہ تعالیٰ کے اذن سے نقصان دیتا ہے۔اذن کی دو اقسام ہیں۔(الف)اذن قدری:جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔(ب)اذن شرعی:جیسا کہ سابقہ آیت ﴿فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾''اس نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اس (قرآن) کو نازل کیا ہے''(البقرہ:97) میں مذکور ہے۔اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب کی قوت تاثیر خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو،وہ ہر حال میں قضاء وقدر کے تابع ہوتے ہیں۔ان کی مستقل تاثیر نہیں ہوتی۔افعال العباد کے بارے میں امت کے فرقوں میں کوئی بھی اس اصول کی مخالفت نہیں کرتا سوائے قدریہ کے۔قدریہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہوتی ہے اور وہ مشیت الٰہی کے تابع نہیں ہوتے۔چنانچہ انہوں نے بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج کر دیا اور اس طرح وہ کتاب اللہ،سنت رسول اور اجماع صحابہ وتابعین کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔(تفسیر سعدی:144/1)

سوال7:کیا جادو اثر کرتا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو دو طرح سے پیدا کیا ہے:مثبت بھی اور منفی بھی۔بعض چیزوں کا منفی پہلو غالب ہوتا ہے جیسے جادو۔اس کے اسی طرح اثرات ہوتے ہیں جیسے زہر کے،جس کو کھانا حرام ہے۔

(2) جادو ایسی گرہوں اور ایسے دم اور الفاظ کا نام ہے، جن میں بولا یا لکھا جائے، یا جادوگر ایسا عمل کرے، جس سے اس شخص کا بدن یا دل یا عقل متاثر ہو جائے جس پر جادو کرنا مقصود ہو اور جادو واقعتاً اثر رکھتا ہے، چنانچہ جادو سے کسی شخص کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے، بیمار بھی کیا جا سکتا ہے، بیوی کے قرب سے عاجز بھی کیا جا سکتا ہے۔ جادو بیوی اور خاوند کے درمیان جدائی بھی ڈال سکتا ہے، ایک دوسرے کے دل میں نفرت یا محبت بھی پیدا کر سکتا ہے۔ (المغنی والشرح الکبیر: 104/10)

(3) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''جادو خبیث روحوں کے اثر و نفوذ سے مرکب ہوتا ہے۔ اس سے انسانی طبیعتیں متاثر ہوتی ہیں۔'' (زاد المعاد: 126,125/4)

(4) رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بنی زریق کے ایک شخص یہودی لبید بن عاصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے نبی ﷺ کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپ ﷺ نے وہ کام کر لیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔ ایک دن یا (راوی نے بیان کیا کہ) ایک رات نبی ﷺ میرے یہاں تشریف رکھتے تھے اور مسلسل دعا کر رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ سے جو بات میں پوچھ رہا تھا، اس نے اس کا جواب مجھے دے دیا۔ میرے پاس دو (فرشتے جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام) آئے۔ ایک میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے۔ پوچھا کس چیز میں؟ جواب دیا کہ کنگھی اور سر کے بال میں جو نر کھجور کے خوشے میں رکھے ہوئے ہیں۔ سوال کیا: اور یہ جادو ہے کہاں؟ جواب دیا کہ زروان کے کنوئیں میں۔'' پھر نبی ﷺ اس کنوئیں پر اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! اس کا پانی ایسا (سرخ) تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر (اوپر کا حصہ) شیطان کے سروں کی طرح تھے۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس جادو کو باہر کیوں نہیں کر دیا؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عافیت دے دی۔ اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب میں اس برائی کو خواہ مخواہ لوگوں میں پھیلاؤں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس جادو کا سامان کنگھی بال خرما کا غلاف دفن کرا دیا۔ (بخاری: 5763)

سوال 8: جادو میں صرف نقصان ہی نقصان ہے، کیسے، اس کی وضاحت ﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ ... يَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ ''اور وہ ایسا علم سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا'' اللہ تعالیٰ نے جادو کے علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جادو میں نقصان ہی نقصان ہے، اس میں کوئی دینی یا دنیاوی منفعت نہیں ہوتی جس طرح بعض گناہوں میں دنیاوی منفعت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا:﴿قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔'' (البقرہ:219) پس یہ جادو تو ضرر محض ہے اور اصل میں اس کا کوئی داعیہ نہیں۔ تمام منہیات یا تو ضرر محض کی حامل ہیں یا ان میں شر کا پہلو خیر کے پہلو سے زیادہ ہے۔ جیسے تمام مامورات صرف مصلحت پر مبنی ہیں یا ان میں خیر کا پہلو شر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ (تفسیر سعدی:144/1)

(2)﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں'' یہودیوں کو خوب معلوم ہے کہ رسول وقت کی پیروی کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگ جانا نادانوں ہی کا کام ہے ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قابل عزت ہیں کیونکہ متاع ایمان سے محروم ہیں۔(3)﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور یقیناً برا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کاش وہ جانتے ہوتے'' یعنی دین چھوڑ کر جادو اختیار کرنا بدترین روش ہے اور اس کا اتنا بھاری نقصان ہے جس کی حد نہیں۔ کاش انہیں اس نقصان عظیم کا یقین ہوتا یا ان کا ان نصیحتوں پر ایمان ہوتا۔ (السراج المنیر :68/1)

(4) مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جادوگر جو جادو کا عمل کرتا ہو اور کسی نے اس پر جادو کا عمل نہ کیا ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' (البقرہ:102)(موطا)

سوال 9: جادو کے خطرے میں کون ہوتا ہے؟

جواب:(1) بندہ جتنا اپنے رب سے دور ہوتا ہے شیطان سے اتنا قریب ہوتا ہے، یعنی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور لعنت کے قریب ہو جاتا ہے۔ جو شخص شیطان کے راستے پر چلنے لگتا ہے وہ بدنصیب کہلاتا ہے اور جو رب رحمٰن کی رضا کا طالب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے:﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۲) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۶۳) لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

الْاٰخِرَةِ(۶۴)﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔'' (یونس:62-64)

(2) جب بندہ لغویات مثلاً موسیقی وغیرہ سنتا ہے۔ (3) جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔

(4) جب وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں دیکھتا ہے۔ (5) جب وہ نمازوں میں سستی برتتا ہے۔

(6) جب وہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ مجالس میں شامل ہوتا ہے تو اوہام اور وسوسے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں، فرشتے اس سے دور ہو جاتے ہیں اور شیطان کے حملوں کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (۳۶) وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(۳۷)﴾ ''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً وہ اُنہیں ضرور راہِ حق سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ سیدھے راستے پر چلتے ہیں۔'' (الزخرف:37,36)

(7) سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری:3281)

(8) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جس کے کانوں (یا کہا کہ کان) میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری:3270)

(9) ابن ابی سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی آدمی کو نماز میں جمائی آئے تو تمہیں چاہیے کہ جس قدر ہو سکے اسے روکو کیونکہ (ایسا نہ کرنے کی وجہ سے) شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم:7493)

(10) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے: ''ابلیس کا تخت سمندر پر ہے وہ اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے (لوگوں کو بہکانے کے لیے) تو بڑا شخص اس کے پاس وہ ہے جو بڑا فتنہ کرے۔ (یعنی لوگوں کو بہت بھڑکائے)۔'' (مسلم:2813)

سوال 10: جادو کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) جادو دور کرنے کے لیے معوذتین نہایت نفع بخش ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ شیطان کو بھگانے کے لیے آیۃ الکرسی اعلیٰ پائے کا عمل ہے۔

(2)اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں ہدایت کی ہے۔﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾''اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی اکساہٹ ہو تو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔''(حم السجدہ:36)

(3)اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی حفاظت۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اسے کسی اور کے حوالے نہیں کرتا۔ رب العزت کا ارشاد ہے:﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔''(الطلاق:2)

(4)اللہ تعالیٰ پر توکل، اللہ تعالیٰ پر اعتماد، اس پر بھروسہ، رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾''اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے۔''(الطلاق:3)

(5)ان گناہوں سے توبہ جن میں ابلیس مبتلا کرواتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾''اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔''(الشوریٰ:30)

(6)جادو، حسد اور بلاؤں کو دور کرنے میں صدقے کی عجیب تاثیر ہے۔

(7)کثرت سے قرآن حکیم کی تلاوت کرنا اور مسنون دعائیں پڑھنا۔ بیت الخلا میں جاتے ہوئے اس کی دعا پڑھنا۔ ناپاک جگہ پر شیطانوں کا گھر اور ٹھکانہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں کسی مسلمان کی موجودگی کو شیطان غنیمت تصور کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلا میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ﴾''اے اللہ میں ناپاک جنوں اور جنتیوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''(صحیح بخاری:142)

(8)جادو نکلوانا اور اس کو ختم کرنا۔ یہ تب ممکن ہے جب جادو واقع ہو جائے، تب علاج کروایا جائے۔

(9)آیۃ الکرسی پڑھنا۔(10)ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے، جس قسم کے اثرات ظاہر ہو رہے ہوں ان کی دوا استعمال کی جائے۔

(11)عجوہ کھجور استعمال کرنا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص روزانہ چند عجوہ کھجوریں کھا لیا کرے اسے اس دن رات تک زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ علی بن عبداللہ مدینی کے سوا دوسرے راوی نے بیان کیا کہ سات کھجوریں کھا لیا کرے۔''(بخاری:5768)

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

12 ع 7 12

''اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقیناً بہتر ثواب ملتا کاش وہ جانتے ہوتے''(103)

سوال :اللہ رب العزت نے جادو کے مقابلے میں کس طریقے کی دعوت دی ہے،اس کی وضاحت ﴿وَلَوْ ... يَعْلَمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ رب العزت نے جادو کے مقابلے میں ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔فرمایا:

(2)﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے''یعنی اگر وہ اپنی کتابوں پر،جن میں محمد ﷺ کی بشارتیں اور آپ ﷺ کے احکامات کی اتباع کا حکم ہے،ایمان لاتے اور حرام کاموں سے بچتے تو انہیں اس جادو کی نسبت جسے انہوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے،بہت بہتر صلہ ملتا۔

(3)﴿لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقینا بہتر ثواب ملتا''یعنی ان کے ایمان لانے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو ثواب ہوتا وہ ان کے کفر اور سحر کے کاموں سے بہت بہتر تھا۔(الوسیط:186/1)

(4)﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''کاش وہ جانتے ہوتے'' کاش کہ وہ جانتے کہ کوئی چیز علم صحیح جیسی نہیں۔

(5)کاش کہ وہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت بہتر ہے۔(تفسیر قاسمی:211/1)

(6)رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا انہوں نے کہا:''افسوس تم پر!اللہ تعالیٰ کا اجر اُس کے لیے بہت بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور وہ چیز نہیں دی جاتی مگر صبر کرنے والوں کو۔''(القصص:80)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ

''اے ایمان والو!تم ''رَاعِنَا (ہماری رعایت کریں)'' نہ کہو بلکہ ''اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے)'' کہو اور سنو،

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے''(104)

سوال1:مومنوں کو الفاظ کے استعمال میں ادب کیسے سکھایا گیا ہے،اس کی وضاحت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ... اَلِيْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اس آیت میں مومنوں کو الفاظ کے استعمال میں ادب سکھایا گیا ہے کہ ایسے الفاظ بھی استعمال نہ کیے جائیں

جن میں بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو۔رب العزت نے فرمایا:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ ''اے ایمان والو!تم ''رَاعِنَا (ہماری رعایت کریں)'' نہ کہو بلکہ ''اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے)'' کہو''مسلمان اپنے دین کو سیکھنے کے لیے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے تھے رَاعِنَا یعنی ہماری رعایت کیجیے۔یہودی اس سے برے معنی کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ''ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے،وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں:''(سمعنا) ہم نے سنا اور (عصینا) ہم نے نافرمانی کی'' (واسمع) اور تم سنو (غیر مسمع) کہ تمہیں نہ سنایا جائے اور (راعنا) ہماری رعایت کرو!اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے (کہتے ہیں) اور دین میں طعن کرتے ہوئے:''اور اگر وہ کہتے:''(سمعنا) ہم نے سنا (واطعنا) اور ہم نے اطاعت کی'' (واسمع) اور آپ سنیے'' اور''(وانظرنا) ہم پر نظرِ کرم کیجیے'' تو ان کے حق میں بلاشبہ زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی چنانچہ ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔''(النساء:46) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی ﷺ کو اس طرح مخاطب کرنے سے روک دیا تاکہ توہین رسالت کا یہ دروازہ بند ہوجائے۔

(2) اس آیت میں جائز کام سے اس وقت روکنے کی دلیل ہے جب کہ وہ کسی حرام کام کا وسیلہ ہو۔

(3) اس آیت میں برے الفاظ چھوڑنے کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے جن سے اچھے معانی نکلتے ہیں۔

(4)﴿وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ ''بلکہ اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے) کہو''یعنی ہماری طرف نظر کرم کیجیے۔اس لفظ سے اصل مقصد حاصل ہوجاتا ہے کہ ہماری طرف توجہ فرمایئے۔

(5)﴿وَ اسْمَعُوْا﴾ ''اور سنو'' توجہ سے سننے سے ہی بات دل کے اندر اترتی ہے۔اس میں سنی جانے والی چیز کا ذکر نہیں کیا تاکہ اس میں ہر وہ چیز شامل رہے جس کو سننے کا حکم دیا گیا ہے۔(6) اس سننے میں سماع قرآن اور سماع حدیث شامل ہیں۔

(7) اس آیت میں ادب اور اطاعت کی تعلیم ہے۔

(8)(i) اللہ تعالیٰ نے الفاظ کے انتخاب پر اس لئے توجہ دینا سکھایا ہے کہ کچھ الفاظ سے نقص اور توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔(ii) الفاظ کی وجہ سے بات کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس لیے خاص طور پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو انسانوں تک پہنچانا چاہیں، انہیں جان لینا چاہیے کہ الفاظ کے درست استعمال سے یہ بات پہنچ سکتی ہے ورنہ کلام اللہ پہنچانے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

(9)﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے'' یہاں کافروں سے مراد اہل کتاب کے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سننے اور ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

(10) مسلمانوں کے لیے قول وفعل میں کافروں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے۔'' (ابوداؤد:4031)

سوال 2: اس رکوع میں مجلس کے آداب کے بارے میں رب العزت نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب: (1) گفتگو میں صاف الفاظ کا استعمال کریں۔(2) مشتبہ الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جن سے کوئی برا پہلو نکلتا ہو۔ (3) بات کو توجہ سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔(4) سوال وجواب کی بجائے عبرت اور نصیحت کا ذہن پیدا کریں۔ (5) اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

(6) دنیا میں کسی کے پاس کوئی بھلائی دیکھ کر حسد اور جلن میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس کے فیصلے کی وجہ سے ایک بندے کو پہنچا ہے۔(7) رسول اللہ ﷺ (تعلیم دینے والے) کی عزت اور عظمت کا خیال کریں۔

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے کوئی بھلائی نازل کی جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے'' (105)

سوال: اہل کتاب اور مشرک مسلمانوں سے شدید دشمنی رکھتے تھے، اس کی وضاحت ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ ... ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے

کوئی بھلائی نازل کی جائے'' رب العزت نے مومنوں کو اہل کتاب اور مشرکوں کی شدید دشمنی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر یعنی وحی نازل ہو۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ ''کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟'' (الزخرف:32)

(2) ان کی یہ تمنا تمہارے ساتھ بغض اور حسد کی وجہ سے ہے۔

(3) وہ پیغمبری کو اپنا قومی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔

(4) ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے'' اللہ رب العزت نے اہل کتاب اور مشرکوں کی اس خواہش کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور رحمت سے مراد نبوت ہے۔ نبوت بہت بڑی نعمت ہے۔

(5) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رحمت سے مراد نبوت ہے۔ (تفسیر منیر:1/282) ﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ (تفسیر الوسیط:1/187)

(6) ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے'' یہ علم دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شعور دلایا ہے کہ اس نے ان پر احسان کیا ہے کہ ان میں سے رسول بھیجا اور کتاب نازل کی تاکہ رسول انہیں پاک کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں وہ سب کچھ سکھائے جو وہ نہیں جانتے تھے۔

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں، ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے؟'' (106)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ تورات کے احکام قیامت تک کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے انہوں نے انجیل کا کتاب الٰہی ہونا تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس سے ان کو تورات کے بعض احکام کا منسوخ ہو جانا تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ اب جب کہ قرآن مجید کی بعض آیتیں بعض آیتوں سے منسوخ ہوئیں تو یہود لوگ مسلمانوں سے طرح طرح کی حجتیں اس باب میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کلام الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ (احسن التفاسیر:1/110)

سوال 2: نسخ سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت ﴿مَا نَنْسَخْ ... قَدِيْرٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ ''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں'' نسخ کے لغوی معنی نقل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد ''ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم لانا'' ہے۔ منسوخ ہونے سے مراد احکامات کا بدل جانا ہے۔ شرح میں جب ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم لاتے ہیں تو اسے نسخ کہتے ہیں۔

(2) نسخ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مکلفین کو کسی ایک شرعی حکم سے کسی دوسرے شرعی حکم کی طرف منتقل کرنا یا اس شرعی حکم کو یکسر ساقط قرار دے دینا۔ یہودی نسخ کا انکار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نسخ جائز نہیں، حالانکہ نسخ ان کے ہاں تورات میں بھی موجود ہے، ان کا نسخ کو نہ ماننا کفر اور محض خواہش نفس کی پیروی ہے۔ (تفسیر سعدی: 146/1)

(3) ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ ''یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں'' ہم اسے بھلا دیتے ہیں سے مراد ہے کہ حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں یعنی نبی ﷺ کے دل سے بھی مٹا دیتے ہیں۔

(4) ﴿نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا﴾ ''ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں'' یعنی اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں جو زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ (5) ﴿اَوْ مِثْلِهَا﴾ ''یا اُس جیسی اور لے آتے ہیں'' یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

(6) احکامات الٰہی منسوخ ہونے کی تین صورتیں ہیں: (i) نسخ حکم یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دینا۔ یہ ناسخ اور منسوخ دونوں ہی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مثلاً بیوہ عورت کی عدت پہلے ایک سال تھی، پھر بعد میں 4 ماہ 10 دن ہوگئی۔ قبلہ پہلے بیت المقدس تھا، پھر کعبۃ اللہ ہوا۔ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

(ii) ﴿نسخ التلاوۃ﴾ یعنی وہ احکامات جن کی تلاوت منسوخ کر دی گئی لیکن حکم باقی رکھا گیا۔ (iii) ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ ''یا ہم بھلا دیتے اس کو'' یعنی اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لئے گئے۔

(7) پہلی شریعتوں کے احکامات بھی منسوخ ہوتے رہے ہیں مثلاً: (i) سیدنا آدم علیہ السلام کی بیٹیاں اور بیٹے آپس میں بہن بھائی تھے لیکن ان میں نکاح جائز تھا۔ بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ (ii) سیدنا نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کے لیے تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا۔ بعد میں یہ اجازت ختم ہوگئی۔ (iii) دو بہنوں کا ایک ہی شخص سے نکاح بنی اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر تورات میں اسے حرام کر دیا گیا۔ (iv) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا لیکن قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا گیا۔ (v) بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ جو لوگ بچھڑا پوجنے میں شامل تھے وہ سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(8)﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ خلق اور امر اسی کا ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا اختیار ہے کہ جس وقت جو حکم اس کی حکمت کے مطابق ہو، اسے نازل کردے اور جس حکم کو چاہے منسوخ کردے۔

(9) اس آیت میں یہودیوں کی تردید ہے کیونکہ یہ احکام تورات کے نسخ کے قائل نہ تھے اور مسیح و رحمت عالم ﷺ کی نبوت کو نہ مانتے تھے کیونکہ انجیل و تورات کے بعض احکام منسوخ کردیے گئے ہیں۔ (السراج المنیر: 70/1)

سوال 3: نسخ کو تسلیم نہ کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: (1) نسخ کو تسلیم نہ کرنا گمراہی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم میں سب سے بہتر قاریٔ قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ علی رضی اللہ عنہ میں قضاء یعنی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس کے باوجود ہم ابی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتے جو ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جن آیات کی بھی تلاوت سنی ہے، میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ ''ہم نے جو آیت بھی منسوخ کی یا اسے بھلایا تو پھر اس سے اچھی آیت لائے۔'' (صحیح بخاری: 4481)

(2) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نسخ کا انکار صرف کفر و عناد کی وجہ سے کیا، ورنہ یہ چیز عقلی طور پر ممنوع نہیں۔ (ابن کثیر: 183/1)

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

''کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ

وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ﴾

کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار؟'' (107)

سوال: نسخ کو تسلیم نہ کرنے والوں کی تردید کیسے کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿اَلَمْ ... نَصِیْرٍ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) نسخ کو تسلیم نہ کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے'' کیا تم

نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔تمام اختیارات اس کے پاس ہیں تو کیا تمہارے لئے قانون بدلنے کا اختیار اس کو نہ ہوگا؟

(2) جب اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے، وہ تمہارے اندر تصرف کرتا ہے، جیسے اس کے تقدیری فیصلوں سے اعراض نہیں کر سکتے ایسے ہی شرعی احکامات میں بھی اعراض درست نہیں۔

(3) جس رب کا قانون آسمانوں اور زمین پر چلتا ہے، اسی رب کا قانون انسان کے لئے آیا ہے۔خوب اچھی طرح سے جان لو کہ وہ حکم دینے اور بدلنے والا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ اس مقام پر اپنے بندوں کی یہ راہ نمائی فرما رہا ہے کہ وہ جس طرح چاہے مخلوق میں تصرف کر سکتا ہے کیونکہ مخلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے، لہٰذا تصرف اور اختیار بھی اسی کا ہے۔جس طرح اس نے چاہا ان کو پیدا کیا۔اسی طرح جس کو وہ چاہے سعادت سے نوازے اور جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔اسی طرح یہ بھی اسی کا اختیار ہے کہ اپنے بندوں کے لیے جو چاہے فیصلہ فرمائے، جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جسے چاہے حرام قرار دے دے۔جسے چاہے مباح کر دے اور جسے چاہے ممنوع قرار دے دے۔وہ جو فیصلہ فرما دے، اسے اپنے فیصلے سے کوئی روک نہیں سکتا، وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا جبکہ تمام مخلوق سے پوچھ گچھ ہوگی۔وہ اپنے بندوں کی اس طرح بھی آزمائش کرتا ہے کہ نسخ کی صورت میں اس کے رسولوں کی کون طاعت بجالاتے ہیں؟ لہٰذا وہ ایک چیز کا حکم دے دیتا ہے اور اس میں جو مصلحت ہوتی ہے اسے صرف وہی جانتا ہے۔پھر جب وہ چاہتا ہے اپنے علم کے مطابق اس سے منع فرما دیتا ہے، لہٰذا مکمل طاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے۔اس کے رسول جو خبریں دیں ان کی اتباع کی جائے جو حکم دیں اسے تسلیم کیا جائے اور جس بات سے وہ منع فرمائیں اس سے مکمل اجتناب کیا جائے۔(المصباح المنیر :1/269،270)

(5) ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ ''اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار؟'' یعنی ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھو، یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو، وہی تمہارا سہارا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، کبھی چھوٹنے والا نہیں۔

(6) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ولی اور مددگار ہے۔وہ نفع کے حصول میں مددگار اور نقصان کو دور کرنے میں مددگار ہوگا۔

﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے؟ اور جو کوئی کفر کو

الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴾

ایمان کے بدلے میں لے لے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا'' (108)

سوال 1: مسلمانوں کو غیر ضروری سوالات سے کس حکمت کے تحت روکا گیا، اس کی وضاحت ﴿اَمْ تُرِیْدُوْنَ... السَّبِیْلِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْــٴَـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے؟'' رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کی خواہش بہت فطری ہے۔ اس لئے کہ رسول ہی وہ ہستی ہے جس سے الجھنوں کا حل مانگا جاتا ہے۔ رسول ہی تو وہ ہستی ہے جس سے انسانوں کو درست طریقۂ زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ انسان کے ذہن میں ہر وقت کشمکش چلتی رہتی ہے کہ صحیح ہے یا غلط لہٰذا مسلمان سوال کرنا چاہتے تھے۔ مسلمان یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بھی سوال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو سرکشی سے اور غیر ضروری سوالات سے روکا گیا اس لیے کہ غیر ضروری سوالات سے کفر کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(2) مسلمانوں کو کثرتِ سوالات اور بے جا مطالبات سے اس لیے روکا گیا کہ: (i) انسان راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے (ii) ایمان کی روش انکار کی روش سے بدل جاتی ہے۔ (iii) نزولِ قرآن کے دور میں سوال کرنے کی وجہ سے ایسی باتوں کا امکان تھا جو ظاہر ہونے پر بری لگتیں۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لیے ناگوار گزریں اور اگر تم ان کے بارے میں سوال کرو جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔'' (المائدہ:101) (iv) سوال کی وجہ سے حلال چیز حرام ہو سکتی ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿یَسْــٴَـلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں، سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑا سوال کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو بالکل سامنے دکھا دو۔'' (النساء:153)

(4) محققین نے لکھا ہے کہ یہاں مراد ایسے سوالات کی ممانعت ہے جن کا مقصد محض اعتراض کرنا اور دین میں شدت پیدا کرنا ہو۔ (تیسیر الرحمن:63/1)

(5)﴿مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ''اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے میں لے لے تو یقیناوہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ایمانی طریقۂ کار سے ہٹو گے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی نہیں کرو گے تو ایمان کے بدلے کفر لے لو گے اور سیدھا راستہ گم کر دو گے۔

سوال 2: سوال کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

جواب: (1) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں تھی مگر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔'' (بخاری:7289) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم پر رسول ﷺ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض ہوا ہے سو حج کرو۔'' ایک شخص نے کہا کہ ہر سال یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ چپ ہو رہے، اس نے تین بار یہی عرض کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوتا اور پھر تم سے نہ ہو سکتا سو تم مجھے اتنی ہی بات پر چھوڑ دو کہ جس پر میں تمہیں چھوڑ دوں اس لیے کہ اگلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے بہت سوال کیے اور ان سے بہت اختلاف کرتے رہے پھر جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں اس میں سے جتنا ہو سکے بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کروں اس کو چھوڑ دو۔'' (مسلم:1337)

(2) سوال کرنا علم کی ضرورت ہے مگر لایعنی سوالات اور مطالبات علم کے لئے نہیں کئے جاتے۔ اس لئے نزول وحی کے دور میں سوالات کرنے سے روکا گیا تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''سو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔'' (النحل:43)

(3) اللہ تعالیٰ نے سوالات برقرار بھی رکھے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ''وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔'' (البقرہ:219) ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ ''اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔'' (البقرہ:220) امام بخاری نے باب باندھا ہے: ﴿بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتّٰى يَعْرِفَهُ﴾ باب اس بارے میں کہ ایک شخص کوئی بات سنے اور نہ سمجھے تو دوبارہ دریافت کر لے تاکہ وہ اسے (اچھی طرح) سمجھ لے، یہ جائز ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب:36) ابنِ ابی ملیکہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی ایسی باتیں سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ اس کو معلوم کرتیں تاکہ سمجھ لیں۔ چنانچہ ایک (مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب کیا جائے گا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سن کر)

میں نے کہا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ صرف (اللہ تعالیٰ کے دربار میں) پیشی کا ذکر ہے لیکن جس کے حساب میں جانچ پڑتال کی گئی (سمجھو) وہ غارت ہو گیا۔'' (صحیح بخاری:103)

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا

''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے،

مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہو گیا، چنانچہ آپ معاف کر دیں اور درگزر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

آئے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' (109)

سوال 1: مسلمانوں کو اہل کتاب کے راستے پر نہ چلنے اور عفو و درگزر اختیار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ... قَدِيْرٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اہل کتاب میں سے کفار کے راستے پر چلنے سے منع فرما رہا ہے کہ یہ اپنے ظاہر و باطن میں ان کے لیے کس قدر شدید دشمنی اور کس قدر شدید حسد رکھتے ہیں، حالانکہ انہیں مسلمانوں اور ان کے نبی کی فضلیت کے بارے میں بھی خوب علم ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیا کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی فتح و نصرت سے سرفراز فرما دے۔ (المصباح المنیر: 1/274، 275)

(2) ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ ''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں'' اللہ رب العزت نے اہل کتاب کے حسد کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ چاہتے ہیں تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں۔ اس کے لیے انہوں نے جال بچھایا ہے لیکن ان کا فریب خود ان ہی پر الٹ گیا۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کے آغاز میں تم اس پر ایمان لاؤ جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے اور تم اس کی شام کو کفر کرو تا کہ وہ واپس لوٹ آئیں۔''

(آل عمران:72)

(3) نئے اسلام لانے والوں سے وہ کہتے تھے کہ اگر تمہیں اپنا آبائی مذہب چھوڑنا ہی ہے تو یہودیت یا عیسائیت اختیار کرلو کیونکہ جنت یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ہے جو ہمیشہ سے نبیوں اور بزرگوں کی جماعت رہی ہے۔

(4) ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے'' حسد بہت بری اخلاقی بیماری ہے جو انسان کے نفس کے اندر یہ خواہش پیدا کرتی ہے کہ دوسرے لوگ بھلائی سے محروم ہوجائیں۔ اہل کتاب کو یہ احساس تھا کہ وہ پہلے سے حق پر ہیں اور حق پرستوں کی بڑی جماعت بنی اسرائیل سے ان کا تعلق ہے۔ وہ پیغمبری کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ ان کے گروہ کے سوا کسی اور گروہ میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر بھیجیں۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کے طور پر مبعوث کیا تو یہودی اسی وجہ سے حسد میں مبتلا ہوگئے۔

(5) ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ ''اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہوگیا'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کتاب اور رسول کو وہ جان چکے لیکن اس کے باوجود وہ حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان کے بعد کافر بنادیں۔

(6) مسلمانوں کو بھلائی پہنچنا یہود کو برا لگتا تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ ''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے۔'' (آل عمران:120)

(7) ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ ''چنانچہ آپ معاف کردیں اور درگزر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے'' اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یہود کی برائیوں کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔

(8) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دے دیا۔ اہل ایمان نے ان میں سے کچھ مستحقین کو قتل کیا، کچھ قیدی بنالیے گئے اور کچھ ملک بدر کرڈالے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام حسب امر الٰہی مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف کردیتے اور ان کی طرف سے ایذا پر صبر کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا تو جنگ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے بڑے بڑے سرغنوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:206/1)

(9) ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے'' اس سے مراد ہے کہ اسلام اور کفر کی اس جنگ کا خود کوئی فیصلہ کردے۔ یہود کے حق میں حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کا حکم اخیر اپنے وقت مقررہ پر نازل ہوا جس سے مدینہ کے گردو نواح کے یہود برباد ہوگئے کیونکہ کچھ قتل کردیئے گئے اور کچھ مدینہ کے نواح میں سے نکال دیئے گئے۔ (احسن التفاسیر:112/1)

(10)﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے سرکش یہودیوں کی قید، قتل وغارت گری اور جلاوطنی سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے عفوودرگزر کرنا کیسے سکھایا؟

جواب: انسان کے لیے نہایت مشکل کام ہے کہ اپنی بڑائی کے احساس کو کنٹرول کرلے لیکن نبی ﷺ نے عفوودرگزر کے لیے ایسی خوشخبریاں دی ہیں جن کی وجہ سے انسان کے لیے عفوودرگزر آسان ہوجاتا ہے۔ عفوودرگزر کرنے والا دراصل اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے یہ دراصل عجز ہے کسی حاسد کے سامنے نہیں بلکہ رب کے سامنے۔ لیکن نظر یہی آتا ہے کہ عاجزی دوسرے انسان کے لیے ہے۔ بس یہ سمجھانا اپنے آپ کو بے حد مشکل ہوتا ہے کہ معاف اور درگزر رب کی خاطر کر رہے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندے کے معاف کردینے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم:6592)

سوال 3: مسلمانوں کو جن خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی نصیحت کی گئی، ان کے کیا ثمرات ہیں؟

جواب: (1) عفوودرگزر: اس سے خلاف مزاج حالات برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے انسان کی اخلاقی اور روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے سنگین اور مشکل حالات کو برداشت کرنے کی مشق ہوجاتی ہے۔ عفوودرگزر انسان کو اس سے بچاتا ہے کہ وہ مشتعل ہوکر منفی کاروائیاں کرنے لگے۔

(2) نماز قائم کرنا: نماز انسان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔

(3) زکوٰۃ ادا کرنا: اس سے باہمی خیرخواہی اور اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھلائی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اس کو موجود پاؤ گے،

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

یقیناً جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے'' (110)

سوال 1: اس آیت میں جن اعمال کی ترغیب دلائی گئی ہے، ان کی وضاحت ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔۔۔بَصِیْرٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھلائی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اس کو موجود پاؤ گے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے نیک اعمال انجام دینے کی ترغیب دلائی ہے جو نفع مند ہیں اور قیامت کے دن کام آنے والے ہیں۔ان ہی اعمال میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز ہے۔

(2)اس آیت میں تین چیزوں کی ہدایت کی گئی ہے نماز، زکوٰۃ اور تقدیم خیر کی۔نماز سے روح کی جلا ہوتی ہے، قلب سے دوئی کا خیال اٹھ جاتا ہے۔سب خدا کے حضور میں بلا امتیاز جھک جاتے ہیں اس لیے حسد و بغض کی گنجائش نہیں رہتی۔زکوٰۃ سے محتاج و غنی میں رشتۂ مودت و اخوت قائم ہو جاتا ہے اور تقدیم خیر سے عام تعاون باہمی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ ان تینوں چیزوں کے ہونے کے بعد کسی قوم میں حسد و بغض کی مہلک وبا نہیں رہتی۔(سراج البیان:38/1)

(3)﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اور جو بھلائی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اس کو موجود پاؤ گے'' یعنی خیر کا ثواب اور جزا اللہ تعالیٰ کے پاس پائیں گے۔جب انسان کو اس بات کا یقین آتا ہے کہ جو بھلائی وہ اپنے لئے آگے بھیجے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پائے گا تو اس کے دل میں نیک کام کرنے کی طلب پیدا ہوتی ہے۔

(4)ابن ہشام کہتے ہیں مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ جب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ اے صہیب رضی اللہ عنہ! جب تو یہاں آیا تھا تو نہایت مفلس اور فقیر تھا، یہاں تیرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا۔اب تو چاہتا ہے کہ تو مال لے کر یہاں سے چلا جائے، ہم تجھ کو ہرگز جانے نہ دیں گے۔سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں یہ سب مال تم کو دے دوں تب تم مجھے جانے دو گے۔قریش نے کہا کہ ہاں تب جانے دیں گے۔سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس سب مال میں نے تم کو دیا۔راوی کہتا ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو فرمایا: ''صہیب رضی اللہ عنہ نے بڑا نفع حاصل کیا۔''(سیرت النبی ابن ہشام:317/1)

(5)غزوۂ تبوک میں مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی۔آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ

جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔'' اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (الرحیق المختوم:583)

(6) ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''یقیناً تم سب جو عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے'' یعنی تمہارا نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، نیکی کے کام کرنا اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جزا دے گا۔

سوال 2: یہود نے مخالفت کی وجہ سے عام لوگوں میں شبہات پھیلائے۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو شبہات سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کے لیے کیا نصیحتیں کی گئیں؟

جواب: (1) صاف الفاظ میں گفتگو کریں۔ (2) ایسے الفاظ نہ بولیں جن سے کوئی برا پہلو نکل سکتا ہو۔

(3) جو بات کہی جائے اسے غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ (4) سوال و جواب کی بجائے نصیحت کا مزاج پیدا کریں۔ (5) حسد اور جلن میں مبتلا نہ ہوں۔ (6) اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور اعمال صالح انجام دیں۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

''اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو'' (111)

سوال: یہودی اور عیسائی اپنے بارے میں جو دعوے کرتے تھے، ان دعوؤں کی حقیقت ﴿وَقَالُوْا ... صٰدِقِيْنَ﴾ کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو'' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوؤں کا ذکر کیا ہے کہ کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ ان دعوؤں کے پیچھے کوئی عقلی دلیل یا ثبوت نہیں تھا کہ صرف اکیلے ہی وہ جنت کے مستحق ہیں۔ یہ ان کی بے بنیاد تمنائیں ہیں جو انہوں نے ناحق اللہ تعالیٰ سے باندھ رکھی ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے تھے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ''ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔'' (المائدہ:18)

(2) اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ ''یہ ان کی تمنائیں ہیں'' وہ اللہ تعالیٰ

پر ناحق کی تمنا رکھتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کی وضاحت کی کہ جنت پر اپنا حق سمجھنا تمنا ہو سکتی ہے، حقیقت نہیں۔

(4) کسی گروہ سے وابستگی کسی کو جنت کا مستحق نہیں بناتی۔ جنت کا فیصلہ انسان کے اپنے عمل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ کسی خاص گروہ سے تعلق کی بنیاد پر۔ آج مسلمانوں میں بھی یہود کی طرح اپنے فرقے، اپنے گروہ کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے کہ جنت صرف انہی کے لئے ہے۔

(5) ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو'' اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں داخلہ تمہارے لیے خاص ہے تو دلیل لاؤ۔ (تفسیر قاسمی: 224/2)

﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

''کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' (112)

ع 13 9 13

سوال: کون لوگ جنت میں جائیں گے، اس کی وضاحت ﴿بَلٰى ... يَحْزَنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلٰى﴾ ''کیوں نہیں'' یعنی تمہاری آرزوئیں اور تمہارے دعوے درست نہیں بلکہ ﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ ''جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا'' جس نے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنے اعمال کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ''اور وہ نیکی کرنے والا ہو'' اور وہ اپنے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت احسن طریقے سے کرتا ہے یعنی وہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے، صرف یہی لوگ جنت میں جائیں گے۔ (تفسیر سعدی: 1/149، 150)

(2) ﴿مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والا، سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والا۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مومن، موحد اور جو محمد ﷺ لے کر آئے اس کی تصدیق کرنے والا محسن ہے۔ (الوسیط: 14/1)

(4) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمل کے (عند اللہ) مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے لیے ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔ اگر نیت میں اخلاص ہو لیکن سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل مردود ہوگا۔ (ابن کثیر: 187/1)

(5)اس لیے راہبوں، سادھوؤں اور صوفیوں کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں، اس لیے کہ ان کے عمل میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع مفقود ہے۔ اسی طرح اگر عمل شریعت کے موافق ہے لیکن نیت اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں تو ایسا عمل بھی مردود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ ''بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے۔'' (النساء:142) (تیسیر الرحمن:64/1)

(6)﴿مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ ''پس جو شخص نیکی کا کوئی عمل کرے اور وہ ایمان والا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی۔'' (الانبیاء:94)

(7)﴿فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ ''اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے'' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے والوں اور ''محسنین'' کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ یہ اجر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں بھری جنت ہے۔

(8)﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' انہیں مرغوب چیز حاصل ہوگی اور غم اور خوف سے نجات پا جائیں گے۔

(9)اہل جنت جنت میں داخل ہوتے وقت کہیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔'' (فاطر:34)

(10)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کے متعلق جو اپنے کو مسلمان کہتا تھا، فرمایا: ''یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے۔'' جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص (مسلمانوں کی طرف) بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور وہ زخمی بھی ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ میں جائے گا آج تو وہ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑا ہے اور (زخمی ہو کر) مر بھی گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اب بھی وہی جواب دیا: ''جہنم میں گیا۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ ممکن تھا کہ بعض لوگوں کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن ابھی لوگ اسی غور و فکر میں تھے کہ کسی نے بتایا کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے، البتہ زخم کاری ہے۔ پھر جب رات آئی تو اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی۔ جب آپ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا: ''مسلمان کے سوا جنت میں کوئی اور داخل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے دین کی امداد کسی فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔'' (بخاری:3062)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى

''اور یہود نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں،

شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ

حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح ان کی بات جیسی بات ان لوگوں نے کی جو علم نہیں رکھتے، پھر اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

قیامت کے دن ان کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے''(113)

سوال: یہود و نصاریٰ کی باہمی دشمنی کی وضاحت ﴿وَقَالَتِ... يَخْتَلِفُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) یہاں یہود و نصاریٰ کے باہمی تضاد اور دشمنی کی وضاحت کی گئی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔

(2) اہل کتاب خود پرستی اور ضد میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ انہیں اپنے سوا کوئی حق پر نظر نہیں آتا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بھی گمراہ اور کافر قرار دیا۔

(3) ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں'' یہود نے نبیوں اور بزرگوں سے تعلق کو حق پرستی کا معیار بنایا اس لیے وہ خود کو حق پر سمجھتے تھے۔

(4) ﴿وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں'' عیسائیوں نے اپنے اندر یہ خاصیت دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اکلوتا بیٹا ان کے پاس بھیجا اس لیے وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔

(5) ﴿وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ ''حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات جسے یہودی پڑھتے ہیں اور انجیل جسے عیسائی پڑھتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنے کے باوجود انہوں نے اپنا عقیدہ درست نہیں کیا، اپنی زندگی درست نہیں کی۔

(6) ﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ''اسی طرح کی بات ان لوگوں نے کہی جو علم نہیں رکھتے'' اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جن کو اہل کتاب کے مقابلے میں بے علم کہا گیا۔ (i) مشرک ہونے کے باوجود اہل عرب یہ

گمان رکھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں۔(ii) مشرکوں نے نبی ﷺ کو صابی کہا۔

(7) یہ بھی کہا گیا کہ ﴿الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ میں یہود و نصاریٰ اور تورات و انجیل سے پہلے کی امتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(8) ﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے'' اللہ تعالیٰ ہر طرح کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی بن گئے اور صابی اور نصاریٰ اور مجوسی اور جنہوں نے شرک کیا، بے شک اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (الحج:17) اور فرمایا: ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان برحق فیصلہ کرے گا اور وہی خوب فیصلہ کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (سبا:26)

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ

''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کو ویران کرنے کی

اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ

کوشش کی؟ انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' (114)

سوال: مسجدوں سے منع کرنے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرنے والا سب سے بڑا ظالم ہے، اس کی وضاحت ﴿وَمَنْ... عَظِيْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ ''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش

کی؟'' اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا ظالم کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے، نیکی اور اطاعت کے کاموں سے، نماز پڑھنے سے اور ذکر کرنے سے روکے اور جو مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑے عذاب کی وعید دی گئی ہے۔

(2) ﴿وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا﴾ ''اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کی؟'' مساجد کو ویران کرنے سے مراد ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت سے روکنا۔ (ii) مساجد کو گرا دینا۔

(iii) مساجد کی عمارتوں کو نقصان پہنچانا۔ (iv) مساجد کو شرک سے پاک کرنے سے روکنا۔

(3)(i) عیسائیوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو عبادت کرنے سے روکا تھا اور اس کی تخریب کاری میں حصہ لیا تھا۔ (ابن جریر طبری) (ii) مشرکین مکہ جنہوں نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے روکا تھا۔ (الف) نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ (ب) بیت اللہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا تھا۔ (ج) صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا تھا۔

(4) عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ نصاریٰ تھے جنہوں نے یہود کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روکا تھا اور بخت نصر بابلی مجوسی کی مدد کی تھی جس نے بیت المقدس کو تاراج کیا تھا۔ ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ (تیسیر الرحمن: 65/1)

(5) ﴿اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ﴾ ''انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے'' (i) اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس سے دب کر مساجد میں جانا چاہیے۔

(ii) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے مساجد میں جانا چاہیے۔

(6) ''انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے'' آیت کے اس حصے میں مسلمانوں کے غلبے کی پیشین گوئی ہے کہ مشرک عنقریب مسجد حرام میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے۔

(7) ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' جو لوگ مساجد کی ویرانی کے درپے ہوں، ان کے بارے میں رب کا فیصلہ ہے کہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بھاری سزا ہے۔

(8) (اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکنے والوں میں) اصحاب فیل بھی شامل ہیں، قریش بھی شامل ہیں، جب انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور اس گروہ میں وہ نصرانی اور اہل ظلم بھی شامل

ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے پوری کوشش سے بیت المقدس کو ویران کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی یہ سزا دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرعی اور تقدیری طور پر مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے منع کر دیا سوائے اس کے کہ وہ ڈرتے ہوئے ذلت وانکسار کے ساتھ داخل ہوں۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف زدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر خوف مسلط کر دیا۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے قریب جانے سے منع کر دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً سب مشرک ناپاک ہیں چنانچہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔'' (التوبہ:28) اصحاب فیل کا جو حشر ہوا اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) اس کا ذکر فرمایا ہے۔ نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مسلط فرمایا اور انہوں نے ان کو جلاوطن کر دیا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جوان جیسی صفات رکھتا ہے وہ اس سزا سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گا۔ یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں جن کے واقع ہونے سے پہلے ہی باری تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا اور یہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح اس نے خبر دی تھی۔ (تفسیر سعدی:151/1)

(9) اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد کی تعمیر اور انہیں ظاہری اور معنوی طور پر آباد کرنے سے بڑھ کر ایمان والی کوئی بات نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔'' (التوبہ:18) (تیسیر الرحمن:66/1)

(10) اللہ تعالیٰ نے اپنے گھروں کو بلند کرنے کا اور ان کی عزت کا حکم دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ''(اس کی روشنی پانے والے) ان گھروں میں (ہوتے ہیں) جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں۔'' (النور:36)

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ

''اور مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں چنانچہ جدھر بھی تم رُخ کرو گے تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' (115)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل جوئی کیسے فرمائی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَلِلَّهِ...

عَلِيْمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ ''اور مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل جوئی فرمائی ہے جنہیں مکہ سے نکال دیا گیا اور حرم سے دور کر دیا گیا تھا۔

(2) نبی ﷺ اور صحابہ کو سرزمین مکہ سے نکال دیا گیا تھا اور مسجد حرام، مصلیٰ سے ہٹا دیا گیا تھا جس کا ان کے دلوں پر بڑا ملال تھا۔ اللہ پاک نے اس آیت میں انہیں دلاسہ دیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ مکی زندگی میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بیت اللہ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مدنی زندگی میں بھی آپ نے 16 یا 17 ماہ بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر تحویل کعبہ کا حکم آ گیا اور بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ ابتدائی قبلہ سے یہودی خوش تھے مگر آپ کی یہی خواہش تھی کہ خلیل اللہ ہی کی مسجد قبلہ بنا دی جائے۔ اسی وجہ سے آپ آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ آخر کار وہ مسرت کی گھڑی آ گئی جس میں تحویل قبلہ کا حکم اترا۔ اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا کہ کیسا دین ہے ایک بات پر جمتا ہی نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ فرمایا:﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''چنانچہ جدھر بھی تم رُخ کرو گے تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔'' (السراج المنیر: 1/75)

(3) اللہ تعالیٰ نے یہاں خاص طور پر مشرق و مغرب کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ دونوں عظیم مقامات ہیں جہاں سے روشنی طلوع اور غروب ہوتی ہے۔ جو رب مشرق و مغرب کا مالک ہے وہ ساری سمتوں کا مالک ہے۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشرق یا مغرب جس طرف تم منہ کرو اللہ تعالیٰ کا قبلہ اسی طرف ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 1/212)

(5) یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کی فرضیت سے پہلے نازل فرمایا۔ (تفسیر طبری: 1/701)

(6) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت سفر میں، سواری پر نفل نماز، نیز شمشیر زنی یا شدت خوف کی حالت میں (فرض نماز) مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے ادا کرنے کی اجازت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر طبری: 1/702)

(7) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے، دوران سفر میں آپ اپنی سواری پر جدھر بھی اس کا رخ ہوتا نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ابن عمر فرماتے ہیں: اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''چنانچہ جدھر بھی تم رخ کرو گے تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے'' (البقرہ: 115) (مسلم: 1612)

(8) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ سخت تاریکی اور بادلوں کی وجہ سے جس کے

لیے قبلے کا رخ مشتبہ ہو گیا ہو اور وہ قبلے کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ (تفسیر طبری:1/702،703)

(9) اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خاص سمت کا تعین عبادت کی تنظیمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی خاص رخ میں ہے۔

(10) آپ جہاں بھی رخ کرو گے اللہ تعالیٰ کا رخ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس جانب رخ پھیرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو۔

(11) ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ سے اللہ تعالیٰ کے چہرے کا ثبوت ملتا ہے مگر جیسے اس کی ذات کے لائق ہے یقیناً اللہ تعالیٰ کا چہرہ مخلوق کے چہروں کے مشابہ نہیں۔

(12) ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ وسیع فضل والا ہے، اس نے اپنے علم و فضل کی وسعت سے اپنے احکامات میں وسعت رکھی ہے۔

(i) ﴿وَاسِعٌ﴾ اللہ تعالیٰ واسع ہے، وہ اپنے وسیع فضل سے ہم سے ہماری اطاعت کو قبول فرماتا ہے۔

(ii) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جود و کرم اور انعام و اکرام کے اعتبار سے اپنی ساری مخلوق کے لیے کافی ہے۔

(تفسیر طبری:1/706) (iii) اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ اپنی مخلوقات، ان کی ضروریات، ان کی نیتوں اور ان کے حالات کو جانتا ہے۔

سوال 2: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''تم جدھر بھی رخ کرو گے، ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے'' کے الفاظ انسان پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔

(1) انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

(2) انسان کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ میری سنتا ہے، مجھے دیکھتا ہے اور میری دعائیں قبول کرتا ہے۔

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

''اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے،

كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ﴾

سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں'' (116)

سوال: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانے والوں کی کیسے تردید کی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَقَالُوا... قَانِتُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے'' اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کی تردید فرمائی ہے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یہود و نصاریٰ عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ ''اور یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے اپنے مونہوں کی بات ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے! وہ کہاں سے بہکائے جا رہے ہیں؟'' (التوبہ:30)

(2) اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر کمال اس کی ذات کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نسبت سے پاک ہے۔

(3) کوئی چیز کسی پہلو سے بھی اس کی ذات یا صفات یا حقوق میں شریک نہیں۔

(4) ﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے'' اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے۔ (i) سب اس کی ملکیت میں اور اس کے غلام ہیں۔ (ii) ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ بے نیاز ہے۔ (iii) وہ اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے، اس نے اپنی مخلوق کو مسخر کر رکھا ہے۔

(iv) جب وہ بے نیاز ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے۔ بیٹا جسم کا حصہ ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور مخلوق مملوک ہے ایسا ہونے کے باوجود اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا فرمان ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)﴾ ''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے۔'' (الاخلاص:1-4)

(5) ﴿كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ﴾ ''سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے مخلوق ایک حیثیت میں ہے۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہے یعنی خالق کی تدبیر کے تحت ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق خوشی سے یا ناخوشی سے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتی ہے اور صبح وشام اُن کے سائے بھی۔'' (الرعد:15)

(6) یہ قنوت عام ہے، جب کہ قنوت خاص سے مراد اطاعت اور عبودیت ہے۔

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ابنِ آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میرے لیے اولاد بناتا ہے، میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔'' (صحیح بخاری:4482)

(8) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا۔ ان کی گستاخیوں پر تحمل سے کام لیا۔ پاک ہے وہ ذات جس میں اہل شرک اور اہل ظلم نے نقص تلاش کرنے کی کوشش کی۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور پھر بھی وہ انہیں معاف کرتا ہے اور انہیں روزی دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری:7378)

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

''آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے اور وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو وہ کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے'' (117)

سوال: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد نہ بنانے کی جو دوسری دلیل دی ہے، اس کی وضاحت ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ ... فَيَكُوْنُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اولاد نہ بنانے کی دوسری دلیل یہ دی کہ وہ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا موجد ہے'' جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے کہ ہوجائے تو وہ ہوجاتا ہے۔ پھر اُسے اولاد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

(2) ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا مُوجد ہے'' (i) اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بغیر کسی گزشتہ نمونے کے بہترین اور مضبوط ترین بنایا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کے رب ہونے سے جب کہ وہ پہلی بار نہیں تھے اپنے بدیع ہونے کا شعور دلایا ہے کہ موجودگی ثابت کرتی ہے کہ وہ ہیں اور پہلے ایسا کچھ نہ تھا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ (iii) اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بغیر کسی سابق مثال کے پیدا کیا ہے جس طرح اس نے مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے کلمہ کن سے پیدا کیا۔ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''آسمانوں اورزمین کا وہی موجد ہے،اس کی کوئی اولاد کیسے ہوسکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں!اوراس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اوروہی ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔'' (الانعام:101)

(3)﴿وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ ''اوروہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو وہ کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہو جاتا ہے'' کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے۔کسی کو اس کے سامنے انکار کی جرأت نہیں،کوئی نافرمانی نہیں کرسکتا۔﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ ''یقیناً اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتی ہے۔'' (یٰس:82)

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟اسی طرح

قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا

ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے،ان سب کے دل ایک جیسے ہوگئے۔یقیناً ہم نے آیتیں صاف صاف

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾

بیان کردی ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں'' (118)

سوال :مشرک اللہ تعالیٰ سے جو مطالبات کرتے تھے،ان کی وضاحت﴿وَقَالَ ... یُّوْقِنُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ﴾ ''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟'' اللہ تعالیٰ سے عرب کے مشرکوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا،یا ہمیں کوئی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتا جس سے ہم مسلمان ہوجائیں؟

(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رافع بن حُریملہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ!اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ وہ ہم سے کلام کرے حتیٰ کہ ہم اس کے کلام کو سن لیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ﴾ ''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟'' (تفسیر ابن ابی حاتم:1/215)

(3)﴿اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ﴾ ''یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟'' وہ اپنی ناقص عقل اور ناقص رائے سے رسولوں کے سامنے مطالبات رکھتے تھے۔ مثلاً﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ ''اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں، سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑا سوال کر چکے ہیں۔'' (النساء:153)﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا اور ظالموں نے کہا کہ تم تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چلتے ہو۔'' (الفرقان:8,7)

(4)﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ''اسی طرح ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے'' مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: وہ یہودی تھے۔ (جامع البیان:597/1)

(5) یہودیوں کی اپنے رسولوں کے ساتھ یہی عادت رہی ہے۔ وہ ہدایت کے لیے نہیں محض بحث برائے بحث کے لیے مطالبات کرتے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تو انہوں نے مطالبات کرنے کی حد ہی کر دی مثلاً انہوں نے کہا:﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کر دیں۔'' (بنی اسرائیل:90)﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ دیکھ لیں۔'' (البقرہ:55)

(6)﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''ان سب کے دل ایک جیسے ہو گئے'' یعنی مشرکین عرب کے اور ان سے پہلے کفر، عناد اور سرکشی کا مظاہرہ کرنے والوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (۵۲) اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (۵۳)﴾ ''اسی طرح اُن لوگوں کے پاس جو ان سے پہلے تھے، کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا: ''یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔'' کیا انہوں نے اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کی ہے؟ بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں۔'' (الذاریات:52،53)(المصباح المنیر:290/1)

(7) اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اگلوں پچھلوں کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔

(8) آج کے یہودی کفر اور سرکشی میں اپنے سے پہلے لوگوں کے مشابہ ہو گئے۔

(9) اگلے پچھلے لوگ سرکشی کی وجہ سے حق کی دعوت دینے والوں کے سامنے کیے گئے مطالبات رکھنے میں ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔

(10) ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ ''یقینا ہم نے آیتیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اگرچہ نشانیاں صاف صاف نمایاں کر دی ہیں لیکن وہ فائدہ انہی کو دیتی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (i) یقین کی روشنی میں ہی آیات پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ (ii) یقین کی روشنی میں ہی آیات سے ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نشانیاں کسی کے اندر یقین پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ یقین کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

(11) جن لوگوں کے دلوں اور کانوں پر کفر کی وجہ سے مہر لگا دی گئی ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (٩٦) وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (٩٧)﴾ ''یقینا جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو گئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ اُن کے پاس ہر نشانی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔'' (یونس:97,96)

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ

''یقینا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے اہل دوزخ کے بارے

اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾

میں نہیں پوچھا جائے گا'' (119)

سوال: رسول اللہ ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا، اس کی وضاحت ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ ... الْجَحِيْمِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ ''یقینا ہم نے آپ کو بنا کر بھیجا ہے'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

(2) ﴿بِالْحَقِّ﴾ ''حق کے ساتھ'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ابن کیسان نے کہا: اسلام اور

تیسرے معنی سچ کے ہیں۔(زادالمسیر :121/1)

(3)اس میں گواہی ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حق سے مراد دین اسلام ہے جو قرآن وسنت کا نام ہے۔ (تیسیر الرحمن:68/1)

(4)﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا'' بشیر سے مراد ہے جنت کی خوش خبری دینے والا۔نذیر سے مراد ہے جہنم کا خوف دلانے والا۔

(5)ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت کی خوشخبری دینے والے اور آگ سے ڈرانے والے ہیں۔

(6)مومنوں کو ثواب کی خوش خبری دینے والے اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔''

(7)﴿بَشِيْرًا﴾ یعنی آپ ﷺ اس شخص کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی۔ ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور اس شخص کو دنیاوی اور اخروی بدبختی اور ہلاکت سے ڈرانے والے ہیں جس نے آپ کی نافرمانی کی۔(تفسیر سعدی:156،155/1)

(8) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت جو قرآن میں ہے:﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''(الاحزاب:45) تو نبی کریم ﷺ کے متعلق یہی اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی فرمایا تھا:''اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ان پڑھوں (عربوں) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔آپ میرے بندے ہیں اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا، آپ نہ بدخو ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے اور اللہ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ وہ کج قوم (عربی) کو سیدھا نہ کرلیں یعنی جب تک وہ ان سے ﴿لا إله إلا الله﴾ کا اقرار نہ کرالیں پس اس کلمہ توحید کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔''(بخاری:4838)

(9)﴿وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ ''اور آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا'' آپ ﷺ سے یہ بات کہی گئی کہ اگر لوگ ہدایت قبول نہ کرنے کے نتیجے میں دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں تو آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ''تو بلاشبہ آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔''(الرعد:40)

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

''اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔ آپ کہہ دیں کہ یقیناً

الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

(حقیقی) ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور یقیناً اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا، آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

تو اللہ تعالیٰ سے (بچانے میں) نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار'' (120)

سوال 1: ﴿وَلَنْ ... مِلَّتَهُمْ﴾ آیت کے اس حصے میں نبی ﷺ کو یہود و نصاریٰ کے بارے میں کیا خبر دی گئی ہے؟

جواب: (1) ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ ''اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ﷺ ان کے دین کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ اپنے دین کو ہی اصل حق سمجھتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ انہیں خوش کرنے اور اپنے مطابق بنانے کی خواہش ترک کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے انہیں حق کی دعوت دیتے رہیں۔

(2) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس ہدایت نہیں ہوائے نفس ہے اور وہ دوسروں کو اسی کی طرف بلاتے ہیں اور اس میں امت اسلامیہ کے لیے شدید وعید ہے کہ اگر قرآن و سنت کا علم آجانے کے بعد یہود و نصاریٰ کی راہ اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ (تیسیر الرحمن: 68/1)

سوال 2: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے راضی کیوں نہیں ہو سکتے؟

جواب: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں اور انسان جس سے حسد کرتا ہے اس سے آخر کیسے راضی ہو سکتا ہے؟

سوال 3: وہ کون سی واحد صورت ہے جس میں یہود و نصاریٰ راضی ہو سکتے ہیں؟

جواب: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے راضی ہونے کے لیے صرف ایک قیمت مانگتے ہیں کہ مسلمان اُن کی ملت کی پیروی کریں۔

سوال 4: کیا آج کے دور میں یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں؟

جواب: آج کے دور میں بھی یہود و نصاریٰ کو راضی کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہیں دین کا نیا ایڈیشن نکال کر اور کہیں اُن کی پالیسیز کے مطابق چل کر۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ ''آپ کہہ دیں کہ یقیناً (حقیقی) ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے'' اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مراد اللہ تعالیٰ کا صحیح، سچا اور سیدھا دین ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔'' (آل عمران:85)

(2) یہاں ہدایت سے وہ انداز حجت مراد ہے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو سکھایا گیا جس سے وہ گمراہ فرقوں کو جواب دیتے تھے۔ (مختصر ابن کثیر:78/1)

(3) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا (اس میں علمی و دینی غلبہ بھی داخل ہے) یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ غالب ہی رہیں گے۔'' (بخاری:7311)

(4) ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ وہی دین ہے جس پر آپ چل رہے ہو اور جس پر یہود و نصاریٰ چل رہے ہیں، وہ خواہشات کا دین ہے اس لیے رب العزت نے ان کی خواہشات اختیار کرنے سے روکا ہے۔

سوال 6: اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی کرنے پر جو وعید دی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ ... وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی کرنے وعید دی گئی ہے کہ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ ''اور یقیناً اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا، آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ سے (بچانے میں) نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار'' اگر آپ ﷺ نے ان کی خواہشات کی اتباع کی تو آپ کا کوئی ولی نہیں ہوگا جو آپ کو نفع پہنچائے اور نہ نصیر ہوگا جو آپ کو سزا سے بچائے۔ (زاد المسیر:123/1) (2) اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے جس میں آپ ﷺ کی امت بھی داخل ہے۔

(3) کوئی بھی آدمی اگر کسی انسان کی مرضی یا رائے کو مقدم کرنے کے لیے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نظر انداز

کر دیتا ہے وہ اس آیت کے ضمن میں آئے گا اور اس آیت میں موجود تحدید و وعید اس کو شامل ہو گی۔ (تیسیر الرحمن:68/1)

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو

ع 9 14

يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

اس کے ساتھ کفر کرتا ہے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' (121)

سوال: حق تلاوت سے کیا مراد ہے اور کون لوگ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿اَلَّذِيْنَ... الْخٰسِرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) حق تلاوت یہ ہے کہ قرآن کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا جائے، جس طرح اترا ہے، اسی طرح پڑھا جائے اور اس میں ردوبدل نہ کیا جائے۔ یا محکم آیات پر عمل کیا جائے، متشابہات پر ایمان لایا جائے اور مشکل مقام کو کسی عالم سے پوچھ لیا جائے۔ (السراج المنیر :78/1)

(2) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی'' اس سے مراد اہل کتاب کے صالح لوگ ہیں۔

(3) ﴿يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ ''وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے'' وہ اس قرآن کی اتباع کرتے ہیں جیسا کہ پیروی کرنے کا حق ہے۔ یہاں تلاوت سے مراد اتباع ہے۔

(4) وہ اللہ تعالیٰ کے حلال ٹھہرائے ہوئے امور کو حلال اور اس کے حرام ٹھہرائے ہوئے امور کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس کی محکمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کی متشابہات پر ایمان لاتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانا اور اس کے شکر گزار رہیں۔ (تفسیر سعدی:157/1)

(5) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جب آیت رحمت سے گزر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب کی تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (مسند احمد:23629، مسلم:1814)

(6) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہوئے کسی آیت رحمت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی آیت عذاب کے پاس سے گزرتے ہیں تو عذاب الٰہی سے

پناہ مانگتے ہیں۔(تفسیر قرطبی:95/2)

(7) تلاوت کے معنی پیروی کے بھی آتے ہیں۔تلاوت کا حق تب ادا ہوتا ہے جب اس کتاب کی پیروی کا حق ادا کیا جائے۔قرآن حکیم کی پیروی انسان کو جنت کے باغوں میں لے جائے گی۔

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہونا چاہئے، ایک اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ رات دن اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے کہ اس کا پڑوسی سن کر کہہ اٹھے کہ کاش مجھے بھی اس جیسا علم قرآن ہوتا اور میں بھی اس کی طرح عمل کرتا اور وہ دوسرا جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے حق کے لیے لٹا رہا ہے (اس کو دیکھ کر) دوسرا شخص کہہ اٹھتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی اس کے جتنا مال ہوتا اور میں بھی اس کی طرح خرچ کرتا۔''
(بخاری:5026)

(9) ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ ''وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں'' یہی لوگ کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

(10) یعنی جو اہل کتاب اپنی کتابوں کو غور وفکر سے پڑھتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں، ان کا قرآن حکیم پر بھی ایمان ہے۔
(السراج المنیر :78/1)

(11) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (۱۰۷) وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (۱۰۸)﴾ ''آپ کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، یقیناً اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا جب اُن پر یہ پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں۔اور وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب! یقیناً ہمارے رب کا وعدہ بلاشبہ ہمیشہ سے پورا کیا ہوا ہے۔''(الاسراء:107،108)

(12) ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''اور جو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو اہل کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ ''اور گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا تو اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔''(ہود:17)

(13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی ہو یا عیسائی میری بات سنے (شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا

ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔'' (مسلم:386)

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی تھی'' (122)

سوال: بنی اسرائیل کو جو نعمت یاد دلائی گئی ہے، اس کی وضاحت ﴿يٰبَنِيْٓ ... عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاد دلائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت کی نعمت کو یاد کرو۔

(2) بنی اسرائیل سے نعمت یاد کرنے کا مطالبہ اس لئے کیا گیا کہ: (i) وہ نعمت کا حق ادا کریں۔ (ii) نعمت کا حق ادا کرنے کے لئے اس پر خود عمل پیرا ہوں۔ (iii) اس کے قانون کے مطابق فیصلے کریں۔ (iv) اس نعمت کو دوسروں تک پہنچائیں۔

(3) ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی تھی'' یعنی اپنے زمانے کے جہان پر فضیلت عطا کی تھی۔

(4) یہ بات یہاں تاکید کے لیے لائی گئی ہے تاکہ نبی ﷺ کی اتباع کا شوق پیدا ہو جن کی بشارتیں اہل کتاب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

''اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾

کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے'' (123)

سوال 1: بنی اسرائیل کو ایک بار پھر قیامت کے دن سے ڈرایا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاتَّقُوْا ... يُنْصَرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا﴾ ''اور ڈرو اس دن سے'' اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ انہوں نے تورات میں تحریف کی اور محمد ﷺ کی تکذیب کی۔ (تفسیر منیر:325/1)

(2)﴿لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا﴾ ''جس میں کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قیامت کے دن سے ڈرایا ہے کیونکہ اس دن کوئی نفس کسی دوسرے کے کام نہیں آئے گا صرف اس کا عمل اس کے کام آئے گا۔

(3)﴿وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی'' اس دن فدیہ لے کر کسی کو چھوڑا نہیں جائے گا اور نہ سفارش قبول کی جائے گی۔

(4)﴿وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ ''اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے'' اور ان سے عذاب نہیں ہٹایا جائے گا۔

سوال2: بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاد دلانے کے بعد عقیدۂ آخرت کو واضح کیا گیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: (1) انسان آخرت کی جواب دہی کے احساس سے ہی اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔

(2) بنی اسرائیل کو اپنے فرائض ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سوال3: آج مسلمانوں کے عقیدۂ آخرت میں کیا مسائل پائے جاتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے عقیدۂ آخرت میں وہی خرابیاں ہیں جو بنی اسرائیل کے اندر تھیں: (1) کوئی ہمارے بدلے میں کام آجائے گا۔ (2) فدیہ قبول کرلیا جائے گا۔ (3) شفاعت کا غلط عقیدہ ہے۔ (4) کوئی ہماری مدد کو پہنچ جائے گا۔

سوال4: اگر کسی قوم کا عقیدۂ آخرت خراب ہو تو اس کے انفرادی اور اجتماعی اعمال میں کس قسم کی تبدیلی آتی ہے؟

جواب: اگر کسی قوم کا عقیدۂ آخرت خراب ہو تو اس میں سرکشی آجاتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی اعمال کے سلسلے میں غیر ذمہ داری، فرض ناشناسی، خواہش پرستی، دنیا کی محبت اور دیگر ساری برائیاں عود کر آتی ہیں۔

﴿وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان سب کو پورا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یقیناً میں تمہیں سب لوگوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾

کے لیے امام بنانے والا ہوں'' ابراہیم نے کہا: ''اور میری اولاد میں سے بھی''؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا'' (124)

سوال1: بنی اسرائیل کے واقعات کو بیان کرنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بنی اسرائیل اپنا جدّ امجد سمجھتے تھے اور اُن سے نسبت کو اپنے لئے اعزاز سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے اُن کی سرکشیوں کے بعد نسبت یاد دلائی ہے تاکہ وہ اپنے رویے پر نظرِ ثانی کریں اور رب کی طرف لوٹ آئیں۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے شرف وفضیلت کی وضاحت ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى ... اِمَامًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے شرف کو بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کا امام بنا دیا تھا تاکہ توحید میں آپ کی اقتدا کی جائے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوامر ونواہی کو پورا فرما دیا تھا۔ (المصباح المنیر: 296/1)

(2) اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے جن کو اہل کتاب اور مشرکین مکہ سب اپنا پیشوا مانتے تھے۔

(3) ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ ''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان سب کو پورا کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو چند باتوں میں آزمایا اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔

(4) ابتلاء کے متعلق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ وہ دس خصائل ہیں جن کا فطرت انسانی کی اصلاح سے گہرا تعلق ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان میں کامیاب نکلے یعنی ان پر پوری طرح عمل کیا۔ دس باتیں یہ ہیں: (i) کلی کرنا۔ (ii) ناک میں پانی ڈالنا۔ (iii) کنگھا کرنا۔ (iv) مونچھیں ترشوانا۔ (v) مسواک کا استعمال کرنا۔ (vi) ختنہ کرنا۔ (vii) بغل کو صاف کرنا۔ (viii) زیر ناف بال صاف کرنا۔ (ix) ناخن کٹوانا۔ (x) پانی سے طہارت کرنا۔ (تفسیر سراج البیان: 43/1)

(5) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشیں: (i) گھر بار چھوڑنا پڑا۔ (ii) نمرود کے دربار میں حق بات پیش کرنے کی پاداش میں آگ میں پھنکوایا گیا۔ (iii) بیوی اور شیر خوار بچے کو رب کے حکم سے ویرانے میں چھوڑنا پڑا۔ (iv) بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔

(6) سیدنا ابراہیم علیہ السلام آزمائشوں میں ایسے پورے اترے کہ اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾ ''اور ابراہیم تو وہ ہے جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔'' (النجم: 37)

(7) جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑا کام سونپنا چاہتا ہے تو بڑی آزمائشیں آتی ہیں۔ آزمائش کھرے کھوٹے کی پہچان بتا دیتی ہے اور کسی انسان کے مقام کو واضح کر دیتی ہے کہ کون کس درجے پر فائز ہونے کے لائق ہے۔

(8) ﴿قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ ''یقیناً میں تمہیں سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں'' رب العزت نے ان کی مساعی جمیلہ کی قدر کی اور انہیں امام بنانے کی خوش خبری دی۔

(9) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو فضیلت اور درجات ملے، اس کا فیصلہ تب کیا گیا جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بڑی سختیوں کے

ساتھ آزمایا گیااوروہ اللہ تعالیٰ کے سچے فرماں بردار ثابت ہوئے۔اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کی قیمت پر کسی مقصد کو اختیار کرنے والا ہی اس مقصد کے راستے میں سب سے آگے ہوتا ہے۔

(10)سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام آزمائشوں میں پورے اترے تو آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام ملا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو انسانوں کا راہ نما بنایا۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام انسانوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے تھے، بھلائی کے کاموں میں سب سے آگے تھے۔وہ لوگوں کے محبوب قائد تھے۔

(11)اللہ رب العزت نے فرمایا آپ کو لوگوں کا امام، راہ نما بناؤں گا، لوگ آپ کے طریقہ زندگی کی پیروی کریں گے، آپ کو اجر عظیم بھی ملے گا اور لوگوں میں بھی ہمیشہ آپ کی مدح وثناء کا سلسلہ جاری رہے گا۔

سوال 3:ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے بارے میں کیا درخواست کی اور انہیں اس کا کیا جواب دیا گیا،اس کی وضاحت ﴿قَالَ... الظّٰلِمِیْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ ''ابراہیم نے کہا:''اور میری اولاد میں سے بھی'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا تو انہوں نے خوش ہو کر اپنی اولاد کے لیے بھی درخواست کی تا کہ ان کی اولاد کو بھی بڑے درجات ملیں اور یہ دعا بھی کی کہ اولاد میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت پانے والوں کی کثرت ہو۔

(2)رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر یہ طلب موجود ہوتی ہے کہ اس کا سلسلہ اس کی اولاد کے ذریعے جاری رہے۔اسی فطری جذبے کے تحت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تا کہ ان کی اولاد میں بھی اصلاح کا سلسلہ جاری رہے۔

(3)﴿قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم دین میں امامت کے مقام تک نہیں پہنچے گا کیونکہ ظلم اس مقام کے منافی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت وقیادت ان لوگوں کا حق ہے جو اپنے شعور سے، اپنے عمل سے، اپنے ایمان سے اپنے آپ کو قیادت کا مستحق ثابت کر دیں۔

(4)قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ظلم کو واضح کیا گیا ہے:(i)اللہ تعالیٰ کی حدود سے نکل جانے والے ظالم ہیں۔

(ii)شرک کرنے والے ظالم ہیں۔(iii)اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔

(iv)اللہ تعالیٰ کے گھروں میں اس کے نام کی یاد سے روکنے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرنے والے ظالم ہیں۔

(v)اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی گواہی کو چھپانے والے ظالم ہیں۔(vi)رب کی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ظالم ہیں۔

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ آپ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾

اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو'' (125)

سوال 1: بیت اللہ کی فضیلت کی وضاحت ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا ... وَاَمْنًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ ''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا'' اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے بیت الحرام کو لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ بنا دیا، وہاں بار بار جانے کے باوجود جانے والوں کا دل نہیں بھرتا اور اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے گھر کو امن کی جگہ قرار دیا جہاں جنگلی جانور، نباتات، جمادات بھی امن میں رہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی یہ گھر حرمت والا تھا، اسلام آنے کے بعد بھی اس کی حرمت اور شرف میں اضافہ ہوا ہے۔

(2) ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ ہے'' ﴿مَثَابَةً﴾ لوٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ انسان اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے تو لوٹنے کی جگہ کو مرکز کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ گھر مرکز ہے۔ مثابہ ثواب سے بنا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ لوگ بار بار اس کی طرف کھنچ کر آتے ہیں اور اس کی بہاروں سے ان کا دل نہیں بھرتا۔

(3) ﴿وَاَمْنًا﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مومن کے دل میں زیارت خانہ کعبہ کی خواہش ہر دم کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ ایک بار زیارت کر کے لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دوبارہ زیارت کی خواہش پھر پیدا ہو جاتی ہے اور اس گھر کا زائر امن میں ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں آدمی اپنے بھائی یا باپ کے قاتل کو کعبہ کے سامنے پاتا اور اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ یہ سب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت تھی۔ (تیسیر الرحمن: 70/1)

(4) یہ امن کی جگہ ہے یعنی کسی دشمن کا بھی یہاں خوف نہیں رہتا۔ بیت اللہ میں اسلحہ نہیں لایا جاتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی: ﴿رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا

الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ ''اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں آباد کیا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں تاکہ وہ شکر ادا کریں۔'' (ابراہیم:37) دعا قبول ہوئی جب تک بیت اللہ باقی رہے گا، اس کا اثر باقی رہے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴾ ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم کو پرامن بنایا ہے؟ حالانکہ لوگ ان کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟'' (العنکبوت:67) ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور کیا ہم نے انہیں ایک پرامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہماری جناب سے رزق کے طور پر ہر قسم کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں۔'' (القصص:57) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شہر (مکہ) کو حرمت والا بنایا ہے (یعنی عزت دی ہے)۔ پس اس کے (درختوں کے) کانٹے تک بھی نہیں کاٹے جا سکتے، یہاں کے شکار بھی نہیں ہنکائے جا سکتے اور ان کے علاوہ جو اعلان کر کے مالک تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہوں، کوئی شخص یہاں کی گری پڑی چیز بھی نہیں اٹھا سکتا ہے۔'' (صحیح بخاری:1587)

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر پٹخ دے گا۔'' (مختصر ابن کثیر:79/1)

سوال 2: مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کے حکم کی وضاحت ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ ''اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ'' مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ مقام ابراہیم کو صلوٰۃ کی جگہ قرار دے دیں۔

(2) مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کی تھی۔ اس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔ اس پتھر کو ایک شیشے اور پیتل کے جنگلے میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔

(3) جائے نماز بنانے سے مراد طواف کی دو رکعات ہیں جو مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا مستحب ہے۔

(4) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے تو کیا ہی بہتر ہوتا! جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع ترمذی:2959)

(5) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت کی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کاش مقام ابراہیم کو آپ نماز پڑھنے کی جگہ بنا دیتے تو یہ آیت ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ نازل ہوئی کہ تم لوگ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ (بخاری کتاب التفسیر:4483)

سوال 3: بیت اللہ کو پاک صاف رکھنے کے حکم کی وضاحت ﴿وَعَهِدْنَآ ... السُّجُوْدِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ ''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ آپ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو بتوں کی گندگی سے، بے ہودہ باتوں سے، جھوٹ سے اور ہر طرح کی حسی اور معنوی گندگی سے طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔ توحید پھیلائیں اور شرک مٹائیں۔ (السراج المنیر :1/82)

(2) اس آیت میں بیت اللہ میں عبادت یعنی طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لیے بیت اللہ کی صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ ''اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔'' (الحج:26)

(3) ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ اصل پاکیزگی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہو، اس کو شرک، کفر، معاصی اور رجس و گندگی سے پاک رکھیں۔

(4) اس آیت سے مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم بھی ماخوذ ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر اور محلہ میں مسجدیں بنانے، انہیں پاک صاف رکھنے اور خوشبو سے بسانے کا حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد:455)

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ

''اور جب ابراہیم نے کہا: ''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرما جو ان

مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ

میں سے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جس نے کفر کیا تو میں اسے بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر اسے

اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے'' (126)

سوال 1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے امن اور رزق کے لیے جو دعا مانگی، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ قَالَ ... وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ﴾ ''اور جب ابراہیم نے کہا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے امن اور رزق کے لیے دعا مانگتے ہوئے کہا: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ ''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے امن کی جگہ بنائے۔ رب العزت نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور مکہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔

(2) ﴿وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور اس کے باشندوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مکہ میں رہنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرمائے۔

(3) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ادب کرتے ہوئے اہل ایمان کی قید لگائی۔

(4) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب امامت کے بارے میں درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا تھا کہ ظالموں کے لئے نہیں۔ اسی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رزق کے لئے دعا کی تو مومن اولاد ہی کے لئے دعا کی۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا جو جواب دیا گیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... الْمَصِيْرُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جس نے کفر کیا تو میں اسے بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو صرف مومنوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق تو میں کافروں کو بھی دوں گا جس طرح مومنوں کو دوں گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں لوگوں کو پیدا تو کروں مگر انہیں رزق نہ دوں؟ میں کافروں کو بھی دنیا میں کسی قدر تو متمتع کروں گا مگر پھر انہیں عذاب بھگتنے کے لیے جہنم رسید

کردوں گا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:1/299)

(2) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ ''اُن کو بھی اور ان کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کو کبھی روکا نہیں گیا۔'' (بنی اسرائیل:20)

(3) اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا انتہائی حقیر ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ کی طرف داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دونوں طرف تھے۔ آپ ﷺ نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا' اسے مرا ہوا دیکھا۔ (اس کا کان ایک طرف سے چیر بھی دیا گیا تھا) آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: ''تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے (کیونکہ یہ تو مردار ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اگر یہ (بھیڑ کا بچہ) زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے (اسے کون لے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔'' (مسلم:7418)

(4) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اہم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔'' (ترمذی:2320)

سوال 3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کیا دُعائیں مانگیں؟

جواب: (1) اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا دیجئے۔

(2) اس شہر کے رہنے والوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کو مانیں، اُنہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دیجئے۔

(3) کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں ہماری خدمت کو قبول فرمایئے۔ (4) ہمیں اپنا اطاعت گزار بنایئے۔

(5) ہماری نسل میں سے ایسے لوگ اٹھایئے جو تیرے مسلم ہوں۔ (6) ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتایئے۔

(7) ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمایئے۔

(8) ان لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے جو انہیں تیری آیات سنائے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے۔

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

''اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما،

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' (127)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے جو دعا مانگ رہے تھے، اس کی وضاحت ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ ... الْعَلِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ ''اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو بہت آزمایا۔ اتنی آزمائشوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنانے کا موقع دیا۔ امام بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں کی خیریت معلوم کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے رب نے جو آپ کو حکم دیا ہے اسے کیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم میری مدد کرو گے؟ کہا: ہاں۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں۔ جب دونوں نے مل کر اس گھر کی بنیاد اونچی کر لی تو اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام جوڑتے رہے۔ جب مکان اونچا ہو گیا تو وہ پتھر (مقام ابراہیم) لائے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام جوڑتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لا لا کر دیتے رہے۔ دونوں بیت اللہ کے گرد گھوم گھوم کر جوڑتے رہے اور کہتے رہے: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (بخاری: 3364)

(2) ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما'' اس دعا میں رب کا یقین ہے، عاجزی ہے، اخلاص ہے، خشوع و خضوع ہے اور اس کے پیچھے صرف رضائے الٰہی کی سوچ ہے۔

(3) ابن ابی حاتم نے وہیب الورد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور کہتے تھے خلیل الرحمن! آپ اللہ تعالیٰ کا گھر بنا رہے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ کا عمل قبول نہ کیا جائے معلوم ہوا کہ مومن مخلص عمل کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کا عمل اس کے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ (تیسیر الرحمن: 72/1)

(4) یعنی اے اللہ ہمارے خلوص وایثار کو قبول فرما۔ گو وہ نہیں جانتے تھے کہ کعبہ کی تعمیر ایک قوم وملت کی تعمیر ہے۔ انسانیت کے مرکز عظمیٰ کی بنیادیں ہیں جو رکھی جارہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کے بارے میں دنیا کو معلوم ہوجائے کہ خلوص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہے۔ قبولیت کے لیے ظاہری ذرائع کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اخبار ورسائل یا محراب ومنبر گو اس وقت شہرت کا ایک کامیاب ذریعہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک اس نوع کی شہرت جس میں خلوص وحسن نیت نہ ہو وبال ایمان ہے۔ ایک اللہ کا بندہ شہروں سے دور جنگلوں میں اگر خلوص وحسن نیت کے ساتھ کہیں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ جائے تو تم آج بھی دیکھ لوگے کہ شہر اور شہر کے تمام اسباب شہرت اس کے قدم چومیں گے اور جنگل میں منگل کا لطف پیدا ہوجائے گا۔ بات یہ ہے کہ ہم مخلص نہیں اور پھر یہ گلہ بھی ہے کہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ کا منظر اگر آج بھی دیکھنا ہو تو ابراہیمی ذوق وشوق پیدا کرو۔ (تفسیر سراج البیان:44/1)

(5) ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ''یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' یعنی اے رب! تو ہماری نیتوں سے خوب واقف ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے، ہمارا یہ عمل قبول فرمالے۔ (السراج المنیر :82/1)

(6) اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعائیں سننے سے سمیع ہونے کا اور قبول کرنے سے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہماری

وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، یقیناً تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے'' (128)

سوال 1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں سے کیا بات جھلک رہی ہے؟

جواب: (1) دونوں اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

(2) سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا ہوا ہے۔ ایسی سپردگی جس کی مثال نہیں ملتی۔ اپنے تمام تر معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کئے ہیں۔ (3) پھر رب سے دعا مانگ رہے ہیں کہ ایسا بنادے کہ سارے معاملات تیرے سپرد کردیں، عبادت کے طریقے بھی فوری سکھا دیجئے، نسلوں کو بھی عبادت کے طریقے سکھا دیجئے۔

(4) یہ شعور جھلکتا ہے کہ اصل قوت اور اقتدار کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

(5) یہ یقین جھلکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کے بغیر، اس کی رحمت کے بغیر معافی نہیں ملے گی۔ اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر توجہ فرمایئے، آپ ہی توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اس دعا ﴿رَبَّنَا ... الرَّحِيْمُ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا'' اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! ہمیں اپنا اطاعت گزار بنالے کہ ہم خلوص کے ساتھ صرف تیری عبادت کریں اور تیری اطاعت وعبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

(2) (i) اس دعا سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ہر مومن کی پہلی تمنا کا پتہ چلتا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دولت سے ان کو محروم نہ رکھے۔ (ii) امت مسلمہ ایک دوسرے کی مددگار ہوتی ہے اور نسلوں تک ان کے عقیدے کی پختگی جاری رہتی ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں مومن کی پہلی ترجیح جھلک رہی ہے کہ آنے والی نسلوں میں ایمان کی دولت کا سلسلہ جاری رہے۔

(3) ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ ''اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا'' (i) اس سے مراد ہے کہ ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھایئے۔ (ii) یعنی ہمیں ارادے اور مشاہدے کے ذریعے ہمارا طریقہ عبادت سکھادیجیے۔ ان کی دعا کا حاصل علم نافع اور عمل صالح کے لیے توفیق مانگنا ہے۔

(4) ﴿وَتُبْ عَلَيْنَا﴾ ''اور ہماری توبہ قبول فرما'' ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔ بندہ توبہ کا محتاج ہوتا ہے۔

(5) ﴿اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''یقیناً تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے توبہ کے قبول کرنے سے اپنے التوّاب اور الرّحیم ہونے کا شعور دلایا ہے، یقیناً وہ بندوں پر رحم کرنے والا ہے اور ان کی غلطیوں کے باوجود ان کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

''اے ہمارے رب! اور ان لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور

الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے، یقیناً تو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' (129)

ع 15 8 15

سوال1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حرم والوں میں رسول کی بعثت کے لیے جو دعا مانگی ،اس کی وضاحت ﴿رَبَّنَا ... الْحَكِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حرم والوں کے لیے جو آخری دعا فرمائی وہ یہ تھی:﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ''اے ہمارے رب!اوران لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج''یعنی اے ہمارے رب!ہماری اولاد میں بھی رسول مبعوث فرما تا کہ وہ درجات کی بلندی کا سبب بنے۔سب اس کی فرماں برداری کریں۔

(2)﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ﴾ ''جوانہیں تیری آیات پڑھ کرسنائے''یعنی وہ حفظ کرنے اور کروانے کے لیے تیری آیات کی تلاوت کریں۔

(3)﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ''اورانہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے''یعنی معنی سمجھاتے ہوئے کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔کتاب وحکمت سے مراد قرآن وحدیث ہیں۔

(4)﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ ''اوران کو پاک کرے''یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے ان کی تربیت کرے اور برے اعمال سے بچائے کیونکہ برے اعمال کے ساتھ انسان پاک نہیں رہ سکتا۔

(5)﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''یقینا تو سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے''اللہ تعالیٰ آپ ہی غلبہ اور حکمت رکھنے والے ہیں۔آپ کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اور آپ کا ہر قول وفعل حکمت پر مبنی ہے۔

(6)سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا آخری حصہ ہے جس میں وہ رب سے کہتے ہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس امت کی تنظیم کس طرح سے ہوگی؟مرکز کیسے آباد ہوگا؟آپ کے پاس سارا اقتدار ہے۔آپ ہی ایک رسول مبعوث فرمادیجئے جس کے توسط سے خیر کا سلسلہ جاری رہے۔

سوال2: رسول کے اندر کن خصوصیات کی دُعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مانگی تھی؟

جواب:(1)رسول اللہ تعالیٰ کی آیات سنائے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیوں کو،اُن کے اشارات کو کھولے۔

(2)رسول ایسی نظر سے دیکھنا سکھائے جس سے راہ نمائی حاصل کرنے والے ہر چیز میں اپنے ربّ کو دیکھنے کے قابل ہو جائیں۔(3)رسول اللہ تعالیٰ کے کلام کو خود سیکھ کر،اسے قبول کر کے دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔

(4)رسول حکمت یعنی بصیرت سکھائے۔وہ خود اپنے ذہن کو قرآن کی تعلیمات میں ڈھالے،اپنی فکر کو روشن کرے،صحیح فیصلے تک پہنچنے کی اہلیت پیدا کرے اور جن کی راہ نمائی کرنی ہے اُنہیں بھی اس قابل بنائے۔

(5)رسول تزکیہ کا کام کرے یعنی ایسے انسان تیار کرے جن کے سینے اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ ہر محبت سے خالی ہوں۔

(6)رسول انسان کو نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد کرے۔وہ انسانوں کو اس قابل بنادے کہ وہ کائنات سے اپنے شعور کے لیے رزق پاسکیں۔

سوال3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کب اور کیسے پوری ہوئی؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ایسے پوری ہوئی کہ ان کی نسل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان کے وجود سے روشنی نکلی جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔''(مسند احمد:22324)

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

''اور کون ہے جو ابراہیم کی ملت سے منہ موڑے مگر وہی جس نے خود کو بے وقوف بنالیا ہو حالانکہ ہم نے اسے (ابراہیم کو) دنیا میں چن

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

لیا تھا اور بلاشبہ وہ یقینا آخرت میں صالحین میں سے ہوگا''(130)

سوال1: ملت ابراہیم علیہ السلام سے تو کوئی نادان ہی منہ موڑ سکتا ہے،اس کی وضاحت ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ...الصّٰلِحِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾''اور کون ہے جو ابراہیم کی ملت سے منہ موڑے''یعنی ابراہیم کے طریقے اور منہج سے کون روگردانی کرسکتا ہے؟

(2)﴿اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾''مگر وہی جس نے خود کو بے وقوف بنالیا ہو''یعنی سوائے اس کے جس نے خود اپنے آپ پر اپنی نادانی اور سوئے تدبیر سے ظلم کر رکھا ہو اور حق کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کرلیا ہو اور اس طرح اس نے اس شخصیت کے راستے سے منہ موڑا جس کو اللہ تعالیٰ نے بچپن سے ہدایت دی،اپنا خلیل بنایا اور جن کا شمار آخرت میں نیک لوگوں میں ہوگا۔پس جو ان کے طریقے اور ملت کو چھوڑ کر گمراہی کے طریقوں کو اختیار کرے تو اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہوسکتا ہے؟ یا اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے؟ رب العزت کا فرمان ہے:﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾''بلاشبہ شرک یقینا بہت بڑا ظلم ہے۔''(لقمان:13)

(3)ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود ونصاریٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے بے رغبتی اختیار کی اور یہودیت اور نصرانیت جیسی بدعات کو گھڑ لیا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں تھیں اور ملت ابراہیم کو چھوڑ دیا۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم پر اپنا نبی بنا کر بھیجا۔(الدرالمنثور:255/1)

(4)﴿مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾ سے مراد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یعنی خالص اور واضح اسلام اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا طریقہ ہے۔

(5)رب العزت نے فرمایا:﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں:''میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے کہ وہ ایک مضبوط دین ہے،ملت ابراہیم ہے جو ایک ہی طرف کے تھے،مشرکوں میں سے نہ تھے۔''(الانعام:161)

(6)﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے کہ آپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو ایک اللہ کی طرف ہو جانے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''(النحل:123)(7)اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر عقل مند کوئی نہیں جو ملت ابراہیم میں رغبت رکھتا ہو۔

(8)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیتے تھے۔یہودی،عیسائی اور کفارِ مکہ سبھی اپنے آپ کو اُن سے منسوب کرتے تھے۔پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود دین کو قومی عزت کا نشان سمجھتے تھے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مطابق دین یہ تھا کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لے اور یک سو ہو کر اللہ والا ہو جائے۔اس دعوت دین سے ان کے قومی عزت والے دین پر زد پڑتی تھی۔

(9)﴿وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا﴾ ''حالانکہ ہم نے اسے(ابراہیم کو) دنیا میں چن لیا تھا''اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دنیا کے حالات کے بارے میں خبر دی کہ ہم نے انہیں چن لیا۔انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کی بنا پر وہ نیک لوگوں میں شمار ہوئے۔

(10)﴿وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ''اور بلاشبہ وہ یقینا آخرت میں صالحین میں سے ہوگا''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آخرت کی حالت کے بارے میں رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ وہ آخرت میں ان نیک لوگوں میں شامل ہوں گے جو بلند درجات پر ہوں گے۔

سوال2:سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیسے انسان تھے؟قرآن اس مقام پر اُن کا کیا تعارف پیش کرتا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کی تمام آزمائشوں میں پورا اترنے والے۔(2)سب لوگوں کے پیشوا اور امام تھے۔(3)اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ جہاں وہ عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تھے،اسے مستقل جائے نماز بنانے کا حکم ہوا۔
(4)وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو پاک صاف رکھنے والے تھے۔(5)وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات،اپنی اولاد اور اپنی قوم کی دنیا وآخرت کی بھلائیوں کے لیے دعائیں کرنے والے تھے۔(6)وہ اللہ تعالیٰ کا گھر بنانے والے تھے۔(7)وہ یکسو حنیف تھے۔(8)وہ صالح اور مسلم تھے۔(9)اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نصیحت کرنے والے تھے۔

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''جب اس کے رب نے اس سے کہا:''فرماں بردار ہوجا'' تو اس نے کہا:''میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہوگیا''(131)

سوال:سیدنا ابرہیم علیہ السلام کو اخلاص اور فرماں برداری کا جو حکم دیا گیا،اس کی وضاحت ﴿اِذْ قَالَ ... لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ﴾''جب اس کے رب نے اس سے کہا:''فرماں بردار ہوجا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اخلاص اور فرماں برداری کا حکم دیا۔
(2)اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اخلاص،کمال عبودیت اور توحید واسلام پر ثابت رہنے کا حکم دیا،تو انہوں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔(تیسیر الرحمٰن:1/73)
(3)اپنی سوچ،اپنے خیال،اپنے جذبات،اپنے احساسات اور اپنے عمل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کردینا اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بننا ہے۔
(4)(i)اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک،حاکم،آقا اور معبود مان کر۔(ii)اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھال کر۔
(iii)اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرکے۔(iv)اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی گزار کر حقیقتاً انسان اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتا ہے۔
(5)﴿قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾''تو اس نے کہا:''میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہوگیا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں خالص توحید اور محبت کے ساتھ رب العالمین کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں۔﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾''یقیناً میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کرلیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے،یک سو ہوکر اور

میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' (الانعام:79)

﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ

''اوراس کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی: ''اے میرے بیٹو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے،

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

تو ہرگز نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو'' (132)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کس چیز کی وصیت کی، اس کی وضاحت ﴿وَوَصّٰی.. مُّسْلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ﴾ ''اوراس کی وصیت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید کی وصیت کی اور اسے ایک ایسا کلمہ بنا دیا جو باقی رہا حتیٰ کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو کلمہ توحید کی وصیت کی۔ یہی توحید اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔

(2) ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرماں بردار بننے کی وصیت کی۔

(3) ﴿یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''اے میرے بیٹو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے، تو ہرگز نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو'' سیدنا ابرہیم علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو چن لیا ہے لہٰذا اس دین کو قائم کرو، اس کی شریعت پر عمل کرو، اس دین کے رنگ میں رنگے جاؤ پھر اسلام کے سوا کسی اور حالت پر تمہیں موت نہ آئے۔ اسی دین کے اخلاق واوصاف پر زندگی گزارو گے تو اسی پر موت آئے گی اور ان ہی کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے میں رکاوٹیں آئیں، تم اسلام پر عمل کرنے سے نہ رکنا۔ غلبہ اسلام کی تمنائیں ٹوٹیں، تم نہ ٹوٹنا، تم اسی دین پر قائم رہنا۔

(4) دین سے مراد زندگی گزارنے کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ''یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔'' (آل عمران:19)

(5) ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''تو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو'' ان الفاظ سے ایک

موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا صالح انسان کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ مرتے ہوئے بھی اس کے دل ودماغ پر کیا بات چھائی ہوئی ہے۔اس دنیا کو چھوڑتے ہوئے بھی یہ فکر ہے کہ اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑ رہے ہیں۔

(6)اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام قدیم ہے۔وہی سارے انبیاء کی دعوت رہی ہے۔اس کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے وصیت کی۔انہوں نے کہا اسلام کو لازم پکڑلو،اس پر دوام اختیار کرو اور اس کو نہ چھوڑنا یہاں تک کہ تم وفات پا جاؤ۔ (تفسیر منیر:346/1)

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی؟ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا:''میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے''؟

بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ﴾

انہوں نے کہا:''ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم،اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی

﴿وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

معبود ہے اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں''(133)

سوال 1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کیا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جس دن وفات پائی اس دن یہودیت کی وصیت کی تھی۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ﴾(تفسیر ابی سعود:297/1)

سوال 2: سیدنا یعقوب علیہ السلام کی موت اور وصیت کا ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے،اس کی وضاحت ﴿اَمْ كُنْتُمْ ۔۔ ۔۔يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾''کیا تم اس وقت موجود تھے جب سیدنا یعقوب علیہ السلام کو موت آئی؟'' سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل تھا۔ان ہی کی نسل میں سے بنی اسرائیل تھے۔ان سے یہود کی گہری وابستگی تھی۔ان کی موت کا معاملہ اور وصیت کا معاملہ یہود کو اندر سے ہلا دینے والا ہے۔یہود کو زجر وتوبیخ کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی؟ اگر وہ کہیں کہ موجود تھے تو جھوٹے ہیں اور اگر کہیں کہ نہیں تھے تو یہ ثابت ہو گیا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ کیا وصیت کی گئی تھی۔

سوال3: سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے جو سوال کیا، اس کی وضاحت ﴿اِذْ قَالَ...مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ ''جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: ''میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟'' سیدنا یعقوب علیہ السلام پر جب اپنی موت کے آثار ظاہر ہوئے تو انہوں نے امتحان کے طور پر اپنے بیٹوں سے دریافت کیا تاکہ بیٹوں کے وصیت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے سکون نصیب ہو۔

(2) میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ان کے توحید اور اسلام پر قائم رہنے کے بارے میں پوچھا اور ان سے اس پر ثابت قدم رہنے کا عہد لیا۔

(3) اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اپنی موت کے وقت سب سے زیادہ اپنی اولاد کے ایمان اور عبادت کی فکر تھی۔

(4) قرآن حکیم لوگوں کو دو بنیادی امور پر اتفاق کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان میں سے پہلا توحید اور شرک اور اس کی اقسام سے برأت ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور تمام اعمال میں اس کے لیے خضوع اور اسلام وہ ہے جس کی طرف قرآن نے اور نبی ﷺ نے دعوت دی۔ انہوں نے اس اسلام کی دعوت نہیں دی جن معنوں میں وہ آج کل معروف ہے۔

(تفسیر مراغی:124/1)

(5) سارے انبیاء کی وصیت توحید اور اسلام پر قائم رہنے کی تھی جیسا کہ فرمایا:﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰۤی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ كَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ ''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مشرکین پر بہت گراں ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے لیے چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اپنی طرف اس کو راستہ دکھاتا ہے، جو رجوع کرتا ہے۔'' (الشوریٰ:13)

سوال4: سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان کے سوال کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْا...مُسْلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالُوْا﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ ''انہوں نے کہا: ''ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے'' یعنی ہم اس الٰہ کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آباء کا معبود ہے جس کے وجود اور اس کی عبادت کے واجب ہونے پر عقلی اور حسی دلائل قائم ہیں۔ اس کے ساتھ احکامات پر عمل کرنے والے، خضوع کرنے والے، اس کی عبودیت کا اعتراف کرنے والے اور ہر معاملے میں اس کی طرف رخ کرنے والے ہیں۔ اس دور میں بتوں، ستاروں اور حیوانات کی عبادت ہوتی تھی۔ (تفسیر مراغی: 124/1)

(2)(i) ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے اپنے دین کو پہچان لیتے ہیں اور اس ورثے کو قبول کرتے ہیں۔ (ii) ان الفاظ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسلوں تک یہ دین چلتا رہا۔ ہاں یہودی ان کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ یہ خبر رب العزت نے دی ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی نہیں، دین اسلام کی وصیت کی تھی۔

(3)﴿وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں'' اسلام کا مطلب ہے اپنے آپ کو حوالے کر دینا، سپرد کر دینا۔ اسلام شعوری طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

(4) عبادت اسلام لانے کے بعد کے تقاضوں میں سے ہے یعنی انہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اب یہاں کہا ہم اس کے فرماں بردار ہیں تو انہوں نے توحید اور عمل کو جمع کر دیا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ ''کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور کو تلاش کرتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔'' (آل عمران: 83)

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر گئی، جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے؟'' (134)

سوال: کیا انبیاء اور صالحین سے محض نسبت کام آئے گی، اس کی وضاحت ﴿تِلْكَ ... يَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) انبیاء اور صالحین سے محض نسبت کام نہیں آئے گی کیونکہ نجات کا دارومدار نیک اعمال پر ہے، نسب پر نہیں۔

(2) ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ ''وہ ایک امت تھی جو یقینا گزر گئی'' اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کی جماعت اور ان کی اولاد کی جماعت ہے۔

(3) ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ ''جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے'' یہ بات اس لیے کہی گئی کہ سب جان لیں کہ دین حق ہے اور حق کے معاملے میں وراثت نہیں۔ بزرگوں کی نیکیوں کا ثواب بعد والی نسلوں کو نہیں ملتا۔ جیسے یہودی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ثواب منتقل ہوتا ہے، آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

(4) عیسائیوں نے یہ سمجھا تھا کہ پچھلی نسلوں کے گناہ اگلی نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں جب کہ یہ بات درست نہیں۔ گناہ وراثت میں نہیں ملتے جیسے نیکیاں وراثت میں نہیں ملتیں۔

(5) ہر شخص نے جو خیر اور شر کمایا تو ان کا خیر تمہیں نفع نہیں دے گا اگر تم برائی کماتے ہو۔ (المحرر الوجیز: 214/1)

(6) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو جو کچھ ملے گا اپنے ذاتی اعمال کی وجہ سے ملے گا، کسی دوسرے کے اعمال اس پر اثر انداز ہونے والے نہیں ہیں۔ (7) ہر شخص کا عمل اس کا اپنا عمل ہے اس پر اللہ تعالیٰ اسے جزا دے گا۔

(8) ﴿وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے؟'' تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کام کرتے تھے۔

(9) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

(10) اللہ تعالیٰ کسی کے گناہوں کا مؤاخذہ دوسرے سے نہیں کرے گا۔ ہر شخص کو اس کا ایمان اور تقویٰ کام آئے گا۔ لہٰذا یہ زعم کہ انبیاء کی اولاد ہیں ان کے طریقے پر ہیں، درست نہیں۔ اپنے حالات پر غور کرو اور دیکھو کہ کیا میرے اعمال مجھے اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات دلا دیں گے؟

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

''اور انہوں نے کہا کہ تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، آپ کہہ دیں (نہیں) بلکہ ابراہیمؑ کی ملت، جو ایک اللہ کا ہونے والا تھا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا'' (135)

سوال 1: یہ آیت کب نازل ہوئی؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک یہودی نے رحمت عالم ﷺ سے کہا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں اگر تم بھی ہماری پیروی کرو گے تو راہ پا جاؤ گے، عیسائیوں نے بھی یہی بات کہی تھی اس پر یہ آیت اتری۔ (مختصر ابن کثیر: 86/1)

سوال 2: کون لوگ یہ کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت ملے گی، اس کی وضاحت ﴿وَقَالُوْا ۔۔۔۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے'' یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ تو ہدایت ملے گی اور عیسائی کہتے تھے کہ عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت ملے گی۔

(2) یہودی کہتے تھے کہ یہودیت کے سوا کوئی دین نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ماسوا کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام افضل نبی ہیں اور ان کی کتاب افضل کتاب ہے اور ان کا دین بہترین دین ہے اور وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا اور محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرتے تھے اور عیسائی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے عیسائیت کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرنا کیونکہ عیسائیت اس کی خاص ہدایت ہے چونکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سارے انبیاء میں افضل ہیں اور ان کی کتاب سب سے جلیل القدر کتاب ہے اور ان کا دین سب ادیان سے بہتر ہے۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام، تورات، محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرتے تھے۔ (تفسیر المراغی: 126/1)

(3) ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا﴾ ''آپ کہہ دیں (نہیں) بلکہ ابراہیم کی ملت، جو ایک اللہ کا ہونے والا تھا'' اللہ تعالیٰ نے جواب دیا بلکہ ابراہیم کا طریقہ اختیار کرنے پر ہدایت ملے گی یعنی توحید کا اقرار کر کے اور شرک کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے۔

(4) سیدنا ابراہیم علیہ السلام وہ نبی ہیں جن کی پیروی کرنے میں ہدایت اور جن کی ملت کو چھوڑنا کفر اور گمراہی ہے۔

(5) حنیف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا اور اللہ تعالیٰ کے دین پر سیدھا چلتا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 68,67/1)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ ''اور دین میں اس سے اچھا کون ہے؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خاص دوست بنا لیا تھا۔'' (النساء: 125)

(7)﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بہت بڑی گواہی ہے کہ وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا اس لئے مقام بلند تک پہنچا۔

(8) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ یہودی یا عیسائی نہیں تھے۔

(9) حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا نہ کوئی ہدایت ہے، نہ سعادت، نہ کمال۔ (ایسر التفاسیر: 69,68/1)

سوال 3: انسان ایک اللہ کا کیسے ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان کے اندر یک سوئی پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے قبلے کا تعین کیا۔ دن میں پانچ بار اللہ تعالیٰ کے لیے یک سو ہونا سکھایا جاتا ہے۔ انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔ یہ حنیف ہونے کی تصویر ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بھی یہ رویہ انسان اپنی زندگی میں اپنائے۔

(1) اپنے ہر معاملے میں سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرے۔ (2) اپنی زندگی کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لے۔ (3) اپنی خواہش اور دوسروں کی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اہمیت نہ دے۔

(4) اس طرح خدا رخی اور یکسوئی والی زندگی اختیار کر لے۔

سوال 4: یک سوئی کا انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: (1) یک سوئی سے ہی انسان غور و فکر کر سکتا ہے۔

(2) یک سوئی سے ایک اللہ تعالیٰ کا ہونے سے ہی اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

سوال 5: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یک سوئی کہاں دکھائی دیتی ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب عراق میں تھے تو بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر یک سو ہو گئے تھے۔ (2) سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرتے وقت بھی یک سو تھے۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

''آپ سب کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام،

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولادِ یعقوب علیہ السلام کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب نبیوں کو ان

﴿رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں'' (136)

سوال: اللہ رب العزت نے کس کس چیز پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اس کی وضاحت ﴿قُوْلُوْٓا ... مُسْلِمُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے اپنی کتاب کے ساتھ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

(2) یہ آیت کریمہ ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ جان لیجیے کہ ایمان، جو ان اصولوں کے ساتھ دل کی پوری تصدیق کا نام ہے اور اس کا اقرار، قلوب اور اعضاء کے اعمال کو متضمن ہے اور اس اعتبار سے اس میں اسلام داخل ہے اور اس میں تمام اعمال صالحہ بھی داخل ہیں۔ پس تمام اعمال صالحہ ایمان کا حصہ اور اس کے آثار میں سے ہیں۔ جب ایمان کا علی الاطلاق ذکر ہوگا تو مذکورہ امور ان سب میں شامل ہوں گے۔ اسی طرح جب اسلام کا علی الاطلاق ذکر کیا جائے گا تو ایمان بھی اس کے اندر داخل ہوگا۔ جب ایمان اور اسلام کا مقرون اور ایک ساتھ ذکر کیا جائے گا تب ایمان، قلب کے اقرار و تصدیق کا نام اور اسلام، اعمال ظاہرہ کا نام ہوگا اور اسی طرح جب ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کیا جائے گا (تو یہی اصول ہوگا۔) (تفسیر سعدی: 165/1) کیونکہ عقیدہ دین کی اصل اور اس کی اساس ہے۔

(3) ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''آپ سب کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے'' یعنی زبان سے کہو اور تمہارا دل اس کی تصدیق کرے اور تمہارے اعمال اس کے مطابق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہوں۔

(4) یہی وہ قول ہے جس پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ جیسے دل کے عقیدے کے بغیر محض زبان سے ایمان کا اقرار کرنا اور اس کا اظہار کرنا نفاق اور کفر ہے۔

(5) وہ قول جو عمل سے عاری ہو زبان کا عمل ہے لیکن وہ تاثیر سے محروم رہتا ہے اور اس کا نفع بہت کم ہوتا ہے۔ اگر یہ قول کوئی بھلائی کی بات ہو اور دل میں ایمان بھی ہو تو اس پر اجر ملتا ہے۔

(6) ﴿قُوْلُوْٓا﴾ ''آپ سب کہو'' میں مسلمان اپنے عقیدے کا اعلان کرتا ہے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔

(7) ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ہم ایمان لائے جمع کا صیغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ساری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے رہیں یہاں تک کہ سب متحد ہو جائیں اور ان کا عمل ایک ہو جائے۔ (8) اس آیت سے فرقہ بندی کی مخالفت بھی نکلتی ہے۔

(9)اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ہم اس حقیقت پر ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، وہ ایک ہے، ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص اور عیب سے منزہ ہے۔تمام عبادات کا اکیلا ہی مستحق ہے۔ان عبادات میں کسی پہلو سے بھی کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔(تفسیر سعدی:166/1)

(10)﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾''اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے''میں قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ دونوں شامل ہیں۔یعنی ہم قرآن وسنت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل کیا۔''(النساء:113)

(11)قرآن وسنت پر ایمان لانے میں ان تمام چیزوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے جن کا قرآن وسنت میں ذکر کیا گیا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، انبیاء کی صفات، آخرت کے حالات، غیبی امور، تمام شرعی احکامات، اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں، ثواب وعذاب پر ایمان لانا۔

(12)﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِمَ﴾''اور جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا گیا'' کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا۔﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى(۱۸) صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى(۱۹)﴾''بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے۔ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''(الاعلیٰ:19,18)

(13)﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾''اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام کی طرف نازل کیا گیا'' خاص طور پر اس آیت میں جن انبیاء ومرسلین کا ذکر ہے ان پر ایمان لانا کہ وہ بڑی بڑی شریعتیں لے کر دنیا میں آئے۔آیت کے اس حصے میں ان تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے جو انبیاء ومرسلین پر نازل کی گئی ہیں۔

(14)ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پچھلے انبیاء ومرسلین پر نازل ہونے والی کتابوں پر عمومی طور پر ایمان لائیں اور جس کا تفصیلی علم ہو جائے اس پر مفصل ایمان لائیں۔

(15)﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى﴾''اور جو دیا گیا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو''اس سے مراد تورات اور انجیل ہے۔

(16)﴿وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾''اور جو دوسرے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا''اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انبیاء کی کتابوں اور شریعتوں پر ایمان لائیں۔ہمیں ان کی حکومتوں اور مال ومتاع پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دین ہی حقیقی عطیہ ہے جو انسان کو دنیا وآخرت میں سعادت تک پہنچاتا ہے۔

(17)﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی بنیاد پر کتابیں بھیجیں، رسول بھیجے۔ اس کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو یوں ہی بے کار نہ چھوڑا جائے۔ رسول اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتے ہیں اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور اور برائی سے روکتے ہیں۔ ان کی دعوت ایک ہے۔﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ ''اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ یقیناً بہت زیادہ اختلاف پاتے۔'' (النساء:82)

(18)﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے'' یعنی یہود کی طرح جو کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائے اور ہم بعض کا انکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ کہو ہم انبیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

(19) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیائے کرام آپس میں علاتی بھائی ہیں اگرچہ ان کے مسائل مختلف ہیں لیکن دین ایک ہے۔'' (صحیح بخاری:3443)

(20) رب العزت نے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہ کیا، یہی لوگ ہیں انہیں جلد ہی اللہ تعالیٰ ان کے اجر سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (النساء:152)

(21) یہود و نصاریٰ اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سارے انبیاء اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ تفریق کرتے ہیں۔ کچھ پر ایمان لاتے اور کچھ کو جھٹلاتے ہیں۔ اگر وہ محمد ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو اپنے انبیاء اور ان کی کتابوں کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اور یہ ان کا اپنے رسول سے کفر ہے۔

(22)﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں'' ہم اپنے ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اس کی عبودیت کے لیے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کو اس کے لیے خالص کرتے ہیں۔

(23)(i) یہ آیت کریمہ توحید کی تینوں قسموں پر مشتمل ہے یعنی توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات۔ (ii) یہ آیت کریمہ تمام انبیاء و رسل اور کتابوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے۔ (iii) یہ آیت کریمہ دل، زبان اور اعضاء کی تصدیق اور اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص پر مشتمل ہے۔ (iv) یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کو تعلیم دینے پر مشتمل ہے

کہ وہ اپنے ایمان کا اظہار کیسے کریں۔ شکر ہے اس ذات کا جس نے ایسا دین سکھایا جو دنیا و آخرت کی سعادت اور کمال تک پہنچانے والا ہے۔ پاک ہے وہ جس نے قرآن مجید جیسی معرکۃ الآراء جامع کتاب نازل فرمائی جس میں ہدایت، رحمت اور شفاء ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ الحمدللہ۔ یا ارحم الراحمین قرآن مجید کو ہمارے دلوں کی بہار، آنکھوں کا نور اور غموں کا مداوا بنادے۔ (آمین)

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اب وہ مخالفت میں

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

ہیں، چنانچہ عنقریب ان سے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہو جائے گا اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' (137)

سوال: اہل کتاب کے لیے ہدایت پانا کس صورت میں ممکن ہے، اس کی وضاحت ﴿فَاِنْ... الْعَلِيْمُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اہل کتاب کے لیے ہدایت پانا اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور رسولوں پر اسی طرح ایمان لائیں جیسا کہ مومن ایمان لائے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کریں۔ رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ ''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو'' یعنی اہل کتاب بھی اگر اسی طرح تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو اور اس میں سب سے پہلے محمد ﷺ پر ایمان لائیں، جن پر ایمان لانے کا حکم وہ اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لائیں جو آخری کتاب ہے جس میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو انہوں نے اللہ رب العزت کے سامنے سر جھکا دیا اور اس کے رسولوں میں تفریق نہ کی۔

(3) ﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ ''تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے'' تو ان کو سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی یعنی راستے کا پتہ بھی لگ گیا اور وہ نفع مند علم ہے اور چلنے کا طریقہ بھی جو اعمال صالح ہیں۔ یہ راستہ جنت تک پہنچانے والا ہے۔ ہدایت توفیق کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔ اس ایمان کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی علم نافع اور عمل صالح کی توفیق نہیں ملے گی اور اپنی منزل یعنی جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک نہیں پہنچیں گے۔

(4) اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان معتبر ہے جس میں انسان حق کو پہچانے، حق کا اعتراف کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے دور میں اسی طرح ایمان لائے تھے۔ اس لیے آئندہ آنے والے انسانوں کے سامنے ان کی زندگیوں کو مثال کے طور پر رکھا کہ اگر ان جیسا ایمان لاؤ گے تب ہدایت پاؤ گے۔

(5) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے۔ اب اگر لوگ اسی طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔

(6) ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''اور اگر وہ پھر جائیں'' یعنی ہدایت سے جس کی ضد علم سے محرومی اور علم کے بعد عملی گمراہی ہے۔

(7) ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ سے مراد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے منہ پھیریں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ضد اور تعصب کی وجہ سے سیدھے راستے پر نہیں آتے۔

(8) ﴿فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ ''تو یقیناً اب وہ مخالفت میں ہیں'' یہی وہ شقاق ہے یعنی دشمنی اور مخالفت جس پر وہ قائم تھے۔ یعنی علم سے محرومی اور عملی گمراہی۔

(9) شقاق میں وہ شخص مبتلا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول سے ہمیشہ متضاد راستے پر ہوتا ہے یعنی اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہے تو دوسری طرف شقاق والا ہوگا۔

(10) شقاق سے انتہا درجے کی عداوت پیدا ہوتی ہے ایسے دشمن رسول کو سخت ایذائیں دیتے ہیں اور اپنا وقت، مال، صلاحیتیں اپنا سب کچھ رسول کی دشمنی میں لگا دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

(11) ﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''چنانچہ عنقریب ان سے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہو جائے گا'' پھر ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے یعنی ان کی کسی ضد، مخالفت اور دشمنی سے تم خوف نہ کھاؤ۔ سیدھے راستے پر جمے رہو، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے۔

(12) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے۔

(13) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ آپ ﷺ کو غلبہ عطا کیا۔ یہ لوگ جلاوطن کر کے تتر بتر کر دیئے گئے، ان کے جوان قتل ہوئے اور ان میں سے بعض کو قیدی اور غلام بنا لیا گیا۔

(14) یہ آیت قرآن حکیم کے معجزات میں سے ایک معجزے کو ظاہر کر رہی ہے اور وہ ہے ایک واقعہ کے وقوع ہونے سے پہلے خبر دینا اور پھر اس کا اسی کے مطابق واقع ہونا۔

(15) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت مصحف ان کی گود میں تھا ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ کے الفاظ پر ان کے خون کے چھینٹے پڑے۔ یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

(16) یہودیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ حمایت کے لئے کافی ہوگیا۔ جب بنونضیر جلاوطن ہوئے اور بنوقریظہ قتل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ حفاظت اور نصرت پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائیں گے۔

(17) ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ''اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ سب کچھ سنتا ہے، وہ علیم ہے سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ پیچھے ہے اور جو آگے ہے، غائب اور حاضر سب اس کے علم کے دائرے میں ہے۔ اس لیے ان کے شر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہے۔

(18) اللہ تعالیٰ کی صفات السمیع اور العلیم اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ ہر بات اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور ہر بات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اس لئے وہ کافی ہے۔

(19) اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور اظہار کرنے کا حکم دے کر اپنے السمیع اور العلیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا علم رکھتا ہے اور تمہارے اقرار، اعتراف اور اظہار کو سنتا ہے، وہ السمیع ہے۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو)، اور رنگ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے والے ہیں'' (138)

سوال: اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرنے کے حکم کی وضاحت ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ... عٰبِدُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو)'' اللہ تعالیٰ کے رنگ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

(2) اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ اس دین کے تمام عقائد اور احکامات پر تمام اوقات میں عمل کرو یہاں تک کہ یہ دین تمہاری صفات میں سے ایک صفت بن جائے، تم پر اس دین کا رنگ چڑھ جائے۔ جب تم اپنے اختیار اور دل کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کے آگے جھک جاؤ گے، ان پر عمل کرو گے تو یہ دین تمہارا مزاج، تمہاری فطرت اور تمہاری طبیعت بن جائے گا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کپڑے کو رنگ دیا جائے تو یہ رنگ اس کی صفت بن جاتا ہے۔ جب تم پر اس دین کا رنگ چڑھ جائے گا تو تمہیں دنیا اور آخرت کی فلاح، سعادت اور کمال حاصل ہوگا کیونکہ دین حسن اخلاق، اعلیٰ درجے کے اعمال اور عالی مرتبت کاموں کو اختیار کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔

(3) ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ ''اور رنگ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ سے اچھا کوئی اور رنگ نہیں۔ عملی طور پر آپ متضاد رنگوں کا مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ بندۂ مومن جو اپنے رب پر صحیح

ایمان رکھتا ہے، اس کا دل اپنے رب کے آگے جھک جاتا ہے، اس کی زبان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات کرتی ہے، اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ وراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ہر اچھی صفت سے خود کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ احسن اعمال اور کمال درجے کے اخلاق کو اپناتا ہے اور گندی اور قبیح صفات وعادات سے اور تمام عیوب سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح قول وفعل میں سچائی، راست بازی، امانت، دیانت، ایفائے عہد، حیا، صبر، بردباری، شجاعت، پاکیزگی، قولی وفعلی احسان، حبِ الٰہی، خشیت الٰہی، توکل، اخلاص، اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید رکھنا اس کا وصف بن جاتا ہے اور وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ اگر سادگی سے دیکھیں تو مومن معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جس نے اپنے رب کا انکار کیا اس نے رب سے منہ موڑتے ہی بندوں کی طرف توجہ کی اور کفر، شرک، نفاق، جھوٹ، بدعہدی، دھوکہ وفریب، خیانت، مکروفریب اور اپنے اقوال وافعال سے مخلوق کے ساتھ برے سلوک جیسی بری عادات سے اپنے آپ کو متصف کیا۔ جو معبود کے لیے کھوٹا ہے وہ بندوں کے لیے بھی کھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ بندوں سے حسن سلوک نہیں کر پاتا۔ اس طرح وہ فرق نمایاں ہو جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کوئی رنگ اچھا نہیں اور جس نے غیر اللہ کا رنگ اختیار کیا اس سے برا کوئی رنگ نہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ کا رنگ اس کی بندگی سے چڑھتا ہے اور غیر اللہ کا رنگ پانی سے جیسے یہودی اور عیسائی نئے پیدا ہونے والے بچے کو زرد رنگ کا پانی چڑھاتے تھے اور ہر اس شخص کو بھی یہ رنگ دیا جاتا ہے جسے عیسائی بنانا مطلوب ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کسی کو پاک تصور نہیں کیا جاتا۔

(5) اس آیت کریمہ میں نزول قرآن کے دور کے یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زرد رنگ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اسلام کے رنگ میں رنگو۔

(6) اللہ تعالیٰ کے رنگ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے رنگ اور ان کے طریقہ زندگی کو اختیار کرنا بندے کو ان میں شامل کروا دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پھر وہ انہی میں سے ہے۔'' (سنن ابوداؤد: 4031)

(7) یہ رنگ اللہ تعالیٰ کے دین سے چمٹ جانے سے چڑھتا ہے۔ دین کو مضبوط پکڑنے سے، اس کا علم حاصل کرنے سے، اس پر عمل کرنے، اس کے دین کے پیغام کو پھیلانے سے، اس دین کا کام کرنے سے انسان پر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھتا ہے۔

(8) ﴿وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ ''اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے والے ہیں'' اللہ تعالیٰ کے رنگ کی وضاحت ہے۔ یہ رنگ دو بنیادوں کو قائم کرتا ہے (الف) اخلاص (ب) متابعت۔

(9) کیونکہ عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے، وہ اقوال ہوں یا ظاہری یا باطنی اعمال ہوں۔ (رسالۃ العبودیہ :149/10)

(10) یہ اعمال واقوال اس وقت تک درست نہیں قرار نہیں پاتے جب تک اللہ تعالیٰ انہیں رسول ﷺ کی زبان پر مشروع قرار نہ دیں اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔ یعنی ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے لیے اخلاص اور نبی ﷺ کی متابعت میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْٓنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾

ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اس کے لیے خالص کرنے والے ہیں'' (139)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: جب یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ انبیاء ہم میں آئے اور ہمارے دین پر تھے اور ہمارا دین تمہارے دین سے افضل اور ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (واضح البیر :53)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنے والوں کو جو جواب دینے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿قُلْ... مُخْلِصُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی راہ نمائی فرما رہا ہے کہ مشرکوں کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے ان سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو، یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے لیے اخلاص، اس کے احکام کی اتباع واطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ (المصباح المنیر :336/1)

(2) ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْٓنَنَا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کیا تم ہم سے جھگڑتے ہو؟'' کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ یہ جھگڑے یہودی اور عیسائی آپس میں بھی کرتے تھے اور مسلمانوں سے بھی۔ (الوسیط :223/1)

(3) ﴿فِي اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے بارے میں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں یعنی کیا تم اس بارے میں جھگڑا کرتے ہو کہ یہودیت اور عیسائیت ہی دین حق ہے اور تم کہتے ہو ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ ''کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو۔'' (البقرۃ:111) اور یہ کہتے ہو ﴿كُوْنُوْا

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا﴾ ''تم یہودی ہوجاؤ یا عیسائی ہوجاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔'' (البقرۃ:135)

(4)﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ''حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے'' یعنی جس رب کے بارے میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو جب کہ سب لوگوں کا رب ایک ہے تمہارا کوئی اور رب نہیں۔

(5)﴿وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ''اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں'' لیکن اعمال اپنے اپنے ہیں۔

(6)﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ''اور ہم اس کے لیے خالص کرنے والے ہیں'' ہم اسی کے لیے اخلاص سے عبادت کرتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور تم شرک کرتے ہو۔ (ایسر التفاسیر:69/1)

(7) اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت تو خالص اعمال ہی سے ملے گی اور یہ حالت صرف اہل ایمان کی ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں وہی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ ایمان والے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص رکھتے ہیں اور اخلاص ہی نجات کا راستہ ہے۔

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ

''یا تم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے؟

نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ

کہہ دو: ''کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ''؟ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

اس کے پاس ہے؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے'' (140)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء کو یہودی یا عیسائی قرار دینے والوں سے جو سوال کیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ... تَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء کو یہودی یا عیسائی قرار دینے والوں سے سوال کیا گیا ہے: ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی﴾ ''یا تم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے؟''

(2) یہ بات یہودی اور عیسائی اس لئے کہتے تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے

یہودی، عیسائی اور مشرک عقیدت رکھتے تھے۔

(3) اپنے دین کو سچا ثابت کرنے اور سچے دین کے بارے میں شک ڈالنے کے لئے یہ بات کہتے تھے کہ سیدنا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام یہودی تھے یا عیسائی تھے۔

(4) ﴿قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ ''کہہ دو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟'' اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہود و نصاریٰ کی قربت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ یک سو مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہیں تھے۔'' (آل عمران:67)

(5) یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا عیسائی۔ اس بارے میں یا تو وہ سچے ہیں یا اللہ تعالیٰ۔ جواب اگرچہ غیر واضح ہے مگر حقیقتاً واضح ہے کہ جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے۔

(6) ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے پاس ہے؟'' یہودی اور عیسائی جانتے تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔ انہوں نے اس گواہی کو چھپایا۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب میں پڑھا کرتے تھے کہ سچا دین ''اسلام'' ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور ان کے بیٹے یہودیت و نصرانیت سے بری تھے۔ (تیسیر الرحمن:1/77)

(7) یہ سب سے بڑا ظلم تھا۔ یہ گواہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سپرد کی گئی تھی۔ اس لیے اس کی ادائیگی ان پر لازم تھی۔ انہوں نے یہ گواہی چھپائی اور اس کی مخالف باتوں کا اظہار کیا۔

(8) انہوں نے حق کو چھپایا، اسے بیان نہ کیا، انہوں نے باطل کا اظہار کیا، اس کی طرف دعوت دی اور ان تمام کاموں کو جمع کر دیا۔ کیا یہ سب سے بڑا ظلم نہیں؟ قیامت کے دن انہیں اس ظلم پر سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(9) ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کو اور ان کی جزا کو محفوظ کر لیا ہے اور یہ جزا جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو ظالموں کے ظلم کی جزا ہے۔

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ

''وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر چکی، جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اورتم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے" (141)

سوال: دین میں نجات کا دارومدار کس چیز پر ہے، اس کی وضاحت ﴿تِلْكَ ... يَعْمَلُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) دین میں نجات کا دارومدار سارے کا سارا عمل پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کا عمل اسے پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔" (مسلم: 6853)

(2) ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ "وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر چکی" یعنی انبیاء اور یہود و نصاریٰ کے اسلاف گزر چکے۔

(3) ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ "جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے" یعنی ہر شخص کا اپنا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی جزا دے گا۔ کسی دوسرے شخص کے گناہوں کا اس سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہر شخص کو اپنا ایمان اور تقویٰ ہی نفع دے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ "یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اس نے کوشش کی۔" (النجم: 39,38)

(4) گزشتہ بات کی یاددہانی کرائی ہے کہ انسان کا ذاتی عمل ہی اس کے کام آئے گا محض، انبیاء و رسل کی طرف نسبت، قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گی۔ اس لئے گزشتہ لوگوں کے بارے میں باتیں نہ بناؤ، تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، تم سے تو تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تم سے سوال کیا جائے گا کہ خاتم النبیین محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے یا نہیں؟ ان کی شریعت پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ (تیسیر الرحمن: 77/1)

(5) ﴿وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "اور تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے" یعنی آپ کے بزرگ جو کچھ کرتے رہے ان کے بارے میں آپ سے سوال نہیں ہوگا اس لیے آپ اپنے اعمال کی فکر کرلو۔

(6) اللہ تعالیٰ اس آیت کو لے کر آئے تاکہ ہر کوئی اپنے عمل کی فکر کرے اور مخلوق سے اپنا تعلق منقطع کرلے یعنی ایسی نسبت جس پر بھروسہ کرکے دھوکے میں رہیں۔ اعمال ہی فائدہ دیتے ہیں نہ کہ بڑوں کی طرف انتساب۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں اپنے اعمال کی فکر نصیب فرمائے، نفع مند علم اور اعمال صالحہ کی رغبت نصیب فرمائے۔ یا ارحم الراحمین ایسی زندگی نصیب فرمادے کہ آپ ہم سے راضی ہوجائیں۔ (آمین)

ALNOOR-PUBLICATIONS

النّور پبلیکیشنز